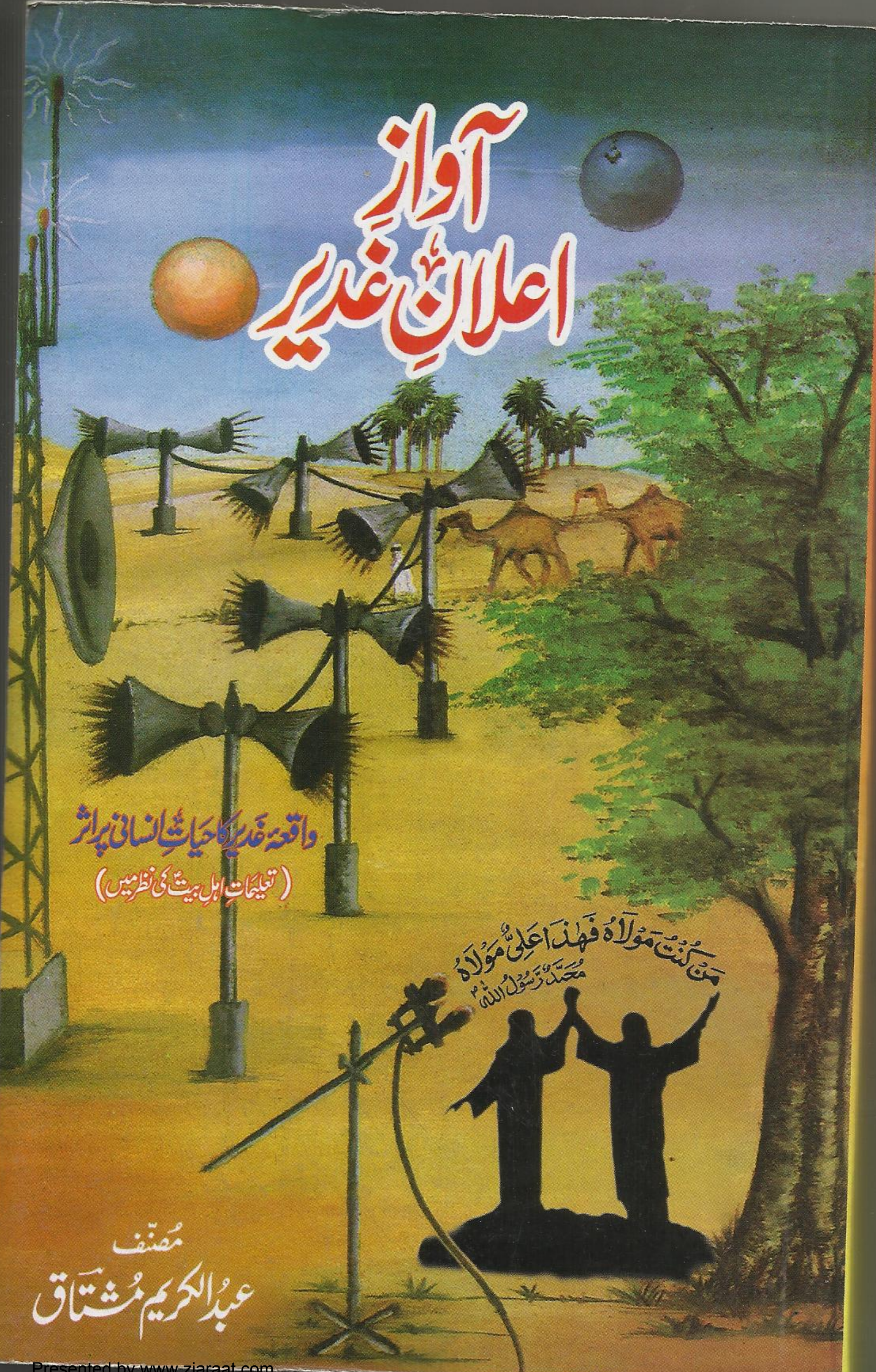
آوازِ اعلانِ غدیر

واقعۂ غدیر کا حیاتِ انسانی پر اثر

(تعلیماتِ اہل بیتؑ کی نظر میں)



مصنف

عبدالکریم مشتاق

آوازِ

اعلانِ غدیر

از قلم
عبدالکریم مشتاق

نام کتاب	:	آواز (اعلان غدیر)
موضوع	:	واقعہ غدیر کا حیات انسانی پر اثر (تعلیمات اہل بیتؑ کی روشنی میں)
تحریر	:	عبدالکریم مشتاق
پیشکش	:	ملک رفیع اللہ خان بنگش منگو خال کراچی
ناشر	:	کے۔ اے۔ پبلی کیشنز۔ کراچی
تقسیم کار	:	
کمپوزنگ	:	شفاف کمپیوٹر سنٹر۔ لاہور
طباعت	:	ایڈیشن اول نومبر ۱۹۹۴ء
قیمت	:	روپے

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار
حضرت جبرائیل کا خلاف معمول داخلہ کے لئے اذن طلب کرنا	54	-63
عظمت واحترام سیدۃ النساء العالمینؑ	55	-64
سید الملا ئکہ کا سید المرسلینؐ کو آیت تطہیر پہنچانا	55	-65
اہل البیتؑ کی طہارت کاملہ	55	-66
اللہ کے نزدیک چادر تطہیر تلے اجتماع کی فضیلت اور اہل ایمان کی سعادت دارین	56	-67
صحت حدیث	57	-68
حدیث کساء سے اعراض کرنے کے باعث حیات انسانی کا ارتقا رک گیا	58	-69
افتتاح: حمد باری تعالیٰ59		-70
محسن انسانیت درودو سلام	62	-71
ہدیہ تبریک	63	-72
اسلام اور جسمانی زندگی کے تین مراحل	64	-73
مکتب اہل بیتؑ رسولؐ کا حیات پر اثر	66	-74
تاریخ انسانیت کے تین دور	67	-75
ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رہنے کا واحد طریقہ	68	-76
حدیث ثقلین	68	-77
ہادی اعظمؐ نے تمسک بالثقلین کی تاکید کیوں فرمائی؟	69	-78
مکتب اہل بیتؑ کا اقتدار	69	-79
سکون	71	-80
دین حنیف اور اس کی اہمیت!	71	-81
دین فطرت	73	-82
انسان سے غلطی کی ارتکاب کیوں ہوتا ہے؟	73	-83
دین اور شریعت میں فرق	75	-84

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
107-	آئین اسلام	103
108-	لفظ "دین" کے لغوی معنی	105
109-	استعانت	105
110-	صراط مستقیم	107
111-	مغضوب وضال	107
112-	اعلم امت	108
113-	اللہ جسے چاہے صراط مستقیم کی ہدایت کرے	109
114-	اعراض حق	109
115-	حکم رسولؐ سے روگردانی راہ مستقیم کی رکاوٹ ہے	110
116-	اطاعت رسولؐ موجب فلاح و کامرانی ہے	110
117-	رسولؐ کے ذمے تبلیغ ہے آپؐ روگردانی کے ذمہ دار نہیں	111
118-	فاسق کون ہے؟	112
119-	اطاعت گزاری رسولؐ کے بارے میں رحمت کی بخشش اور زحمت سے نجات بخشی	113
120-	رسولؐ کا بلانا عام بلانا نہیں ہے' نافرمان رسولؐ کے لئے عبرت ناک سزاؤں کا اعلان	114
121-	اسلام کی حقانیت کا امتحان مقصود ہو تو شرط اطاعت رسولؐ کا معیار ملحوظ رکھنا ہو گا	118
122-	دین میں کشش ہے	119
123-	اسلامی تعلیمات کا محور عقل و فطرت ہے قرآن سائنس کا تابع نہیں ہے	121
124-	ثمرات اسلام سے محروم رہنے کی ٹھوس وجہ	121
125-	غیر مسلم اقوام کی ترقی اور مسلمانوں کی بدحالی کا سبب	122
126-	قوت بندہ مسلم	123
127-	تشخیص مرض	123
128-	تاریخ اسلام کے چار تعجب انگیز امور	124

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
151-	یوم غدیر یوم تکمیل الدین ہے	148
152-	روز عید غدیر ستاروں میں چاند ہے	148
153-	فضائل یوم غدیر	148
154-	اعلان غدیر کی مخالف جماعت کے نمائندے کی بیباک ترجمانی	149
155-	مخالف کا عبرت ناک انجام	150
156-	معذب حارث فہری کے واقعہ کی توثیق	151
157-	تین اعتراضات کا رد	152
158-	پہلا اعتراض	153
159-	دوسرا اعتراض	154
160-	تیسرا اعتراض	155
161-	خطبہ غدیر میں الفاظ "خلیفہ" "وصی اور وارث" کا استعمال	155
162-	خطبۃ الغدیر	157
163-	قرآن مجید کی تفسیر علیؑ سے حاصل کرو	160
164-	دستار بندی اور قصیدہ خوانی	162
165-	زوال کی گھٹائیں	164
166-	اطاعت و اتباع رسولؐ سے انحراف	164
167-	امام غزالی کا جرات مندانہ اعتراف	165
168-	جلسہ غدیر میں امین وحی حضرت جبرئیل کی شرکت	166
169-	علیؑ سے بغض منافقت کی علامت ہے	166
170-	حضرت عمر ولایت علویہ کو تسلیم کرتے تھے	167
171-	روحانی دنیا کا جلسہ عام	168
172-	میثاق رسالت محمدیہؐ	168

نمبر شمار | عنوانات | صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
238-	محمدؐ و آلِ محمدؐ کی خدمت میں سانپوں کا ہدیہ سلام پیش کرنا	240
239-	سلمانؓ مثیلِ نوحؑ ہیں	241
240-	مدحِ رسولؐ بزبانِ رسولؐ عالی شان	243
241-	امام منصوص کائنات میں بدرجہ روح و قلب ہے	243
242-	قوت انسانی روح کی قوت پر منحصر ہے	244
243-	اہل بیتؑ کی سیرت 'نبوی سیرت کا مکمل نمونہ ہے	247
244-	آلِ محمدؐ اطاعت اور اتباعِ رسولؐ کی معراج پر	247
245-	مشکلات	248
246-	حق کا دوسرا نام علیؑ ابن ابی طالب ہے	250
247-	دانش گاہ اہل بیتؑ میں جو بھی آیا کچھ لے کر گیا	253
248-	علماء امت مسلمہ بدرجہ انبیاءِ بنی اسرائیل ہیں	254
249-	دنیا کی قدح و مدح	256
250-	دنیا کی تعریف امیرالمومنینؑ کی زبانی	257
251-	جنت دشمنانِ اہل بیت پر حرام ہے	257
252-	دشمنِ اہل بیتؑ کے لئے "مال و عیال کی کثرت" کی بددعائے رسولؐ	258
253-	مسلم اکابرین کا سائنسی شعور	259
254-	سائنس کا راج	260
255-	اسلامی سائنس	263
256-	اتباع کے بغیر اطاعت کامل نہیں ہوتی	263
257-	مسلمانو! اس نور کا اتباع کرو جو رسول کے ساتھ نازل ہوا	265
258-	حب دنیا جو غافل کرکے "مسلم" کو فاسق بناتی ہے	267
259-	توریت میں دنیا کی مذمت	267

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

مقدمہ

اسلامی نظریہ حیات

مسلمان دنیا کے ہر مقام اور ہر گوشے سے یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ ''اسلام ایسا ضابطہ حیات ہے کہ نوع انسانی کی تمدنی' معاشرتی' سیاسی' اجتماعی اور انفرادی تمام مشکلات کا واحد اور عدیم النظیر حل اپنے اندر رکھتا ہے'' لیکن جب کوئی یہ پوچھے کہ اسلام کی وہ کونسی تعلیمات ہیں جو بے مثل و بے نظیر ہیں تو کوئی مسلمان اس کا اطمینان بخش جواب نہیں دیتا۔ حالانکہ یہ دعویٰ اپنی صداقت میں کوئی کلام نہیں رکھتا عبادات' معاملات اور اخلاقیات کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ اللہ کی عبادت کریں حسن اخلاق یا خوبیٔ معاملہ سے برتاؤ کریں تو معترض یہ کہے گا کہ جہاں تک ان تعلیمات کا تعلق ہے وہ تو دوسرے ادیان و مذاہب میں بھی موجود ہیں حتیٰ کہ خدا کی ہستی سے منکر اقوام بھی اخلاقی تعلیمات کے قائل ہیں۔ لہٰذا اگر اسلام کا مابہ الامتیاز یہی ضابطہ اخلاق ہے کہ جسے آجکل ''مذہب انسانیت'' کی اصطلاح دی گئی ہے تو اس سے اسلام کی صداقت و حقانیت ثابت نہیں ہوتی۔ پھر ان عنوانات کے تحت شعائر کی پابندیوں کے باوجود مسلمانوں کی جو حالت زار ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایسی صورت میں مسلمان اگر کوئی جواب دے سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ بے شک دنیوی حالت تو خراب ہے مگر اس سے ان کی روحانی ترقی ہوتی ہے۔ عاقبت سنورتی ہے۔ مگر مادی دنیا میں روحانی ترقی کسی خارجی معیار سے پرکھی نہیں جاسکتی کیونکہ دیگر مذاہب بھی روحانی ترقی کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ کوئی مذہب بھی اس کا مرئی اور محسوس ثبوت پیش نہیں کرسکتا۔

عام مذاہب کا منتہی صرف روحانی ترقی رہا

بعثت خاتم النبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قبل دنیا کے تمام مذاہب نے مذہب کا منتہی روحانی ترقی اور اخروی نجات قرار دے رکھا تھا مادی معاملات اور دنیاوی مسائل سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ زمین کی بادشاہی ظل الٰہی کے سپرد کر دی گئی تھی اور آسمانی بادشاہت مخصوص کر لی تھی۔ ان کے نزدیک اشیائے دنیا کی کشش وجاذبیت روحانی ترقی کے مانع اور اخروی نجات کے راستے میں رکاوٹ تھی۔ کیونکہ عاقبت کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی اس لیے ہر مذہب کے ماننے والے اپنی اپنی جگہ پر مطمئن تھے کہ وہ حق پر ہیں اور باقی باطل پر۔ اسلام نے اس تصور میں انقلابی تبدیلی پیدا کی مگر مسلمانوں نے عملاً" اسلامی تصور سے انحراف کیا جس کی تفصیلات آئندہ پیش کی جارہی ہیں۔ اس اعراض کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اسلام کو مذاہب عالم کے مقابلے میں بے مثل و بے نظیر ثابت کرنا دشوار ہوگیا ہے۔

اسلام نے ترقی حیات ارضی کی جانب بھی خصوصی توجہ دینا ہے

قرآن مجید میں قصہ آدم کے بیان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین (البقرۃ۔۳۶)**

یعنی اور تمہارا ٹھکانہ زمین میں ہوگا اور متاع ارض (ضروریات زندگی) ایک (مقررہ) مدت کے لیے ہوگی۔ اس کے بعد خالق نے فرمایا۔ یاد رکھو کہ۔

فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (البقرۃ۔ ۳۸)

یعنی جب بھی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے (جو کہ یقینی ہے) تو جو

اس کے پیروی کریں گے ان کو خوف ہوگا نہ حزن و ملال ۔ گویا جو قوم ہمارے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کا اتباع کرے گی وہ ہر طرح کے حزن و خوف سے محفوظ رہے گی لیکن اس کے برعکس جو گروہ ہمارے ہدایت نامہ کے خلاف زندگی کے مسائل کو اپنے خود ساختہ نظریوں کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرے گا تو پھر انجام کار یہ ہوگا کہ :

اولئک اصحب النار هم فیها خالدون (البقرة۔ ۳۹)

وہی اصحاب نار ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی ان کی کشت حیات جل کر راکھ ہو جائے گی۔ لہٰذا اسلام انسان کو ایسی رہنمائی عطا کرتا ہے جو اسے اس دنیا میں خوشگوار زندگی بسر کرنے کے طور و طریق سکھاتی ہے اور اسے حیات ارضی کے ان بنیادی مسائل کا حل تعلیم کرتی ہے جو عقل انسانی کی طاقت سے باہر ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اسلام کے ممتاز منفرد اور بے نظیر ہونے کی حقیقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔

وہ مسئلہ حیات جسے عقل حل کرنے میں ناکام رہی ہے

ہمارے اشارہ کردہ بنیادی مسائل میں کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ انسانی عقل جسے حل کرنے میں بری طرح ناکام ہوچکی ہے۔ Dr, REINHOLD NIEBUHR نے اپنی کتاب .MORAL MAN AND IMMORAL SOCIETY میں اس کا تذکرہ اپنے ابتدائی بیان میں اس طرح کیا ہے کہ۔

اگرچہ انسانی معاشرہ کی جڑیں ایسی ہیں جو تاریخ (ارض) میں خود انسانی زندگی کے آغاز سے بھی زیادہ گہرائی تک پہنچی ہوئی ہیں لیکن نوع انسانی نے اپنی اجتماعی زندگی کے بنیادی مسئلہ کے حل میں مقابلتہ" بہت ہی کم ترقی کی ہے۔ یہ مسئلہ یہ ہے کہ وہ طبعی اور ثقافتی اسباب و ذرائع جو انسانی زندگی کے قیام اور نشوونما کے لیے ضروری ہیں ان کی عادلانہ تقسیم کی جائے۔

عدل

یعنی ڈاکٹر موصوف کے نزدیک انسان کی حیات ارضی کا بنیادی مسئلہ "عدل" ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی محولہ بالا کتاب کے آخری صفحے پر تحریر کرتے ہیں کہ۔

"نوع انسانی کی نجات ان افراد کے ہاتھوں ممکن ہے جنہوں نے قدیم "خوابوں" کو جدید "خوابوں" سے بدل دیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم "خواب" یہ ہے کہ نوع انسانی کی اجتماعی زندگی میں مکمل عدل پیدا کر دینا ممکن ہے۔ یہ خواب بڑا ہی بیش بہا ہے۔ اس لیے کہ انسان عدل سے قریب تر مقام کو بھی حاصل نہیں کر سکتا جب تک مکمل عدل کی امید اس کے دل میں ایک بلند قسم کا جنون پیدا نہ کر دے اس جنون کے علاوہ کوئی اور قوت ایسی نہیں جو ارباب اقتدار کے استبداد اور بلند مسندوں پر متمکن شدہ روحانی پیشوائیت کی ابلیسانہ کار ستانیوں کے خلاف جہاد کر سکے"۔

مگر اس طرح کا جنون خطرناک بلکہ مہلک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے مذہبی دیوانگی کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں لہذا اس FANATICISM کو معتدل رکھنا اشد ضروری ہے۔ پھر یہ احتیاط بھی مطلوب ہے کہ کہیں اس جنون کے اپنا یہ کام مکمل کر لینے سے پہلے عقل اس کا کام تمام نہ کر دے۔ چنانچہ عقل و جنون کا ایسا امتزاج جس میں نہ تو جنون مذہبی دیوانگی پر اکسائے اور نہ ہی عقل اس جنون کی چنگاری کو اپنی خاکستر کے نیچے دبا کر بجھا دے۔ اسلام کے سوا کسی دوسرے مسلک میں نہیں مل سکتا۔ اور مکتب اہل بیتؑ میں اس کی اصولی حیثیت مسلمہ ہے۔

ہر شے کا ایک مقصد حیات ہے

مکتب اہل بیتؑ کی تعلیمات کے مطابق اسلام کی رو سے کائنات کی ہر شے اپنے

اندر مخصوص صلاحیتیں رکھتی ہے۔ ہر چیز کا مقصد حیات یہ ہے کہ اس کی مضمر صلاحیتیں نشوونما پاکر تکمیل تک پہنچ جائیں۔ جس نہج و اسلوب یا نظام و قانون کے مطابق کسی شے کی پوشیدہ صلاحیتیں بتدریج پھلتی پھولتی ہیں اور اپنے تکمیلی نقطہ تک پہنچتی ہیں اسے قدرتی نظام ربوبیت کہا جاتا ہے۔ اور اس نظام کے منتظم اعلیٰ کو "رب العالمین" کہتے ہیں ربوبیت کیلئے ضروری ہے کہ مربوب شے کی ہر حرکت کا رخ تعمیری نتائج مرتب کرنے کی جانب سیدھا ہو کیونکہ تعمیری نتائج کے بغیر ربوبیت ممکن نہیں۔

اعمال و افعال کے تعمیری نتائج کا نام "حق" ہے

تعمیری نتائج کو اسلامی اصطلاح میں "حق" کہا جاتا ہے۔ اسی لیے خلاق عالم نے فرمایا ہے کہ اس نے کائنات کو "بالحق" پیدا کیا ہے۔

وخلقنا السموت والارض وما بینھما لعبین ○ ما خلقنھما الا بالحق ولکن اکثر ھم لایعلمون اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے بلا مقصد پیدا نہیں کیا۔ یقیناً" ہم نے ان دونوں کو (بامقصد) بالحق خلق کیا ہے مگر (لوگوں کی) اکثریت اس بات کو نہیں سمجھتی۔ (الدخان۔ ۳۸،۳۷)

صراط مستقیم راہ متوازن ہے

اس نظام ربوبیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف اجزائے کائنات باہمی تعاون سے ایک دوسرے کی تربیت کا ذریعہ بنیں اور ان اجزاء میں ایک خاص توازن اور ٹھیک تناسب ہو تاکہ اجزا کے بکھر جانے سے توازن و تناسب بگڑنے نہ پائیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں انتظام ربوبیت میں خلل یا بد نظمی پیدا ہو جائے گی۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں ایک راہ پر گامزن ہیں اور شرعی اصطلاح

میں اسی راہ کو "صراط مستقیم" کہا جاتا ہے۔ جو سیدھی بھی ہے اور بلندی کیطرف بھی جاتی ہے۔

"حسن عمل" کو "عمل صالح" کہہ سکتے ہیں

اس سیدھے راستے پر چلنے کے طریقوں کو اعمال صالح یا حسن عمل کہا جاسکتا ہے۔ جس کا نتیجہ آگے بڑھنا یا سربلند ہونا برآمد ہوتا ہے ربوبیت کی ہر شے کیلئے ایک نقطہ تکمیل کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی وہ منزل جس پر پہنچ کر اس چیز کی تمام مضمر صلاحیتوں کی نشوونما مکمل ہوجائے۔ یہی اس شے کا مقصد یا منتہی ہوگا۔ اب چونکہ کائنات نظام ربوبیت کے تابع سرگرم عمل ہے۔ اس لیے اسے بلا مقصد و منزل پیدا نہیں کیا گیا ہے۔

راہ نمائی کون کرتا ہے؟

اب یہ سوال ابھرتا ہے کہ اپنی اپنی منزل تک پہنچنے کیلئے ان چیزوں کی رہنمائی کون کرتا ہے۔ وہ اشیاء کس طرح معلوم کرتی ہیں کہ ان کی منزل کا رخ کس طرف ہے اور وہاں تک رسائی حاصل کرنے کیلئے ان کو کیا کرنا چاہیے؟ اس سوال کا جواب روز مرہ کی زندگی کے معمولی مشاہدوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً" اگر بطخ اور مرغی کے ملے جلے انڈے کسی مرغی کے نیچے سینے کیلئے رکھ دیں تو جب بچے برآمد ہوں گے تو آپ بطخ کے بچوں کو پانی کی جانب لپکتے پائیں گے اور مرغی کا چوزا خشکی پر رہے گا۔ یہ زمین پر سے دانہ چگنے لگ جائیگا۔ اور وہ اپنا سامان پرورش پانی سے تلاش کرے گا۔ بلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کے تھنوں کی طرف جائے گا۔ بکری بھیڑ کے سامنے گوشت کا ڈھیر رکھ دیں وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گے۔ اس کے برعکس شیر چیتا بھوکے مرجائیں گے گھاس کا ایک تنکا بھی نہ کھائیں گے۔

مرغی کے بچے چیل کی پرچھائیں سے سہم کر ماں کے پروں تلے چھپ جائیں گے اور بلی کا بچہ اچھل کر چوہیا دبوچنے کی کوشش کرے گا۔ اب ذرا غور فرمایئے! وہ کون ہے جو ان پرندوں اور جانوروں کی راہ نمائی ان کے مطلوبہ سامان اور انداز پرورش کیطرف کرتا ہے۔ ان سب کا معلم کون ہے؟ ظاہر ہے آپ کا جواب یہ ہوگا کہ یہ سب کچھ ان کی فطرت میں داخل ہے۔ سائنس والے اس کو جبلت (INSTINCT) کہتے ہیں۔ اسی طرح حیوانات سے ہٹ کر دوسری چیزوں کو دیکھئے۔ پانی جب تک سیال ہے نشیب کیطرف بہتا ہے ایک خاص درجہ برودت پر جم جاتا ہے۔ ایک خاص درجہ حرارت پر بھاپ بن کر اڑنے لگتا ہے۔ آگ ہمیشہ حرارت پہنچاتی ہے۔ آم کی گٹھلی سے آم ہی پیدا ہوتا ہے۔ الغرض کائنات کی ان خاصیتوں کو بدیہات فطریہ یا قوانین فطرت (LAWS OF NATURE) کہا جاتا ہے۔ بہرکیف جبلت کہئے یا فطرت' حقیقت یہ ہے کہ سارا کچھ ان اشیاء کے اندر خود بخود موجود ہے۔ قدرت کے یہ قوانین حیات کے کسی بھی مرحلے میں تبدیل نہیں ہوتے

تخلیق و ہدایت منجانب الٰہی ہیں

قرآن مجید کے مطابق جس ذات باری نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے وہی ان کے سامان پرورش کیطرف ان کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔ یعنی "تخلیق" اور "ہدایت" اللہ کی طرف سے ہیں جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۵۰ میں ہے کہ۔

"(موسیٰؑ نے) کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خلقت عطا کی اور پھر اس کی رہنمائی کرتا ہے"

"بدیع" "فاطر" اور "خالق" کا معنوی فرق

ہماری زبان بلکہ انگریزی میں بھی پیدا کرنے کیلئے عام مستعمل لفظ ایک ہی ہے (CREATION) جبکہ قرآن مجید میں اس مطلب کیلئے تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ہر ایک اپنا جداگانہ مفہوم رکھتا ہے۔ پیدا کرنے کا ایک مفہوم تو یہ ہوتا ہے کہ کسی شے کو عدم سے وجود میں لے آنا۔ اس مطلب کیلئے قرآن نے دو الفاظ استعمال کیے ہیں ایک "ابداع" جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بغیر کسی نمونے کے کوئی نئی چیز پیدا کرنا۔ خدا "**بدیع السموت والارض**" ہے۔

دوسرا لفظ "**فطر**" ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو پیدا کرنے کے کام کا آغاز کرنا۔ یہ لفظ اللہ سے مخصوص کر دیا گیا ہے اور اس کے معنی خدا کا اپنی مخلوق کو پیدا کرنا لیے جاتے ہیں۔ **فطر السموت والارض**

تیسرا لفظ ہے "تخلیق" جس کے معنی ہیں صحیح ترتیب و تناسب سے پیدا کرنا یعنی مختلف عناصر میں ایسی ترتیب پیدا کر دی جائے جس سے ایک نئی شے مشہود ہو کر سامنے آجائے۔ "خلق" کے معنی ہیں قوتوں میں اعتدال اور خلیق اسے کہتے ہیں جس کی قوتوں میں اعتدال ہو چنانچہ "اخلاقیات" کا مفہوم اسی سے سمجھ جانا چاہیے۔

حضور اکرمؐ کو "خلق عظیم" فرمایا گیا ہے۔

مارگن کا عقیدہ

پروفیسر لائڈ مارگن[1] جو "فجائی نظریہ ارتقاء EVOLUTION) (EMERGENT کا ایک معنی ٹین موجد بھی ہے۔ لکھتا ہے کہ۔

"میرا عقیدہ ہے کہ جانداروں میں ارتقائے نفس خدا کے عمل تخلیق اور

1۔ Pro. C.Lloyd Margon

ہدایت کا رہین منت ہے"

(The Great Design)

وحی : خدا کی یہ رہنمائی جسے مارگن نے "Directive Power" کہا ہے۔ قرآنی زبان میں "وحی" ہے "و اوحی فی کل سماء امرھا" اور ہر آسمان میں بذریعہ وحی اس کے حسب حال حکم دیا۔ (حم السجدہ نمبر۱۲) زمین کے متعلق فرمایا۔ "بان ربک اوحی لھا" کیونکہ تیرا رب اسے ایسا کرنے کی وحی کریگا۔ (الزلزال آیت ۵) پھر شہد کی مکھی کے بارے میں فرمایا۔

"اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ تو پہاڑوں میں، درختوں میں اور اس میں جنہیں وہ بلند کرتے ہیں (یعنی عمارتوں اور چھتوں میں) گھر بنا۔ پھر کھا (یعنی رس چوس) ہر قسم کے پھلوں میں سے اور اپنے رب کے راستے پر انکساری کے ساتھ چلتی چلی جا۔ ان کے بطنوں سے مختلف رنگتوں کے مشروب نکلتے ہیں جن میں انسانوں کیلئے شفا ہے۔ بے شک (ان کوائف میں) جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کیلئے نشانی (دلیل راہ) ہے۔

(النحل آیات ۶۸ اور ۶۹)

کائنات اطاعت گزاری میں مصروف و مشغول ہے

مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی ہدایت کے علاوہ کائنات کی ہر شے اس قانون ہدایت کے مطابق جو اس کے لئے تجویز کیا گیا ہے نہایت حزم و احتیاط اور کمال فرمانبرداری و مستعدی کے ساتھ مصروف عمل ہے۔ ہم آسمان کے مہیب کرے، شمس و قمر، ستارے و سیارے، زمین اور اس کے فلک بوس پہاڑ، متلاطم سمندر اور دوسری طرف چھوٹے سے چھوٹے زندگی کے خلیات اور فضا میں پھیلے ہوئے غیر مرئی جراثیم کو دیکھ سکتے ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر قانون

فطرت کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری میں منہمک ہے۔ کسی کو اس سے مجال انکار نہیں۔ اگر شومئی قسمت سے کوئی چیز ادھر سے ادھر ہٹ جائے یا اپنی فطرت کا رخ تبدیل کرے تو کائنات کی یہ تمام محیر العقول کارگہ نظم و ضبط آناً" فاناً" فضا میں بھک سے اڑ جائے ۔ کائنات کا یہ حسن عمل صرف اس لیے قائم ہے کہ ہر شے قوانین خالق کے سامنے مطیع کامل اور سر بسجود ہے۔ اور ہر چیز اپنے مفوضہ فرائض کی انجام دہی میں مشغول و سرگرم عمل ہے۔

اطاعت خالق کا نام اسلام ہے

قانون خداوندی کی ایسی اطاعت کا نام "اسلام" ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

"افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموت والارض طوعا" وکرھا" والیہ یرجعون" کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہیں ؟ حالانکہ جو کچھ بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ بخوشی و بکراہت اسی کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے اور اسی کیطرف لوٹ کر جائیں گے۔

(آل عمران آیت ۸۳)

یعنی کائنات کی ہر شے خدائی قانون کے سامنے سر جھکائے طوعا" و کرہا" مصروف عمل ہے۔ اور سب چیزوں کی تمام حرکتیں اسی محور کے گرد گردش کرتی ہیں۔ اس سے اسلام کے حقیقی معنی سمجھ میں آگئے جو آفاقی کائنات میں نافذالعمل ہے۔ یعنی اس قدرتی اور فطرتی نظام کی اطاعت جس سے ہر شے کی مضمر صلاحیتیں ترقی پاکر نقطہ تکمیل تک پہنچ جائیں۔ بالالفاظ دیگر اسلام کے معنی یہ ہیں کہ ہر طرح کے نقائص، نا تمامی اور نا مکملیت سے بری ہونا چنانچہ "مسلم" مکمل کو کہا جائیگا۔ جس میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ یعنی

(Immunity from faults or imperfections)

اسلام کی آئیڈیالوجی

یہی اسلام کی آئیڈیالوجی ہے۔ کہ ایسے فطری نظام کا قیام اور تکمیل جس سے ہر شے کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما اور پوشیدہ اہلیتوں کی مکمل ترقی ہو جائے۔ چنانچہ کائنات کی ہر چیز اس نظام کے ہدایت نامے پر بلا حیل و حجت و قیل و قال سرگرم عمل رہتی ہے۔ اس روش کو ہم صراط مستقیم پر چلنا کہتے ہیں۔

انسان اور کائنات کی دوسری چیزوں میں فرق

اب تک ہماری گفتگو اشیائے کائنات کے متعلق ہوئی۔ جبکہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ انسان اس کائنات کا جزو اعظم ہے۔ مگر انسان اور دیگر اشیاء میں ایک بنیادی فرق ہے۔ ہر شے قانون خداوندی کی اطاعت و اتباع بلا ارادہ آٹومیٹک طریقے سے کر رہی ہے۔ کسی کو طاقت حاصل ہے نہ اختیار کہ کوئی دوسرا قانون وضع کرے۔ سورج کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ کسی دن اپنی مرضی سے آدھا سفر کر کے واپس لوٹ جائے۔ نہ شیر کچے گوشت کی بجائے سیب و انگور کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن حضرت انسان کے منے میاں کو دیکھئے کہ بلا شبہ پیدا ہوتے ہی وہ اپنے رزق کے سرچشمہ کی طرف اسی طرح لپکتا ہے جیسے بکری کا میمنہ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ کسی زہر کی ڈلی کو اسی بے تکلفی سے منہ میں ڈال لیتا ہے جیسے کوئی ثانی ہو۔ وہ آگ کو پکڑ لیتا ہے اور پانی میں کود جاتا ہے پھر ذرا بڑا ہو کر بپو میاں بنتا ہے تو اس کا ارادہ و اختیار اور بھی گل کھلاتے ہیں جہاں تک اس کی جسمانی پرورش کا تعلق ہے اس کیلئے وہی بنیادی قوانین و ضوابط مقرر ہیں جو دوسرے حیوانوں کیلئے متعین ہیں یعنی بھوک لگنے پر کھانا' پیاس کی صورت میں پینا' نیند آنے پر سو جانا وغیرہ وغیرہ یعنی تحفظ حیات کا جذبہ ہر ذی حیات کی جبلت میں موجود ہے۔ یہی جذبہ انسان کے اندر بھی ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے

سب کچھ کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انسان ایک ایسا کام بھی کرتا ہے جو کوئی حیوان نہیں کرتا یعنی خود کشی یہ اس لئے کہ حیوان قانون خداوندی پر کار بند رہنے کے لئے مجبور ہے اور انسان صاحب اختیار ہے۔ چاہے اطاعت کرے اور جی چاہے تو اعراض برتے۔ معلوم ہوا کہ جس مسلک پر دیگر کائنات میں قانون الٰہی چل رہا ہے انسان کی دنیا میں پہنچ کر یہ مسلک بہت بدل جاتا ہے۔ ہر شے الٰہی قانون کی اطاعت پر مجبور ہے مگر انسان کو اطاعت پر مجبور پیدا نہیں کیا گیا ہے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر شے کی ہدایت و رہنمائی کا ذمہ اللہ نے خود لے لیا اور باقی چیزوں میں رہنمائی ان کی جبلت میں رکھ دی مگر انسان کے اندر ہدایت نہ رکھی تو پھر انسان کو ہدایت کیسے نصیب ہو؟

نبوت و رسالت

انسان کے لئے ہدایت کا بندوبست

جب ہدایت کا ذمہ دار خود خالق ہے تو پھر صاف ظاہر ہے کہ انسان کو بھی رہنمائی خدا ہی کی طرف سے ملے گی مگر اس کا طریقہ ذرا مختلف ہوگا۔ انسان کو یہ ہدایت اللہ کے منتخب و فرستادہ بندوں کی وساطت سے ملتی ہے جنہیں نبی و رسول کہا جاتا ہے۔ چنانچہ باقی کائنات اور انسان میں پہلا فرق یہ ظاہر ہوا کہ دیگر اشیائے کائنات میں اللہ نے ہدایت ان کے اندر ودیعت کرکے رکھ دی لیکن انسان کیلئے یہ ہدایت اپنے پیغمبروں کے توسل سے ارسال فرمائی۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ انسان کو اطاعت کرنے پر مجبور نہیں بنایا گیا جس طرح کہ دیگر اشیائے کائنات کو مجبور پیدا کیا گیا ہے۔ جبکہ انسان کو صحیح راستہ تعلیم کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ کہ چاہے وہ صراط مستقیم اختیار کرے یا کسی اور راہ پر لگ جائے۔ البتہ خالق نے انسان کو تعمیری نتائج پیدا کرنے والا نظام یعنی دین حق دے دیا ہے۔ اس کے بعد اس پر کوئی زبردستی نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ تمہارے پروردگار نے تعمیری نتائج کا ضامن نظام حیات تمہیں دے دیا ہے۔ اب یہ تمہاری دانست پر ہے کہ چاہے اس کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالو یا اس سے انکار کرکے کافر ہوجاؤ۔ (الکہف ۲۹)

مشترک نصب العین

جہاں تک مقصود و منتہی کا تعلق ہے۔ انسان اور دیگر مخلوقات کا ایک ہی نصب العین متعین کیا گیا ہے۔ یعنی جملہ صلاحیتوں کی مکمل نشوونما (Development)

ہر طرح کی خامی سے پاک ایسی ترقی جہاں تنزلی کا گمان بھی ممکن نہ ہو۔ اس مبارک نصب العین کا نام خود خدا نے ہمارے لیے "دین اسلام" پسند فرمایا ہے۔ اور اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور ضابطے کو اپنا نظام بنائے گا تو کائنات میں رائج قانون کی رو سے وہ نظام قابل قبول نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ اتمام و تکمیل (انسانیت) کے حصول کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ لہٰذا جو شخص بھی غیر اسلامی نظام اپنائے گا بظاہر وہ کتنا ہی خوش آئند کیوں نہ ہو آخر کار اس کا نتیجہ خسارہ ہی ہے۔

(آل عمران آیت ۸۵)

اسلام اور نمونہ ہائے اسلام

المختصر اسلام کے معنی ہیں انسانی معاشرے کو خدا کے کائناتی قانون کے مطابق متشکل کرنا انسانوں کو یہ اسلام سراپا ہدایت نبیوں کے وسیلے سے بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی ایک تعریف یوں فرمائی کہ

الاسلام طاعتہ لامر اللہ یعنی اسلام احکام خدا کی اطاعت کا نام ہے۔

اسلام کی تعریف معلوم ہوجانے کے بعد ذہن انسانی میں یہ اشتیاق از خود جنم لیتا ہے کہ اس خطہ ارض پر کہ جہاں انقلابات نظامات کا ایک سلسلہ وقوع پذیر ہوا ہے کیا نوع انسانی کے کسی معاشرے میں دین اسلام کی جھلک بطور نمونہ ظاہر ہوئی جسے مثال قرار دیا جاسکے ؟

ہاں۔ کیوں نہیں ہے۔ دار الحکمت' مدینتہ العلم' رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قائم کردہ مکتب اہل بیتؑ وہ مقدس و متبرک مقام ہے کہ جہاں انسان کو دیگر سوالات کی طرح اس سوال کا بھی تشفی کن اور تسلی بخش جواب

موصول ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں اسلام اپنی پوری رعنائیوں' بھرپور برکتوں اور دلشاد مسرتوں کے ساتھ جلوۂ افروز دکھائی دیتا ہے۔ تکمیل دین اسلام اور اتمام نعمت خداوندی کے بعد نوع انسانی کی ہدایت کیلئے یہاں چودہ بے نظیر نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ جن میں کا ہر ایک یگانہ روزگار ہے۔ منفرد اور یکتا مقام کا حامل ہے۔ یہ تعداد میں بے شک چودہ ہیں۔ مگر نصب العین میں سب ایک ہیں۔ یعنی اسلام کے چودہ شفاف آئینے ہیں جو دیکھنے میں چھوٹے بڑے نظر آتے ہیں مگر ہر ایک میں اسلام کی تصویر مکمل' واضح اور صاف دکھائی دیتی ہے۔ ہم ان کو چودہ معصومین اعتقاد کرتے ہیں۔ جو ہر طرح کی ظاہری و باطنی آلودگی' عیب' خطا اور گناہ سے اس طرح پاک ہیں جس طرح کہ پاک ہونے کا حق ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کے حقیقی و معیاری مسلم جو ہر جہت سے مکمل اور ہر خامی ہر کمی سے قطعی مبرا ہیں اور یہی اوصاف مقصود اسلام ہیں۔

فراغت رسولؐ اسلام

رسالت کے فرائض منصبی کی کماحقہٗ' بجاآوری کے بعد خدائے قدوس نے حضرت ختم الرسل صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سند حسن کارکردگی سے نوازا۔ اور فرمایا کہ اے خاتم النبیینؐ ہم نے تیرے لیے تیرے سینے کو کشادہ کر دیا اور اس بوجھ کو تجھ سے اتار دیا جو تیری کمر کو توڑے ڈالتا تھا۔ اور ہم نے تیرے ذکر کو بلند کر دیا[1] بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے اور یقیناً" مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ پس تو (اپنے فرائض سے) فراغت پالے۔ اسے (حق کو) بلند کر دے۔ اور اپنے رب کیطرف راغب ہوجا۔ (سورہ الم نشرح)

[1] امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ ذکر سے مراد ہم اہل بیت ہیں۔

تشریح۔ **فاذا فرغت فانصب ○ والی ربک فارغب ○**

لفظ "نصب" کے لغوی معنی بلند کرنا۔ پرچم کو اونچا کرنا۔ گاڑنا۔ جھنڈا لگانا۔ بونا۔ درخت لگانا۔ تیار ہونا۔ درست کرنا۔ ہدایت دینا۔ ظاہر کرنا۔ نمائش کرنا۔ قصد کرنا۔ عہدے یا منصب پر کسی کو فائز کرنا۔ کسی کا کسی منصب پر تقرر کرنا۔ کسی نصب العین کا اعلان کرنا۔

ہمارے نزدیک محمد و آل محمد علیہم اسلام کے ارشادات کی روشنی میں ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ (اے رسولؐ) اب جبکہ تبلیغ رسالت (کے تقریباً" تمام فرائض کی ادائیگی سے) فارغ ہوچکے ہو یہ آخری فریضہ بھی انجام دے دو یعنی اپنا قائم مقام مقرر کردو اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری کیطرف پوری توجہ سے راغب ہوجاؤ۔

نصب امام

چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بھائی اور وزیر کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور دین کے جملہ امور کی نگہداشت کرنے کا منصب علیؑ کو تفویض کیا۔ نیز امت کو ثقلین (قرآن و اہل بیتؑ) کے سپرد کرتے ہوئے یہ ضمانت دی کہ اگر ان دونوں سے تمسک رکھا جائے گا تو ہر طرح کی گمراہی سے حفاظت رہے گی۔ یعنی اسلامی آئین کتاب اللہ کی شکل میں اور اہل بیتؑ معلمین کی حیثیت سے نصب فرما دیئے گئے۔ قانون اور نفاذ قانون کے اس سلسلے کو تا قیام قیامت جاری رکھنے کا اہتمام کر دیا۔ ہم اس سلسلے کو امامت کہتے ہیں۔ امام بارہ ہیں ہر امام نے اسلامی قوانین کے نفاذ میں اپنا اپنا کردار موثر طریقے سے ادا کیا اور صراط مستقیم کی حفاظت کرنے میں لحہ بھر بھی غفلت نہ برتی۔ آئمہ ھدیٰ نے دین الٰہی کی استواری اور سربلندی میں جدوجہد کو جاری رکھنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔

دو نظریے: مگر انسان پر چونکہ دین کیلئے کوئی جبر نہیں ہے اس لیے دنیا نے

بعض عارضی مفادات کے پیش نظر حسب پسند و ضرورت نئے نئے طریقے اختیار کر لیے۔ اگر ہم بغرض اختصار ان سب نظریوں کو دو قسموں میں بانٹ لیں تو وہ یہ ہیں۔

(۱) دنیا داری کا نظریہ (۲) خدا پرستوں کا نظریہ

پہلی قسم کے نزدیک زندگی کا مقصد صرف جسمانی پرورش ہے۔ دراصل یہ نظریہ میکانکی تصور حیات سے ماخوذ ہے جہاں وجود خدا کا کوئی تصور نہیں اور مذہبی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو دہریے، مادہ پرست یا (Atheists) کہتے ہیں۔ لیکن حقیقی مشاہدہ یہ ہے کہ یہ نظریہ صرف منکرین خدا کا نہیں بلکہ خدا پرست بھی عملاً" اسی نظریے کے پیروکار ہیں۔ اسی لیے ہم نے اسے World Liness دنیا داری قرار دیا ہے۔ کیونکہ خدا کے اقرار یا انکار سے اس کی وابستگی مضبوط نہیں ہے۔

دوسرا نظریہ فلسفیوں کے نزدیک افلاطونی ہے۔ ویدانیت، رہبانیت اور تصوف وغیرہ اس سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا ایک دھوکا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ ترک دنیا ہی میں مقصود حیات پوشیدہ ہے۔ یا یوں کہیے کہ زندہ اسے کہتے ہیں جو مرنے سے پہلے مرجائے۔ اپنے من کو مارے۔ انسان اپنے جسم کو جتنا مارے گا اس کی روح میں اتنی ہی بالیدگی اور زندگی پیدا ہوگی۔ یعنی روح کی عزت جسم کی ذلت ہے۔ اور خدا اس کو ہی ملتا ہے جو دنیا کو نہ ملے۔ مروجہ مذاہب کی اکثریت زیادہ تر اسی پر عامل ہے اور وہ اپنے خیال میں اسے عاقبت سنواری سمجھتے ہیں۔

اسلامی نظریہ

مذکورہ بالا دونوں نظریے بڑے قدیم ہیں۔ زمان و مکان کی مناسبت سے ان کی

شکلوں میں تبدیلی ہوتی رہی ہے مگر مفہوم کی یکسانیت برقرار رہی ہے۔ لیکن اسلام اپنی ایک میانہ راہ متعین کرتا ہے۔ اور دونوں سے کنارہ کش ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان صرف جسمانی زندگی کا نام نہیں۔ بلکہ اس کی ایک ذات بھی ہے جو نہ رہے تو جسم ہوتے ہوئے بھی وہ بے جان ہے لہٰذا وہ نظریہ جو ذات انسانی کی پرورش پر توجہ نہ دے ناقص قرار پائے گا۔ اور اس کے برعکس ایسا نظریہ جو جسم انسانی سے نگاہ پھیرے اللہ کی عظیم نعمات سے منہ موڑے ناکمل اور بدمزا ٹھہرے گا۔ اسلام چونکہ دین کامل ہے۔ اس لیے اس کا تصور حیات ان نظریات سے تصادم کرتا ہے۔ اسلام کا متمع نظر دنیا اور آخرت دونوں کی حسنات سے متمتع ہونا ہے۔ چنانچہ سرکار دوعالمؐ نے تاکید فرمائی ہے کہ۔

"تم میں سے وہ شخص قابل تعریف نہیں جو دنیا کو آخرت کیلئے چھوڑ بیٹھے اور وہ جو آخرت کو دنیا کی خاطر ترک کر دے بلکہ اچھا شخص وہ ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں حصہ لے"۔

مستقل اقدار

اسلامی نظریہ حیات کے مطابق انسان صرف جسم تک محدود نہیں جسم کے علاوہ اس میں ایک چیز نفس ۔ (ذات) بھی ہے۔ جسد انسانی موت کے بعد ختم ہوجاتا ہے۔ مگر نفس باقی رہتا ہے دنیا میں طبعی قوانین کے علاوہ کچھ دوسرے اصول بھی ہیں۔ جن کو مستقل اقدار (Permanent Values) کہہ سکتے ہیں۔ مکتب اہل بیتؑ رسولؐ کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ وہاں مستقل اقدار کی قدر دانی پر گرانقدر توجہ دی جاتی ہے۔ یہ اقدار کیا ہیں؟ اس کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ۔

جس طرح اشیائے کائنات کی ترقی کے قدرتی نظام میں مختلف مواقع پر ہمیں صفات خداوندی کا ظہور نظر آتا ہے اسی طرح جب انسان دنیا میں اسی قسم کے

حالات میں مبتلا ہو تو انسان کی طرف سے بھی اسی قسم کی صفت کو ظہور میں آنا چاہیے یعنی ایک قسم کے ماحول میں ایک ہی قسم کی صفت کا ظہور بالفاظ دیگر یکساں حالتوں میں ایک ایکشن کا ایک ہی ری ایکشن ہو مطلب یہ کہ ایسا نہ ہو جب ہمارے ہاں کسی قسم کے حالات پیدا ہوں تو ہمارا رد عمل کچھ اور ہو اور جب کسی دوسری قوم میں ویسے حالات رونما ہوں تو ہمارا رد عمل کوئی دوسرا ہو۔ جس طرح صفات خداوندی جو اللہ کی قوتیں ہیں کا ظہور زمان' مکان' رنگ' نسل' زبان یا علاقے کی تفریقات سے غیر متاثر رہتا ہے اسی طرح ہمارا رد عمل بھی ان امتیازات سے غیر متاثر رہنا چاہیے۔ چنانچہ ایک قسم کے حالات میں ہمیشہ اسی قسم کا رد عمل مستقل اقدار کی پابندی کہلاتا ہے۔ پس انسانی قوتوں کا استعمال ہمیشہ مستقل اقدار کے تابع ہونا چاہیے۔

مثلاً" عقل کا تقاضا حفاظت جان ہے۔ یا اپنے مفادات کا تحفظ کرنا عقل کی نصیحت ہے۔ اب اگر یہ تحفظ دیانت اور راستبازی سے ہوتا ہے تو عقل اس مسلک کو اختیار کرے گی۔ اسی طرح اگر ان کا تحفظ جھوٹ' فریب اور بددیانتی سے ہوتا ہے تو عقل اس راستے میں حائل نہیں ہوگی۔ یعنی عقل عام کی نگاہ میں صداقت اور دیانت کی فی ذاتہ قیمت کچھ نہ ہوگی۔ ان کی قیمت صرف اضافی ہے۔ اگر یہ تحفظ مفاد کیلئے مددگار ہیں تو پھر یہ اچھے اصول قیمتی ہیں ورنہ بے قیمت ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عقل کی رو سے مستقل اقدار کا کوئی ذاتی وجود ہی نہیں۔ لیکن عملی زندگی میں ہم اس کے برعکس مشاہدے کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے اصولوں کی خاطر اپنے کسی مفاد کی پرواہ نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ اصول کی خاطر جان تک کی بازی لگا دیتے ہیں۔ جاہ و حشم اور مسند اقتدار کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک اصل قیمت جان و مال کی نہیں بلکہ اصول کی ہے۔ ان کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ اگر جان کو محفوظ رکھتے ہوئے اصول کی حفاظت ہوتی ہے تو

جان کی حفاظت ضرور کرلی جائے۔ لیکن اگر کبھی ایسا موقعہ آجائے کہ جان اور اصول میں کشمکش ہوجائے اور ان میں سے ایک ہی چیز محفوظ رکھی جائے تو جان دے دی جائے لیکن اصول پر آنچ نہ آنے دی جائے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک اصول کی قیمت مستقل ہے چنانچہ اہل بیتؑ کے مکتب میں اسلامی تصور حیات کا نقشہ ایسی ہی لکیروں سے بنایا گیا ہے۔

ھ ایسے طرز عمل کو شرعی اصطلاح میں تقیہ کہتے ہیں

دین اسلام ابدی صداقت اور امانت الٰہی ہے

اہل بیتؑ کے نزدیک اسلام ایک ابدی صداقت ہے "Eternal Truth" ہے۔ جس کا تحفظ بہرحال و بہرکیف ضروری ہے۔ للذا دین کے مستقل اقدار (اصول دین) غیر متبدل ہیں۔ عقل کے فیصلے انہیں تبدیل نہیں کرسکتے نہ ان پر کوئی سودا بازی کی جاسکتی ہے۔ دین اسلام نظام فطرت میں خون کیطرح رواں دواں ہے۔ یہ اللہ کی امانت ہے جسے آسمانوں' زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کردیا۔ وہ اس سے ڈر گئے اور عاجزی کا اظہار کردیا۔ مگر انسان نے اسے اٹھالیا حالانکہ وہ جاہل اور ظالم ہے۔ (سورۂ احزاب آیت ۷۲)

انسان کی آزمائش

کائنات میں اور خود اپنے نفس میں غور کرنے سے اس امانت کی معرفت حاصل ہوتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شے جس غرض و غایت کیلئے خلق کی گئی ہے۔ بلاکسی پس و پیش کے مصروف عمل ہے۔ ان کے ذاتی ارادے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ گویا اشیائے کائنات نے اپنے خالق و مالک کے علم و حکمت کی برتری کو قبول کرتے ہوئے خود اپنی خدمات کو باری تعالیٰ کی منشا کے سپرد کردیا ہے کہ وہ جس

طرح مناسب سمجھے ان سے کام لے۔ اس طرح وہ ذاتی ذمہ داری یا کسی احتساب سے سبکدوش ہوگئیں۔ اس کے برعکس انسان کو اس کی اپنی مرضی و ارادے کے مطابق بعض امور میں اختیار عمل حاصل ہے۔ جسے اس نے قبول کیا ہے۔ دراصل اس اختیار کو قبول کرلینے ہی میں خالق و مالک کے علم و حکمت اور منشا سے گریز کا ایک پہلو نکلتا ہے۔ جسے ظلم و جہالت سے ہی تعبیر کیاجاسکتا ہے۔ یہ اختیار انسان کو اس کی آزمائش کی غرض سے دیا گیا ہے کہ آیا وہ اپنے اس محدود اختیار کو اپنے خالق و پروردگار کی اطاعت گزاری میں استعمال کرتا ہے یا اس کی نافرمانی میں۔ یعنی وہ مستقل اقدار اسلامی یا اصول دین کا قدر دان ہے یا نہیں۔

اسلامی اقدار کی قدردانی

چنانچہ اہل بیتؑ رسولؐ کے مکتب میں ایسے خوش بختوں کی ہرگز کمی نہیں ہے جنہوں نے اسلامی اقدار کی قدردانی کا کماحقہ' حق ادا کیا ہے۔ جس طرح انسانی جسم کی پرورش ہوتی ہے اسی طرح نفس انسانی کی نشوونما ہوتی ہے۔ جسد انسان کی پرورش عقل انسانی کے سطحی تقاضوں کے ماتحت ہوتی ہے۔ لیکن نفس انسانی کی پرورش مستقل اقدار کے ماتحت ہوتی ہے۔ البتہ طبعی قوانین کے نتائج جلدی سامنے آجاتے ہیں لیکن مستقل اقدار کے نتائج ایک مدت درکار میں مرتب ہوتے ہیں اور اکثر یہ نتائج موت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔

مثالی معاشرہ

اسلامی مستقل اقدار کے تحفظ کا نتیجہ ایک آئیڈیل سوسائٹی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ جسے جنت نظیر مثالی معاشرہ کہا جاسکتا ہے۔ راشڈل نے اس طرح کے سماج کا تصور ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"میں کسی دوسرے کی نشوونما کی فکر کروں اور اسی میں اپنا مفاد اور خیر سمجھوں اور اسی طرح وہ میری نشوونما کی فکر کرے اور اسی میں اپنا مفاد اور خیر سمجھے"

(The theory of good and evil : vol II)

مگر اسلام تو بہت پہلے ایسے معاشرے کی تشکیل کرچکا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ۔

"**ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصتہ**" (سورۃ الحشر آیت نمبر۹)

اور (مسلمین) ان (دوسرے مسلمین) کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ (خود) تنگ دستی میں ہی کیوں مبتلا نہ ہوں۔

چادر انسانیت

"انسان پیدائشی طور پر باہمی تعاون کا جذبہ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تک اس کے اس جذبے کی تسکین نہ ہو افراد اور اقوام دونوں مریض ہوجاتے ہیں۔ انسان ایسا مدنی الطبع واقع ہوا ہے کہ اس کی کامل نشوونما مختلف افراد کے باہمی ربط و ضبط ہی سے ممکن ہے۔ اگر افراد کے اس باہمی عمرانی رابطے کو کسی وقت بھی نظرانداز کر دیا جائے تو اس سے انتشار واقع ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ہر انسان اپنے بھائی کا پاسبان ہے۔ ہر فرد ایک کل کا جزو ہے۔ اس لئے ہر فرد انسانیت کی چادر میں لپٹا ہوا ہے"

یہ الفاظ مجلس اقوام متحدہ کے ثقافتی شعبے یونیسکو کے ماہرین علوم و فنون کی ایک تحقیقاتی کمیٹی نے اپنی ایک رپورٹ میں لکھے ہیں جو انسانی ترقی کے اصولوں پر غور کرنے کیلئے قائم کی گئی تھی۔

کساء

مکتب اہل بیتؑ کی تعلیمات میں انسانیت کی اس چادر کو "چادر تطہیر" کہا جاتا ہے۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے معاشرے کے منتخب ترین افراد کو اس چادر میں لپیٹ کر پوری انسانی دنیا کو عام دعوت دی کہ اگر وہ اس کے سائے میں رہیں اور اس سے وابستگی اختیار کرلیں تو صراط مستقیم سے ہرگز نہ بھٹکیں۔ ویسے تو ہادی اعظم صلی اللہ و آلہ وسلم نے فضائل اہل بیتؑ کو امت پر واضح کرنے کا مکمل اہتمام فرمایا اور ملت اسلامیہ کو ہر طرح کی گمراہی، نقص، کمی، خامی اور کجی سے محفوظ رہنے کا ایسا طریقہ تعلیم فرمایا کہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں انسان مسلّم ہوکر مسلم بن جاتا ہے مگر مسلمانوں نے حضورؐ کے بتائے ہوئے اس سہل طریقے کو قابل توجہ نہ سمجھا اور ایسی راہوں پر چل نکلے جو منزل مقصود کی طرف، نہیں جاتی تھیں۔

گمراہی کے دو اقسام

انسانی دنیا میں یوں تو گمراہی کی بہت سی صورتیں ہیں لیکن اگر ان کا تجزیہ کرکے تلخیص کی جائے تو گمراہی کی دو قسمیں بنتی ہیں ایک یہ کہ حق سرے سے انسانی نظروں سے اوجھل ہوجائے اور لوگ باطل سے اس قدر مانوس ہوجائیں کہ باطل ہی ان کو حق نظر آنے لگے اور دوسری یہ کہ حق و باطل آپس میں اس طرح مخلوط ہوجائیں کہ شناخت حق ممکن دکھائی نہ دے۔

سلسلہ نبوت کا اجراء

گمراہی سے بچاؤ کے لئے جب تک پہلی قسم کا سامنا رہا۔ اللہ اپنے نبیوں کو بھیجتا رہا تاکہ لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی رہے۔ لیکن رسالت محمدؐیہ کے بعد حق و باطل میں فرق کو بالکل واضح کرکے دین کی تکمیل کر دی گئی۔ حق کی تبلیغ کرکے جملہ

تقاضے پورے کر دیے گئے۔ لہٰذا سلسلہ نبوت اختتام پذیر ہوگیا۔ لیکن فطرۃ انسانی ضمیر میں فجور کی آمیزش بھی ہے۔ اور اس کا بھٹک جانا عین ممکن ہے۔ چنانچہ اس طرح کی گمراہی قسم دوم میں شمار ہوگی کہ حق کا تخیل بھی برقرار رہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ باطل بھی حق دکھائی دیتا ہو۔

سلسلہ امامت

ایسی صورت میں حق کو باطل سے علیحدہ کرنے کیلئے معتمد ہادی کی ضرورت ہے۔ جو اصطلاحاً "امام" کہلاتا ہے۔ نبوت کے بعد سلسلہ امامت شروع ہوتا ہے۔ اور امام کا بنیادی کام یہ ہے کہ صراط مستقیم پر جو رکاوٹیں کھڑی ہیں کہ جن سے وہ راستہ مسدود نظر آنے لگا ہے۔ ان کی صفائی کر کے صحیح راستے کی نشاندہی کرے اور منزل کو نمایاں کر کے راہ حق کو آسان اور باسہولت بنا دے۔ یعنی صراط مستقیم جو ایک دفعہ مکمل طور پر اور ہر لحاظ سے مادی و روحانی تمام شعبہ ہائے زیست کے نقطہ نظر سے دکھائی جاچکی ہے۔ اس کو نمایاں کرتے رہنا اماموں کا فرض منصبی ہے۔

معرفت امام

مگر یہ کام بھی عملاً" مشکل تھا۔ سب سے پہلے التباس باطل یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ اصلی امام اور جعلی امام اس طرح رل مل گئے ہیں کہ اکثریت کو یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ صحیح امام کون ہے۔ لوگ نقلی اماموں کی تقلید کر کے گمراہ ہوجاتے۔ حالانکہ اصلی امام کی شناخت اور اس کی پیروی ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت رسالت مابؐ کا ارشاد ہے کہ "جو امام (زمانہ) کی معرفت کے بغیر مرگیا وہ جہالت کی موت مرا" فرمان رسولؐ سے ثابت ہوا کہ معرفت امام از خود ایک مشکل کام ہے کیونکہ اگر ہر مسجد میں نماز پڑھوا دینے والا یا تخت حکومت پر متمکن ہو

جانے والا حقیقی امام ہوتا ہے تو پھر ایسی حدیث کی قطعی ضرورت نہ تھی۔ ہر حکمران امام کی معرفت اس کی تلوار کروا دیتی اور نماز کی امامت امام کا تعارف کرا دیتی۔ مگر قابل غور امر ہے کہ جس چیز کی اہمیت ایسی تھی کہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے کفر لازم آتا تھا۔ تو اس کا نہ بتانا اور امام کی شناخت نہ کرانا شان نبوت اور کار رسالتؐ سے بعید تھا۔ چنانچہ سید المرسلین خاتم النبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے واضح طور پر امت کو قرآن اور اہل بیتؑ جیسے ثقلانؐ کے حوالے کر کے بتا دیا کہ اصلی امام میری عترت میرے اہل بیتؑ ہیں۔

حدیث کساء

پیغمبر اسلامؑ نے اپنے اہل بیت کا مخصوص تعارف بہت منفرد مگر جامع اور تمثیلی انداز میں کرایا ہے۔ اسلامی سرمایہ احادیث میں اس روایت کو حدیث کساء کہتے ہیں۔ کساء چادر کو کہتے ہیں مگر لغت کے مطابق کساء ایسے دودھ کو بھی کہا جاتا ہے جس کے اوپر بالائی جمی ہوئی ہو۔ ہم اپنے اس مقدمہ میں اس حدیث شریفہ کو نقل کرنا باعث ثواب و برکت سمجھتے ہیں کیونکہ حدیث موصوفہ کے اشارات و فوائد مسلمہ ہیں۔ اس کی تلاوت سے روح کو تسکین اور قلب کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کے گھر میں چادر انسانیت کے سائے تلے ایک مثالی و تمثیلی گھر بنا کر اس کے مکینوں کا تعارف کروایا ہے جس سے وابستگی اختیار کرکے انسان ہر طرح کی پریشانی سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ارشاد فرماتی ہیں ......

کون فاطمہؑ؟

جنت کی خوشبو!

وہ فاطمہؑ جن کی ولادت باسعادت بہشت کے میوہ خاص کی بدولت ہوئی۔ امام حاکم نیشاپوری مستدرک میں سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جبرائیلؑ جنت کی ایک ہی مہرے پاس لائے اور شب معراج میں نے اسے کھایا۔ سیدہ خدیجہؑ الکبریٰ اسی شب مجھ سے حاملہ ہوئیں اور فاطمہؑ کو جنم دیا۔ جب مجھے جنت کی خوشبو کا شوق غالب ہوتا تو میں فاطمہؑ کا دہن مبارک سونگھتا ہوں۔

ابو سعد نے بی بی عائشہ سے روایت کیا ہے کہ۔

میں نے بخدمت رسولؐ عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ ! جب فاطمہؑ تشریف لاتی ہیں آپؐ اپنی زبان مبارک ان کے دہن مبارک میں ڈالتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ گویا آپؐ شہد چاٹ رہے ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا جب شب معراج مجھے آسمانوں کی سیر کروائی گئی اور جبرائیل مجھے جنت میں لے گئے تو میرے پاس ایک بہی لائے میں نے اسے کھایا وہ تحلیل پاکر نطفہ بن گئی چنانچہ جب میں زمین پر آیا تو خدیجہؑ الکبریٰ اس نطفے سے حاملہ ہوئیں اور فاطمہؑ کو جنم دیا جب مجھے اس بہشتی بہی کی طرف شوق ہوتا ہے تو میں فاطمہؑ کے منہ کو چوم لیتا ہوں۔

(شرف النبوۃ)

نوع انسان میں حور

امام نسائی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ اکرم فرمایا کرتے تھے کہ میری بیٹی فاطمہؑ نوع انسان میں حور ہے جو حیض و نفاس سے پاک ہے اس کا نام فاطمہؑ اس لیے رکھا گیا ہے کہ بالتحقیق اللہ نے اس کو دوزخ کی آگ سے جدا کیا ہے۔

(نسائی)

ہم شکل پیغمبرؐ ہم شمائل نبیؐ بضعتہ الرسول بیٹی
جس نے فاطمہؑ کو ناراض کیا اس نے رسولؐ کو ناراض کیا

سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس دختر نیک اختر کو سیدۃ النساء، افضل النساء، خیر النساء، صدیقہ اور البتول فرمایا ہے۔ ام المومنین حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جناب سیدہ طاہرہ حضورؐ کے ساتھ شکل و شمائل میں نہایت مشابہت

رکھتی تھیں چنانچہ حضورؐ فرماتے تھے کہ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

(حاکم' ترمذی' نسائی' بخاری' ابو داؤد' احمد' دیلمی اور ابن عساکر)

چنانچہ مخدومہ کونین فاطمہؑ بنت رسولؐ الثقلین بیان کرتی ہیں کہ۔

ایک دن میرے والد رحمت للعالمین' شفیع المذنبین' راحت العاشقین' مطلوب الطالبین' سید المرسلین اور خاتم النبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میرے گھر تشریف آور ہوئے۔

اہل البیت خانہ بتولؑ

اس گھر میں جو بقول رسولؐ مقبول مخزن حکمت' کان رسالت' معدن نبوت' مفاتیح رحمت' محط ملائکہ' موضع نعمات' امان امت' مثل باب حطہ' مثال سفینہ نوحؑ' دار شفاعت اور مقام نجات ہے۔ جسے کسی دوسرے گھر سے قیاس نہیں کیاجاسکتا۔ بلند گھروں میں سب سے بلند گھر جس کا دروازہ مسجد نبوی کی طرف کبھی بند نہ ہوا۔ محبوبؐ خدا اس گھر کے دروازے پر سلام پیش کرنے کے عادی ہیں۔ چنانچہ اس بیت مطہرہ میں تشریف لانے کے بعد طبیب قلوب المومنین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے بیٹی فاطمہؑ میں اپنے بدن میں ضعف محسوس کرتا ہوں۔ فاطمہؑ نے عرض کیا اے والد گرامی قدر میں اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں آپؐ کی جسمانی لاغری سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ چادر یمانی لاکر مجھے اوڑھا دو۔

تمام ضعف دور کرنے والی شفا بخش چادر

وہ چادر انسانیت جو ہر طرح کے داغ دھبے سے پاک و مصفی ہے۔ جسے اوڑھ لینے سے تمام ضعف رفع ہوجاتے ہیں سب کمزوریاں دور ہوجاتی ہیں۔ جس کا

دامن تھام لینے اور تمسک کاملہ اختیار کرلینے کی صورت میں افراد و اقوام کے تمام امراض کا تسلی بخش علاج ہوجاتا ہے اور نوع انسانی کے عمرانی رابطے میں مطلق خلل پیدا نہیں ہوتا کہ انتشار وقوع پذیر ہو۔ بلکہ اس کی پناہ میں آجانے سے عمرانی رابطوں میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ اتحاد ملی مضبوط ہوتا ہے۔ یقین محکم میں توانائی پیدا ہوتی ہے۔ تنظیم کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔ ترقی کے راستے کھلتے ہیں۔ تنزلی کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ خوف دور ہوجاتے اور معاشرے میں تمکین و تسکین کے ٹھنڈے سائے نصیب ہوجاتے ہیں۔

آمد امام حسنؑ علیہ السلام

صدیقہ کائنات صلوٰۃ اللہ علیہا نے وہ چادر جو ہر طرح کی آلودگی و آلائش سے پاک ہے اور انسانی معاشرے کی تطہیر کرنے کی ایک اکسیر ترکیب تعلیم کرنے کیلئے رسولؐ پاک نے طلب فرمائی ہے اپنے پدر گرامی قدر کو اوڑھا دی۔ مگر شمس العارفین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ تاباں کی جانب ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں کہ وہ بدر کامل کی مانند منور اور روشن تھا۔ سیدہؑ فرماتی ہیں کہ تھوڑی ہی دیر بعد میرے فرزند حسنؑ آئے اور مجھ سے کہا اے امی جان آپؑ پر سلام ہو میں نے جواباً" کہا اے میری آنکھ کے نور اور میرے دل کے میوے تم پر بھی سلام ہو۔ تب امام حسنؑ نے کہا اے مادر معظمہ! مجھے آپؑ کے پاس سے بہت عمدہ خوشبو آرہی ہے۔ جس طرح کہ میرے نانا رسولؐ خدا کی خوشبو ہوتی ہے۔ میں نے جواب دیا۔ بیٹا تمہارے نانا محترم چادر کے نیچے ہیں۔ حسنؑ چادر کیطرف گئے اور عرض کیا۔ اے میرے نانا جان' اللہ کے رسولؐ آپؐ پر سلام ہو۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں آپؐ کے ساتھ سایہ چادر میں آجاؤں ؟ (اہل بیتؑ نبی کے بچے تھے اس لئے آداب رسالت سے واقف تھے کہ بغیر اجازت طلب کیے بارگاہ نبوی میں نہیں آیا کرتے) رسولؐ خدا نے فرمایا۔ میں نے اجازت دے دی ہے۔ پس حسنؑ

مناقب امام حسنؑ

آج کے دن امام حسن علیہ السلام کا چادر تطہیر میں سب سے پہلے داخل ہونا مخصوص رموز کا حامل ضرور ہوگا جنہیں اللہ بہتر جانتا ہے یا اس کا رسولؐ۔ تاہم ہمارا خیال ہے کہ شاید امام حسن علیہ السلام کو یہ فوقیت اس لیے حاصل ہوئی ہے۔ کہ انسانیت کو درس دینے کیلئے فخر انسانیت نے چادر انسانیت کے تلے انسانی معاشرے کی ایک ایسی تصویر کو پیش کرنا ہے جو ہر لحاظ سے مکمل' جاذب نظر اور تمام نقائص و عیوب سے پاک ہو۔ انسان فطرۃ" خوبصورتی و خوشنمائی اور نیکی و اچھائی کی جانب مائل ہوتا ہے۔ لغت میں "حسن" کے معنی اچھا' خوبصورت' نیک اور ایک خوش نما درخت کے لکھے گئے ہیں۔ حسنہ بھلائی کو کہتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے رسولؐ خدا نے اپنے اس بیت مکرم میں امام حسن علیہ السلام کو داخل فرما کر شاید نوع انسانی کو یہ ضمانت فراہم کی ہے کہ یہ مثالی گھر معاشرے کو اچھا' خوبصورت' خوشنما' نیک خو اور بھلائی سے بھرپور بنا دینے کا ضامن ہے۔ کیونکہ امام حسن علیہ السلام کی سیرت و کردار ان کو اسم بامسمی ثابت کرتے ہیں۔

"میں حسن کو پیار کرتا ہوں یا رب تو بھی اس سے پیار کر"

امام حسنؑ حبیبؐ خدا کی وہ محبوب ہستی ہیں کہ رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے کہ۔

"اے پروردگار! میں حسنؑ سے پیار کرتا ہوں تو بھی اس سے پیار کر"

(صحیح بخاری)

شبیہہ رسولؐ صحابی رسولؐ حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ۔

"حسنؑ سے زیادہ کوئی شخص حضورؐ کا ہم شکل نہیں تھا"

(اسد الغابہ)

سید طبرانی شریف میں ہے کہ۔

حضرت ابو ہریرہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسولؐ اللہ نے حسنؑ کو سید فرمایا

اہل جنت کا سردار علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ اکرم نے فرمایا۔
جو شخص اہل جنت کے سردار کو دیکھنا چاہے وہ حسنؑ کو دیکھ لے

امام حسین علیہ السلام آتے ہیں

چنانچہ سبط اکبر' سردار جنت' سیدنا امام حسن علیہ السلام کے چادر تطہیر میں داخل ہو جانے کے بعد صدیقہ الکبریٰ' سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ کچھ ہی دیر بعد ان کے فرزند دلبند امام حسین علیہ السلام آئے اور کہا اے والدہ محترمہ آپ پر سلام ہو میں نے جواباً" کہا اے میرے نور نظر تم پر بھی سلام ہو حسینؑ نے کہا امی حضور میں آپ کے پاس سے بہت بھینی خوشبو سونگھ رہا ہوں جیسی کہ اپنے نانا جان رسولؐ خدا سے پاتا ہوں میں نے کہا ہاں تمہارے نانا اور تمہارے برادر اس چادر کے نیچے ہیں۔ چنانچہ حسینؑ بھی چادر کی طرف گئے۔ اور عرض کیا اے جد بزرگوار ! اے اللہ کے رسول ! کہ خدا نے آپؐ کو رسالت پر مبعوث فرمایا اور منتخب کیا ہے۔ آپؐ پر سلام ہو۔ کیا مجھے چادر میں آنے کی اجازت ہے ؟ حضورؐ نے فرمایا میں تم کو اجازت دیتا ہوں۔ پس حسینؑ بھی چادر میں اپنے نانا کے ساتھ داخل ہو گئے۔

مناقب امام حسینؑ

راقم الحروف کے نزدیک امام حسین علیہ السلام حقانیت اسلام کی اکلوتی دلیل ہیں۔ اسلامی مستقل اقدار کی جیسی حفاظت میدان عمل میں اپنے جرات مندانہ اور دلیرانہ کردار سے آپ نے فرمائی ہے تاریخ انسان اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے "حسین" نیک نام، فتح مند، نیک انجام، شاہد اور شہید کو کہتے ہیں۔ آپؑ کا بے نظیر کردار آپؑ کے نام کو اس کے معنی سے کہیں زیادہ حسن و احسان عطا کر دیتا ہے۔ جد حسینؑ نے جہاں چادر انسانیت میں حسنؑ کو داخل کرکے ایک خوشنما، نیک اور فلاح پرور معاشرے کی تشکیل کا اشارہ فرمایا ہے اور صلح و امن یا آشتی و بھلائی کی ضمانت دی ہے وہاں اس پیش بینی کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ اگر کبھی معاشرے میں استحصالی قوت سر اٹھائے اور استبدادی عفریت نظم و ضبط کو درہم برہم کرنے کی شرارت کرے تو ایسے پر آشوب حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے حسینؑ جیسا سید الشہداء، ظفریاب، فتح مند اور نیک نام امام ایسی کربلا منعقد کرنے پر قادر ہو جو باطل کی شہ رگ کو کاٹ دینے کی بھرپور صلاحیت اور مکمل قدرت رکھتا ہو۔ چنانچہ جب مسلمان معاشرے پر ظلمت کے سائے منڈلائے، ظلم کی گھٹائیں چھائیں، جور کے بادل اڈ آئے، ستم کی مسموم آندھیاں چلیں اور باطل کے ہولناک طوفان اٹھے تو امام حسینؑ نے ان کا مقابلہ استقامت و پامردی اور ثبات و بے جگری سے کیا۔ آپؑ نے حق و باطل کے اس معرکے میں یزیدیت کا قلع قمع کرکے حسینیت کے پرچم کو ہمیشہ کیلئے ایسا سربلند کیا جو پھر کبھی سرنگوں نہ ہوسکا۔ معاشرے کے مستضعفین کو ایسی قوت حرارت بخش دی کہ اس کے بعد جابر سلاطین نے بیعت باطل کا مطالبہ کرنے کے تصور کرنے ہی سے توبہ کرلی۔

''حسینؑ مجھ سے اور میں حسینؑ سے ہوں''

رسولؐ اسلام فرمایا کرتے تھے کہ۔

''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں''

سبط الاسباط ''اللہ اسے دوست رکھتا ہے جو حسینؑ کو دوست رکھے۔ حسینؑ سبط الاسباط ہے۔''

(صحیح بخاری' ترمذی شریف' سنن ابن ماجہ' اسد الغابہ)

سبط ایسے تیز ذہن فہیم اور ہوشیار آدمی کو کہا جاتا ہے جس کا ذہن معاملہ کی تہہ تک پہنچ جائے چنانچہ سیرت حسینؑ کا ہر قدم اس صفت پر دلالت کرتا ہے۔

اہل سمٰوٰت کے نزدیک محبوب ترین ہستی

حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب نے کعبے کی دیوار کے سائے میں بیٹھ کر لوگوں سے کہا۔

''حسینؑ اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین سے زیادہ محبوب ہیں''

(اصابہ فی تمیزا لصحابہ)

حسینؑ کا دشمن رسولؐ اور رب رسولؐ کا دشمن ہے

روایات صحیحہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

جس نے حسینؑ کو دشمن رکھا اس نے مجھے دشمن رکھا۔ اور جس نے مجھے دشمن رکھا اس نے خدا کو دشمن رکھا۔ (طبرانی شریف)

ریحان رسولؐ

حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

حسنؑ اور حسین میرے بیٹے ہیں۔ تمام دنیا میں سے میرے دو پھول کے پودے ہیں۔

(ابن عساکر)

امام علی المرتضیٰؑ کی تشریف آوری

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے چادر میں داخل ہوجانے کے کچھ دیر بعد ابوالحسن امام علی بن ابیطالب علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا۔ اے رسولؐ خدا کی دختر نیک اختر آپؑ پر سلام ہو۔ سیدہؑ نے جواب میں کہا اے امیرالمومنین آپؑ پر بھی سلام ہو ابوالحسن نے فرمایا میں تمہارے پاس سے عجیب بوئے خوشگوار ایسی پاتا ہوں جو اپنے بھائی اور ابن عم رسولؐ خدا کی پاتا ہوں۔ میں نے کہا ہاں وہ آپؑ کے دونوں فرزندوں کے ساتھ اس چادر میں ہیں۔ پس علیؑ بھی چادر کیطرف گئے۔ اور بارگاہ رسالت مابؐ میں ہدیہ سلام پیش کرنے کے بعد چادر میں داخلہ کی اجازت طلب کی۔ سیدالانبیاءؐ نے سیدالاولیاء کو اجازت مرحمت فرمائی۔ پس علیؑ بھی ان سب کے ساتھ چادر میں داخل ہوئے۔

فضائل علویہ

علیؑ وہ ہیں کہ ان کا مہمل بھی ولی ہوتا ہے علیؑ کا ذکر عبادت ہے علیؑ کا دیدار عبادت ہے علیؑ سے محبت عبادت ہے۔ امام حاکم نے مستدرک میں امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ جناب رسالت مابؐ کے اصحاب میں سے کسی کے لئے اس قدر فضائل وارد نہیں ہوئے جس قدر کہ جناب امیر علیہ السلام کے لئے وارد ہوئے۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کسی کی شان جناب امیر علیہ السلام کی شان سے زیادہ حدیثیں جید اسانید کے ساتھ روایت نہیں ہوئیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ حکومتی سطح پر اخفاء فضائل کی سرتوڑ کوشش کے باوجود آپؑ کے دشمنوں اور حریفوں کو بھی ان فضائل سے انکار کرنے کی جرات نہیں ہوئی ہے۔ عمرو بن العاص کا کردار جانا پہچانا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ برونامی ایک ہمدانی باشندہ معاویہ کے پاس کسی کام کو گیا اس نے سنا کہ عمرو بن العاص

حضرت علیؑ کو برا بھلا کہہ رہا ہے برو نے کہا اے عمرو ہمارے بزرگوں نے رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ کیا یہ بات سچ ہے یا جھوٹ ہے؟ عمرو بن العاص نے کہا میں تجھے اس سے بھی بڑھ کر سناتا ہوں کہ رسول کے کسی صحابی کے مناقب اتنے نہیں ہیں جتنے کہ علیؑ کے ہیں مگر کیا کریں وہ عثمان کے قتل میں شریک ہوئے ہیں۔ (الامامت و السیاست ابن قتیبہ)

طبرانی شریف میں حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول نے فرمایا ہے کہ کسی شخص نے علیؑ کے مانند فضل کا اکتساب نہیں کیا۔ وہ اپنے اہل صحبت کو ہدایت کی راہ دکھاتے ہیں اور برائی سے پھیرتے ہیں۔

مفسر قرآن' صحابی رسول' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جناب امیر علیہ السلام کے فضائل کا لاتحصٰی ہونا اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "اگر دنیا کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائیں اور انسان لکھنے والے ہوں اور جن حساب کرنے والے ہوں تو پھر بھی علیؑ کے فضائل کو احصی نہیں کر سکتے۔ (تذکرۃ الخواص الامہ سبط ابن جوزی)

وصی' خلیفہ اور وارث رسولؐ مولا علی علیہ السلام

یہی وجہ ہے کہ خدا نہ ہوتے ہوئے بھی علی علیہ السلام پر خدا ہونے کا گمان کیا گیا ہے اس مظہر خدا اسد اللہ الغالب' غالب علی کل غالب ہستی کا دین کو استوار کرنے اور اسلام کو استحکام بخشنے کا سنہرا اور ناقابل فراموش کروار محتاج تعارف نہیں۔ چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آغاز بعثت پر دعوت ذی العشیرۃ کے موقع پر ہی علی کو اپنا وصی' اپنا خلیفہ اور اپنا وارث نامزد فرما دیا۔ اور پھر ساری زندگی اپنے اس عہد کی تجدید گاہے بگاہے فرماتے رہے حتی کہ روز

غدیر اپنے فرائض منصبی سے فراغت پا جانے کے حکم ربی کی تعمیل میں آپؐ نے ہزاروں کے مجمع میں علیؑ کو اپنے ہاتھوں سے بلند کر کے نصب فرمایا اور اعلان عام نشر کیا کہ جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔

کسی تمدن کے ترقی یافتہ ہونے کا راز علم اور شجاعت میں مضمر ہوتا ہے مدینتہ العلم رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنفس نفیس علیؑ کی پرورش اور تربیت فرمائی اور علم ان میں اس طرح بھر دیا جس طرح کوئی پرندہ اپنے بچے کو بھرتا ہے پیغمبر کے نقش قدم پر چلنے کی ایسی عادت تھی کہ خود فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ کے پیچھے پیچھے یوں چلا کرتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے۔

حسین، پر سکون اور محفوظ معاشرے میں علم و عرفان ترقی کے بام عروج تک پہنچانے کا وسیلہ اور ذریعہ ہوتے ہیں پھر شجاعت قوموں میں استقلال اور جفاکشی پیدا کرتی ہے۔ شیر خدا، باب شہر علم امام علی علیہ السلام کو رسولؐ خدا نے چادر تطہیر میں داخل فرما کر معاشرے کو جہالت، غفلت، کاہلی اور بزدلی جیسے نقائص سے پاک کر دینے کی جانب اشارہ فرمایا۔

چادر تطہیر میں سیدہؑ طاہرہ کا داخلہ اور عرش پر اللہ کا اعلان

سیدہ طاہرہؑ فرماتی ہیں کہ جب علیؑ بھی چادر میں داخل ہو گئے تو میں چادر کی طرف بڑھی اور عرض کیا اے والد بزرگوار! آپؐ پر سلام ہو۔ اے اللہ کے رسول آپؐ پر سلام ہو کیا مجھے اجازت ہے کہ میں آپؐ سب کے ساتھ چادر میں داخل ہو جاؤں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں اے فاطمہ تجھے اجازت ہے پس میں بھی اس میں داخل ہو گئی جب ہم سب چادر میں جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ صاحب عزت و جلال نے فرمایا۔

سب کچھ محبت خمسہ کی خاطر پیدا کیا گیا ہے

"اے میرے فرشتو! اور آسمانوں میں رہنے والو! میں نے بلند آسمان ' کشادہ زمین' روشن چاند ' چمکتا سورج' گردش کناں آسمان' موجزن سمندر اور رواں کشتی کو نہیں پیدا کیا ہے مگر ان پانچ ہستیوں کی محبت میں جو کہ چادر کے نیچے ہیں۔

جبرائیل کی تمنا

سیدہؑ فرماتی ہیں کہ جبرائیل نے عرض کیا۔ اے پروردگار اس چادر میں کون ہیں اللہ نے جواب دیا کہ وہ اہل بیت نبوت اور رسالت کی کان ہیں۔ وہ فاطمہ اس کے باپؐ" اس کے شوہرؑ اور اس کے فرزندان ہیں جبرائیل نے عرض کیا یا رب! کیا تو اجازت دیتا ہے کہ میں زمین پر جاؤں اور ان میں کا چھٹا ہو جاؤں۔ اللہ صاحب عزت و جلالت نے فرمایا۔ میں نے تجھے اجازت دی۔

نزول امین وحی

پس جبرائیل نازل ہوئے اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ۔ خداوند جو علی و اعلیٰ ہے آپؐ کو سلام کہتا ہے اور تحفہ تحیت و اکرام بھیجا ہے اور فرمایا ہے مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلالت کی کہ میں نے اونچے فلاک ' فراخ زمین ' ماہ درخشاں ' خورشید تاباں اور گردش کرنے والے آسمان ' بے کراں دریا ' اور رواں کشتی نہیں خلق کئے ہیں مگر تمہارے واسطے اور تمہاری محبت کے لئے اور مجھے اجازت بخشی ہے کہ میں آپؐ کے ساتھ چادر میں داخل ہو جاؤں۔ کیا آپؐ بھی مجھے اجازت دیتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے تمہیں اجازت دی۔

راویہ حدیث کا فرش سے عرش کے حالات کی روایت کرنا قابل توجہ امر ہے

اس مقام پر دو باتیں خصوصی توجہ کی طلب گار ہیں ایک یہ کہ حدیث کی راویہ جو براہ راست روایت فرما رہی ہیں فرش ارض پر مقیم ہیں جب کہ اللہ عرش پر فرشتوں اور اہل سموات سے مخاطب ہے جسے آپؑ سماعت فرما رہی ہیں یہ ایک باریک عرفانی نکتہ ہے۔ کہ خدا اپنے مخصوص بندوں کے اتنا قریب ہوتا ہے کہ قرب و بعد کے فاصلے ایسے مقام پر کوئی حیثیت نہیں رکھتے اس کتاب کے آئندہ صفحات میں اس بات کی مختصر تشریح ہدیہ قارئین کی جا رہی ہے۔

اللہ قریب ہے اپنی یکتائی کے باوجود

حضرت جبرائیل کا خلاف معمول داخلہ کے لئے اذن طلب کرنا

ہوتے ہیں تو عموماً حاضری کے لئے اذن رسول طلب نہیں کرتے یہ خاص موقع ہے کہ امین وحی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں حالانکہ وہ خدائے قدوس سے پہلے ہی اجازت لے چکے ہیں تو اس کا سبب شاید سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی عظمت و حرمت ہے کہ بی بی پاک کی عصمت و طہارت کاملہ اس کی مقتضی ہے کہ سید الملا ئکہ بھی بلااجازت داخل نہ ہو۔

عظمت و احترام سیدۃ النساء العالمینؑ

علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے بدور السافرۃ میں، ابو نعیم نے الدلائل میں اور دینوری نے المجالسۃ میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا: روز قیامت ایک منادی ندا کرے گا کہ اے لوگو! اپنی آنکھوں کو بند کرلو جب تک کہ فاطمہؑ بن محمدؐ گزر نہ جائیں۔

سید الملائکہ کا سید المرسلینؐ کو آیت تطہیر پہنچانا

چنانچہ معصومہ عالمین روایت کو جاری رکھتے ہوئے فرماتی ہیں کہ جبرائیل بھی چادر میں داخل ہو گئے اور عرض کیا کہ خدائے عزوجل نے آپؐ کی جانب وحی کی ہے کہ:۔

"پس اللہ کا ارادہ تو یہی ہے کہ اے اہل بیت تم کو ہر رجس سے پاک رکھے اس طرح کہ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہوتا ہے"(سورہ احزاب)

اہل البیت کی طہارت کاملہ

پیغمبرؐ اسلام نے دودھ جیسی سفید بے داغ چادر انسانیت کا گھر بنا کر اس کے بے عیب مکینوں کی طہارت، عصمت، عظمت اور بزرگی کا شاندار عملی مظاہرہ فرمایا۔ صنف نسوانی کی نمائندگی کے لئے خیر النساءؑ بی بی کا انتخاب کیا گیا

اور عورت کو اسلامی معاشرے میں علامت شناخت قرار دیا گیا۔ معاشرے میں ماں، بیٹی اور بیوی کے مقام کو پیش نظر رکھتے ہوئے عورتوں کی ہدایت کا نمونہ کامل سیدہ طاہرہؑ کو قرار دیا گیا۔ اللہ نے اس مختصر مگر ہمہ جہات سے جامع و مکمل مثالی نمونہ کو پسند فرماتے ہوئے چادر تطہیر میں لپیٹے ہوئے مسلم افراد کو عصمت کا خلعت فاخرہ زیب تن فرمایا۔

اس گھر کی رفعت و عظمت کو سلام ہے کہ جس میں جبرائیل جیسے معصوم اور امین وحی فرشتے کو اجازت طلبی کی ضرورت ہوئی یہی وہ منتخب گھر والے ہیں جن کی محبت میں خلاق عالم نے کائنات کو پیدا کیا ہے اور یہ ارادہ فرمایا ہے کہ ان گھر والوں کو ہر طرح کی نجاست ظاہری و باطنی سے پاک و پاکیزہ رکھے اور اللہ کا ارادہ تو بس ایسا، ہوتا ہے کہ جب وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے وہ چیز فی الفور ہو جاتی ہے یعنی کن اور فیکون

خدا کی اس ضمانت طہارت کے بعد انسان کی سعادت مندی صرف یہی ہے کہ اس گھرانے کو آئیڈیل قرار دے کر اس سے متمسک ہو جائے تاکہ اس کے سارے مسائل حل ہو جائیں تمام الجھنیں سلجھ جائیں اور جملہ عیوب و نقائص دور ہو جائیں۔

اللہ کے نزدیک چادر تطہیر تلے اجتماع کی فضیلت اور اہل ایمان کی سعادت دارین

بی بیؑ پاک روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے بیان فرماتی ہیں کہ جب جبرائیل آیت تطہیر کی وحی پہنچا چکے تو علیؑ بن ابی طالبؑ نے دریافت کیا کہ اے رسولؐ خدا مجھے مطلع فرمائیے کہ ہمارا اس چادر تلے جمع ہونا اللہ کے نزدیک فضیلت رکھتا ہے؟ تو حضورؐ نے جواباً" ارشاد فرمایا۔ کہ قسم ہے اس ذات کی جس

نے مجھے رسالت پر مبعوث فرمایا اور اپنی پیغمبری کے لئے میرا انتخاب کیا ہماری یہ خبر اہل زمین کی محفلوں میں سے کسی محفل میں بیان کی جائے گی۔ تو اس مجلس پر اللہ کی رحمت نازل ہو گی اور فرشتے اہل محفل کے منتشر ہونے تک ان کے لئے طلب مغفرت کرتے رہیں گے تب حضرت علیؑ نے کہا رب العالمین کی قسم ہم اور ہمارے شیعہ کامیاب ہوئے۔ جناب رسالت مآب نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی مقرر کیا ہے اور اپنی رسالت کے لئے مجھے منتخب فرمایا۔ ہماری یہ خبر اہل زمین کی مجلسوں میں سے کسی مجلس میں جس میں ہمارے شیعہ ہوں گے نہ بیان کی جائے گی لیکن یہ کہ ان میں جو کوئی بھی رنجیدہ و فکرمند ہو گا اللہ اس کا رنج دور کرے گا اور حاجت مند کی حاجت پوری کرے گا۔ تب حضرت امیر نے فرمایا کہ خدائے لایزال کی قسم ہم اور ہمارے شیعہ فائز ہو گئے ہیں اور ہمیں نیز ہمارے دوستوں کو دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہوئی۔

صحت حدیث

روح اہل بیت طہارت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بیان کردہ حدیث کساء کی صحت کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل کتب سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ الجزا السابع ص ۱۳۰

۲۔ صحیح ترمذی ک ۴۴ سورۃ ح ۷'

۳۔ مسند احمد حنبل جز الاول ص ۳۲۱

۴۔ منہاج السنۃ الجزا الثالث ص ۴

۵۔ تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۹۵

اس کے علاوہ دیکھئے مشکواۃ المصابیح ' موطاء امام مالک' کتاب للاستیعاب' اشعۃ

اللمعات، جمع بین الصحیحین

حدیث کساء سے اعراض کرنے کے باعث حیات انسانی کا ارتقاء رک گیا

ہمارے نقطہ نظر سے مسلمانوں کی پستی و زوال کی حقیقی وجہ یہی ہے کہ لوگوں نے حدیث کساء کو قابل توجہ نہ سمجھا۔ چنانچہ غایت کائنات اور ہر نقص و عیب سے پاک اس بے مثال گھرانے سے اعراض کرنے کے باعث حیات انسانی کا ارتقاء رک گیا۔ دنیا سے سکون رخصت ہو گیا۔ ملت میں تفریق پیدا ہونے کی وجہ سے عوام کا باہمی ربط و ضبط منتشر ہو گیا۔ جس کے فطری نتیجے انتشار کے سبب ہم تباہی کے ایسے عمیق گڑھے میں گر گئے جہاں سے نکلنا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

زیر نظر کتاب میں ہم نے کوشش کی ہے کہ یوم عید غدیر کے حوالے سے مکتب اہل بیتؑ کی تعلیمات اور آل رسولؐ کے فقید المثال کردار کی روشنی میں حیات پر مرتبہ اثرات پر غیر جانبدارانہ گفتگو کر کے ثابت کریں کہ اگر دنیا خاتم النبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عظیم الشان اعلان غدیر سے تخلف نہ کرتی تو کبھی صراط مستقیم سے دور نہ ہوتی اور ہمہ وقت دنیا و آخرت کے حسنات سے مالا مال ہوتی۔ وما توفیقی الا باللہ

افتتاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

حمد باری تعالیٰ

حمد خاص ہے اس اللہ کے لئے جو بلند ہے اپنی واحدانیت میں اور قریب ہے اپنی یکتائی کے باوجود اور صاحب جلال ہے اپنی قدرت میں اور صاحب عظمت ہے اپنے ارکان میں اور جو محیط ہے ہر شے پر اپنے علم سے حالانکہ وہ اپنے مقام ہی پر ہے۔ اور جو غالب ہے تمام مخلوق پر اپنی قدرت و برہان سے جو صاحب بزرگی ہے ہمیشہ سے اور ہمیشہ محمود رہے گا جو بلندیوں کا پیدا کرنے والا اور پستیوں کا بچھانے والا ہے جو مسلط ہے زمینوں اور آسمانوں پر جو لائق تسبیح و تقدیس اور ملائکہ و روح کا رب ہے۔ جو فضل کرنے والا ہے تمام مخلوق پر اور بخشش کرنے والا ہے تمام کائنات پر' جو ہر نگاہ پر نظر رکھتا ہے۔ لیکن آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں جو کریم ہے جو حلیم ہے مہلت دینے والا ہے جو اپنی رحمت سے ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے اور اس نے احسان کیا سب پر اپنی نعمت سے۔ جو انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا اور نہ عذاب کے مستحقوں پر عذاب کرنے میں عجلت فرماتا ہے جو رازوں کا سمجھنے والا دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے کوئی بھی پوشیدہ شے اس سے چھپی نہیں ہے اور نہ پنہاں چیز اس پر مشتبہ ہوتی ہے وہ ہر شئے کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر شئے پر غالب ہے اور ہر چیز پر قادر ہے ہر شئے پر اقتدار رکھتا ہے اس کے مثل کوئی شئے نہیں ہے۔ اور اس نے شے کو اس وقت ایجاد کیا جب کہ کوئی شئے نہ تھی۔ جو ہمیشہ ہے اور عدل کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو صاحب عزت اور صاحب حکمت ہے وہ اس سے بالاتر ہے کہ آنکھیں اسے دیکھ سکیں مگر وہ نظروں پر نگاہ رکھتا ہے اور وہ بڑا

لطف کرنے والاباخبر ہے اس کے وصف کی حقیقتوں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور نہ کوئی اس کے ظاہر و باطن کی کیفیت کو معلوم کر سکتا ہے سوائے اس کے جسے خود اس صاحب عزت نے اپنے متعلق رہنمائی کی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک وہ ایسا اللہ ہے کہ جس کی بزرگی نے دہر کو پر کر دیا ہے اور جس کے نور نے ابد کو ڈھانپ لیا جو اپنے احکام کو جاری کرتا ہے بغیر کسی مشیر کے مشورے کے اور نہ مقدرات میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اس کی تدبیر میں کوئی اختلاف ہے اس نے جو صورت پیدا کی بلانمونہ و بغیر مثال کے پیدا کی۔ اور جو کچھ خلق فرمایا بلا امداد غیر اور بغیر کسی تکلف و حیلہ کے پس قصد کیا تو بس ہو گیا اور خلق کیا پس ظاہر ہو گئیں وہ ایسا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی بندگی کے لائق نہیں اس کی صنعت مستحکم اور کاریگری بہت عمدہ ہے۔ وہ ایسا عادل ہے کہ ظلم نہیں کرتا وہ ایسا اکرم ہے جس کی طرف تمام امور کی بازگشت ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک وہ ایسا ہے کہ جس کی قدرت کے سامنے ہر شے سرنگوں ہے اور جس کی ہیبت کے سامنے ہر چیز کا سر تسلیم خم ہے جو تمام ملکوں کا بادشاہ ہے جو آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور سورج و چاند اس کے تابع ہیں سب وقت مقررہ تک چلتے رہیں گے وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں سموتا ہے جو ایک دوسرے کا تیزی سے تعاقب کرتے ہیں ہر سرکش جبار کو شکست دینے والا اور ہر نافرمان شیطان کو ہلاک کرنے والا ہے۔ نہ اس کی کوئی ضد ہے اور نہ نظیر وہ یکتا ہے بے نیاز ہے نہ وہ کسی سے پیدا ہوا نہ اس نے کسی کو جنم دیا نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔ وہ معبود یکتا ہے اور بزرگ پروردگار ہے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے سو پورا کرتا ہے ہر شے کو اچھی طرح جانتا ہے وہی مارتا ہے۔ وہی جلاتا ہے وہی فقیر و غنی کرتا ہے وہی ہنساتا اور رلاتا ہے وہی قریب دور کرتا ہے اور ملک عطا کرتا ہے اسی کے لئے حمد خاص ہے۔ خیر اسی کے ہاتھ ہے اور وہی ہر شے پر قدیر ہے

رات کو دن میں اور دن کو رات میں چھپاتا ہے اس عزیز و غفار کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو دعاؤں کا قبول کرنے والا اور کثیر العطا ہے۔ سانسوں کا حساب رکھنے والا ہے اور جنوں و انسانوں کی پرورش کرنے والا ہے۔ اس کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں۔ اسے فریادیوں کی فریاد اور گڑگڑانے والوں کی گڑگراہٹ ملول نہیں کرتیں۔ وہی محافظ ہے صالحین کا اور توفیق بخشنے والا ہے فلاح پانے والوں کو اور سارے جہانوں کا مولا ہے۔ وہی مستحق ہے کہ تمام مخلوق اس کا شکر اور حمد بجا لائے۔ در حالت خوشی و غم اور تکلیف و راحت میں میرا اس پر یقین ہے۔ اور اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان ہے۔

محسن انسانیتؐ

درود و سلام

ہدیہ درود و سلام پیش کرتا ہوں سید المرسلین' خاتم النبین کی بارگاہ عالیہ میں جو اللہ کے حکم کو سنتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ ہر اس عمل میں عجلت کی جو خالق کو پسند ہے۔

اے زمینوں کے بچھانے والے اور آسمانوں کو بلندیوں پر روکنے والے اللہ !

اے خوش نصیب اور بدنصیب دلوں کو فطرت پر پیدا کرنے والے خدا !

اپنی بہترین رحمتیں اور روز افزوں درود اپنے اس بندے اور برگزیدہ رسول محمدؐ پر نازل فرماتا رہ جو خاتم وحی و رسالت ہے۔ اور مشکل راستوں کو آسان کرنے والا ہے۔ جس نے حق کو حق سے آشکار کیا۔ جس نے باطل کے لشکروں کو دھکیل دیا۔ جس نے گمراہی اور ضلالت کو نابود کردیا۔ یہ درود و سلام اسی شان کے ہوں جس شان سے استقلال کے ساتھ آپؐ نے یہ بار (رسالت) اٹھایا۔

اس بوجھ کو آپؐ نے تیرے حکم کی فرماں پذیری' تیری خوشنودی کے حصول میں عجلت کرتے ہوئے قوت و توانائی کے ساتھ اس طرح اٹھا لیا کہ نہ تو آگے بڑھنے سے قدم پیچھے ہٹائے اور نہ عزم میں سستی آنے دی۔ آپؐ نے تیری وحی کو محفوظ کیا۔ تیرے عہد و پیمان کی نگہداشت کی اور تیرے فرمانوں کو نافذ کرکے دم لیا یہاں تک کہ علم و دانش' حق شناسی اور خدا پرستی کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ غلط راستوں کے چلنے والوں پر حق کا راستہ کھل گیا۔ گناہوں اور فتنوں میں ڈوبے ہوئے دل و دماغ تیرے رسولؐ کے طفیل میں ہدایت پاگئے حضورؐ نے واضح نشانات کو قائم کیا اور نورانی احکام جاری فرمائے۔

بدوں پر تیری جانب سے عینی شاہد اور چشم دید گواہ ہوں گے وہ حق کے ساتھ تیرے بندوں کی طرف تیری جانب سے بھیجے ہوئے رسولؐ ہیں۔

یا رحمان الرحیم! ہمارے رسولؐ، محسن انسانیت، رحمت للعالمین، اشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کو تو اپنے خاص سایہ رحمت میں مزید بڑا حصہ عطا فرما۔ آپؐ کو اپنے فضل و کرم کے بیش از بیش حصے سے سرفراز فرما۔ آپؐ کے دین کی شان کو دیگر ادیان سے بلند و بالا رکھ۔ اپنے نبیؐ کے درجہ و منزلت کو اپنے نزدیک اور گرانقدر قرار دے۔ اور آپؐ کے نور کو اپنے کمال تک پہنچا دے۔ تاکہ سارا زمانہ، تمام دنیا اس سے بہرہ ور ہو۔ مقبول گواہی، اچھے کلام اور حق و باطل کے درمیان قول فیصل کے اعتبار سے انہیں بہترین جزا دے۔

خداوند! آپؐ کے طیب و طاہر آل کو اور آپؐ کے اطاعت گزار اصحاب و انصار کو خوشگوار زندگی، دائمی نعمتوں، انتہائی سکون اور شرف و کرامت کی منزل میں آپؐ کے شریک کر دے۔ اور ان کے طفیل ہم سب کو حضرتؐ کا قرب نصیب فرما۔

"بے شک تو دعاؤں کو قبول کرنے والا رب کریم ہے"

ہدیہ تبریک

ہم اپنی تہی دامانی کا برملا اعتراف کرتے ہوئے تمام اہل ایمان کو چودہ سو سالہ جشن الغدیر کے پرمسرت موقعہ پر پرخلوص قلب کے ساتھ ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ اور یوم تکمیل الدین اور روز اتمام نعمت کی ناقابل فراموش اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آج کے دن اپنا یہ قلمی نذرانہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ یہ امنگ اسی جذبہ شوق سے مستعار ہے جو بازار مصر میں یوسفؑ کی خریداری کے وقت ایک خالی داماں معمر خاتون کے جی میں پیدا ہوا تھا۔

گر قبول افتدز ہے عزو شرف

اسلام اور جسمانی زندگی کے تین مراحل

حیات انسانی کو سادہ طریقے سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) مادی حیات اور (۲) روحانی حیات مکتب اہل بیتؑ رسول کی روشنی میں اسلامی نظریات کا زندگی کے ہر حصے پر گہرا ترین اثر نظر آتا ہے۔ مادی حیات یا جسمانی زندگی کی بقا کیلئے انسان کی جملہ ضروریات کو خلاق عالم نے ایک مربوط بندوبست کے ساتھ کائنات میں پھیلا دیا ہے اور کارخانہ قدرت کا ہر ذرہ اپنی خدمت بجالانے پر کمربستہ ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ پر نظام حیات انسانی کی بقا کا سامان ہے۔ البتہ ان قدرتی خدمتگاروں سے فائدہ اٹھانا یا نقصان اٹھانا انسان کی اپنی صوابدید پر ہے۔ چنانچہ عقلی تدابیر کی بدولت ہر شے سے اپنا مفاد حاصل کرلیا جاتا ہے۔ اسلام ان اشیاء جو (Means) ذرائع ہیں۔ (Utflity) افادہ حاصل کرنے کی صحیح تراکیب سکھاتا ہے۔ اور ان کے مضرات سے محفوظ رہنے کی تدابیر سے آگاہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ انسانی عقل عام پر مکمل اعتماد کرنے سے گریز کرتا ہے اس لیے کہ خالق نے انسانی عقل پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے رہنمائی کے دوسرے وسیلے بھی پیدا کیے ہیں۔

انسانی بودوباش تین مراحل طے کرتی ہے۔ (۱) خانگی زندگی (۲) سماجی زندگی (۳) ثقافتی زندگی ان میں ہر مرحلہ سکون و سلامتی کا محتاج ہے۔ لہذا صحت مند نظام کے موثر نفاذ کیلئے ضروری ہے کہ فتنہ و فساد کا مکمل انسداد کر دیا جائے۔ خانگی زندگی کی سلطنت "گھر" ہوتا ہے۔ گھر والے اس سلطنت کے باشندے ہوتے ہیں جن میں ایک فرد اعلیٰ اس چھوٹی سی ریاست کا سربراہ ہوتا ہے جو نزاعی صورت میں اختیار استعمال کرکے امن و امان کو بحال کرنے اور قائم رکھنے کا موثر

کردار ادا کرتا ہے۔

گھر کے باہر سماجی ولایت کی حدود شروع ہوتی ہے جہاں سوشل زندگی کو معاشرتی ضابطوں کے ماتحت گزارا جاتا ہے۔اور تفرقے کی تمام ممکنہ صورتوں سے محفوظ رہنے کے قواعد کا نفاذ کیا جاتا ہے تاکہ معاشرہ متوازن رہے اور ہر طرح کی بدامنی سے پاک قرار پائے۔

اس کے بعد ثقافتی یا تمدنی زندگی کی اقلیم ہے اور کوئی تمدن ترقی یافتہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ ملکی قوانین میں عوام کے حقوق کی پوری پوری حفاظت نہ کی جائے اور حکومت قانون کے نفاذ میں انصاف سے کام نہ لے۔

مکتب اہل بیتؑ رسولؐ کا حیات پر اثر

"دین فطرت اسلام" زندگی کے ان تینوں مراحل میں انسان کی ہدایت کا مکمل سامان مہیا کرتا ہے رسولؐ اسلام اور آپؐ کے اہل بیتؑ کا کردار عملی ہمارے اس دعوے کی روشن دلیل ہے۔ روحانی حیات مادی زندگی سے ایک جداگانہ چیز ہے۔ تزکیہ نفس کے بغیر اس دنیا میں قدم رکھنا ممکن نہیں مگر حقیقی و دائمی زندگی یہی ہے۔ مادی حیات چراغ راہ تو بن سکتی ہے لیکن منزل مقصود نہیں۔ چنانچہ اس قلمرو کی جہانبانی اہل بیتؑ کے زیر اثر ہے کیونکہ وہ نفس مطمئنہ کے حامل ہیں۔ **یا ایتھا النفس المطمئنۃ** (سورۃ الفجر آیت ۲۷)

مکتب اہل بیتؑ رسول کے فکر و نظر کی روشنی میں جب ہم اسلامی نظریات کا زندگی پر اکثر مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ اسلامی علوم و معارف نے عترت رسولؐ کی حکمتوں سے اپنی تصویروں میں انسانیت کا دلکش رنگ جذب کیا ہے اور یہ رعنائی ان ہی بے نظیر ہستیوں کی مرہون منت ہے۔

آئمہ معصومین کا یگانہ روزگار ہونا تو رہا اپنے مقام پر اس مکتب کے غیر معصوم طلباء اور عام دانش جویان نے انسانی زندگی' جماعت بشری اور اسرار ہستی پر جو گہری نظر ڈالی اور توحید و الہیات یا ماوراء الطبیعت پر جو تحقیقات کی وہ مستقبل کیلئے نقش قدم قرار پا گئی۔ علم کی ان راہوں پر بکھرے ہوئے یہ آبدار موتی اس بات کی گواہی پیش کرتے ہیں کہ صادق و امین رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بالکل سچ ارشاد فرمایا کہ۔

"میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی مانند ہیں"

مکتب اہل بیتؑ ہی کو یہ شرف نصیب ہے کہ اس نے انسانی حقوق' بشری سماج اور تمدنی فلاح کی نیک بختی کیلئے ایسے مستحکم طریقے' اصول اور مستقل

نظریات قائم کیے جن کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں اور شاخیں آسمانوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علوم جدیدہ ان قدیم اصولوں کو فرسودہ قرار دینے میں بری طرح ناکام ہو کر موید ہونے پر مجبور ہیں۔

تاریخ انسانیت کے تین دور

نوع انسانی کے ایک نام نہاد مہذب و ترقی یافتہ طبقے نے شروع ہی سے ضرورت دین و مذہب سے انکار کیا ہے۔ اور تاریخ انسانیت کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) دور جہالت وخرافات (۲) دور مذہب (۳) دور علم و عرفان

یہ مکتب فکر دور مذہب کو علم و عرفان سے محروم قرار دیتا ہے۔ ان منکرین مذہب نے بعض لوگوں کو دین و مذہب سے اس قدر بے نیاز بنا دیا ہے کہ وہ مذہب کو خرافات کا پلندہ اور پسماندگی کا سبب سمجھنے لگے ہیں۔ مذہب کے بارے میں اس غلط مفروضے کی شہرت کا ایک ظاہری سبب یہ ہے کہ اہل مذہب نے چند عادتوں اور رسومات کو ہی محور مذہب بنالیا ہے دین کو عبادت گاہوں اور مذہبی اجتماعات تک محدود کر دیا ہے۔

مسلم امہ میں نفس پرست عناصر نے تفریق کا ایسا زہریلا بیج بو دیا ہے کہ جس کی وجہ سے رحلت رسولؐ ہوتے ہی اختلافات کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس دن سے آج تک باہمی جھگڑوں کے سلسلے میں شدید نبرد آزمائیاں ہوتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ محاسن تعلیمات اسلام سے مستفیض ہونے سے محروم رہے۔ یقین محکم، اتحاد ملی اور تنظیم منصوری کے شاندار اسلامی اصولوں کو غلط سیاست، اندھی عقیدت اور کورانہ تقلید کی بھینٹ چڑھا دیا گیا لہٰذا اسلام دشمنوں کو یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل گیا کہ ''اقوام عالم میں مسلمانوں کی پسماندگی، پستی اور ذلت کا سبب ان کا دین ہے''

ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رہنے کا واحد طریقہ

اس کے برعکس مذہب پسند لوگ بالعموم یہ بات دہراتے ہیں کہ "مسلمانوں کے زوال اور ان کی تنزلی کا باعث لوگوں کی مذہب سے بے گانگی، بے عملی، بدکرداری، غداری اور فرقہ بندی ہے" مگر معترض کیلئے یہ جواب عذر لنگ کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم اس سوال کا تشفی کن جواب پہلے ہی اپنی تالیف "صرف ایک راستہ" میں ہدیہ قارئین کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب سے دوری دین سے بے رغبتی اور عروج سے محرومی یقیناً" گمراہی کے فطری نتائج ہیں۔ اگر امت گمراہی سے محفوظ رہتی اور ہدایت سے وابستگی رکھتی تو کبھی زوال کی زد میں نہ آتی عوام الناس کیلئے عموماً" اور مسلمانوں کیلئے خصوصاً" یہ بات غور طلب ہے کہ آخر گمراہی کیوں پیدا ہوئی؟ جبکہ خالق کائنات نے ہدایت کا بندوبست کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ اس کا دو ٹوک جواب یہ ہے کہ لوگوں نے قدرتی انتظام پس پشت ڈال کر اپنے خود ساختہ نظاموں پر تجربے کیے اور مختلف گروہوں، نئے نئے ازموں اور قیاسی مکتبوں کی تفریق کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ہادی اعظم، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس انتہائی عظیم و اہم پیغام کو نظر انداز کر دیا جس میں آپؐ نے ہر طرح کی گمراہی سے محفوظ رہنے کا طریقہ تعلیم فرمایا تھا۔

حضورؐ نے امت کو متعدد بار تاکید فرمائی کہ۔

حدیث ثقلین

"بلاشبہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ جو ایسی ہیں کہ اگر تم ان سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (یعنی ہر طرح کی گمراہی سے محفوظ رہو گے) وہ ہیں۔

اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور میری عترت میرے اہل بیت۔
نہ تو کبھی قرآن اہل بیتؑ سے جدا ہوگا اور نہ کبھی اہل بیتؑ قرآن سے جدا ہوں گے۔ حتیٰ کہ اسی طرح اکٹھے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوجائیں گے۔"
(متفق بین الفریقین)

ہادیٔ اعظم نے تمسک بالثقلین کی تاکید کیوں فرمائی؟

راقم الحروف اسی پیغام رسولؐ خدا کی روشنی میں ثابت کرچکا ہے کہ قرآن کریم اور عترت اہل بیتؑ رسولؐ کریم سے تمسک رکھنے ہی میں زوال امت کا مداوا ہے۔ دنیا اور آخرت کی فلاح تمسک بالثقلین سے ہی وابستہ ہے۔ یہ تمسک راہ نجات ہے اسی میں شفائے امراض امت ہے۔ یہی ہدایت و رحمت ہے۔ مسلم قوم کیلئے عروج و ترقی کا واحد راستہ یہی ہے۔ یہ علاج تفرقہ بازی ہے۔ المختصر مادی زندگی اور اخروی حیات کی تمام مشکلات کا حل' انسانیت کے تمام دکھوں' دردوں اور تکلیفوں کا تیر بہدف علاج نیز امت کی ترقی و خوشحالی کا یقینی راستہ صرف اور صرف تمسک بالثقلین" یعنی قرآن اور اہل بیتؑ رسول کی اطاعت و اتباع ہے۔

مکتب اہل بیتؑ کا اقتدار

اس عبوری گفتگو کا پس منظر یہ حقیقت از خود منظر عام پر لے آتا ہے۔ کہ اگر اہل بیتؑ رسول کے مکتبہ فکر کی روشنی کو غائب کردیا جائے تو زندگی اندھیر نگری ہوجائے گی مادی زندگی ہو یا روحانی حیات ہر دور کا کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آئے گا جہاں اس روشنی کی کرنیں نہ پہنچتی ہوں بلاشبہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ دین اکمل و جامع ہے۔ لیکن جب کوئی غیر مسلم اس دعویٰ کی دلیل طلب کرتا ہے تو مکتب اہل بیتؑ کے سوا کوئی اور اس کا تسلی بخش جواب دینے کی

اہلیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ عز و شرف بس اہل بیتؑ ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے تمام علوم (قدیم و جدید) کے بارے میں آج سے صدیوں پہلے ایسے اہم انکشافات کیے جنہیں آج کے مدبرین و دانشور انتہائی ترقی کے مدارج پر پہنچ جانے کے باوجود بھی معلوم نہیں کر سکے ہیں۔ اہل بیتؑ کا یہی علم ان کی عظمت و حقانیت کو ثابت کرتے ہوئے اسلام کے عالمگیری دین ہونے کی بین دلیل بن جاتا ہے۔ اور محقق عاجزانہ اقرار کرتا ہے کہ اگر تعلیم اہل بیتؑ کو اسلام سے نکال لیا جائے تو کفر اسلام سے بہتر ہے۔

وہ لوگ جو ہر وقت مذہب کی مذمت اور اہل مغرب و دہریت کی مدح سرائی میں مشغول رہتے ہیں اگر اس حیات بخش مکتب کی جانب نظر اٹھا کر دیکھ لیں تو منکرین اسلام کی ظاہری ترقی سے ہرگز مرعوب نہ ہوں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ غیر تو غیر خود اپنوں نے بھی آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور اب فرات بھی پیاسے رہتے ہیں۔ سائنسی علوم کی برق رفتار ترقی نے جہاں نوع انسانی کو آرام دہ آسائش کا قابل قدر سامان فراہم کر کے انسانیت کی بیش بہا خدمت کی ہے۔ وہاں انسان کیلئے لاتعداد مشکلات، شدید خطرات اور بے شمار تفکرات بھی پیدا کر دیئے ہیں ایک سہولت دس نئی دقتیں پیدا کر رہی ہے۔ اور اگر ان دشواریوں کا دائرہ سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ اسی تناسب سے وسعت اختیار کرتا رہا تو انسان کچھ ہی عرصے بعد ایسی ہولناک صورت سے دوچار ہو جائے گا جس کا تصور کرنے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مشاہدہ ثابت کر رہا ہے کہ ان پیدا شدہ مشکلات اور الجھنوں کا موجودہ علمی، فنی اور صنعتی ترقی کے ساتھ گہرا اور براہ راست تعلق ہے۔ چنانچہ ان مہلک پریشانیوں سے محفوظ رہنے اور ان مشکلوں سے نجات پانے کا واحد ذریعہ دامن دین میں پناہ حاصل کرنا ہے دین مادی ترقی کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتا بلکہ اس کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر خوب حوصلہ

افزائی کرتا ہے۔ البتہ بنیادی حکمت عملی کے مطابق توازن و اعتدال سے ہاتھ نہیں کھینچنے دیتا۔ دین خلقت انسانی کے مقصد سے کسی لمحہ آنکھ نہیں چراتا اور عبادت پروردگار سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ لہٰذا وہ ترقی کو نصب العین سے وابستہ پیوستہ رکھنے پر زور دیتا ہے۔

سکون

مکتب اہل بیت کی فکر کے مطابق "نظام ربوبیت" اور "اقتدار" دین ہی کے اہم شعبے ہیں۔ بلکہ کسی بھی شعبہ حیات کو دین سے جدا قرار دینا تحریف دین ہے فطرتی نظام قدرت کی روشنی میں جب حیات انسانی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی سب سے بڑی آرزو فطری سکون اور دائمی اطمینان ہے انسان کی ہر ہر حرکت اسی مرکزی نقطے کی جانب ہوتی ہے۔ محنت، مشقت، بھاگ دوڑ، جدوجہد، کوشش، سعی اور عمل پیہم سب کا منتہی "سکون" ہے۔ جس کیلئے آدمی مارا مارا پھرتا ہے۔ مگر سکون پھر بھی میسر نہیں آتا لیکن مروجہ ادیان عالم اور تمام لادینی نظریات میں صرف اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسان کی سب سے بڑی آرزو (سکون) کو پورا کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کی یہ خاصیت اسے دین فطرت ثابت کرتے ہوئے تمام مذاہب پر فوقیت بخشتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خالق فطرت نے اسلام ہی کو اپنا پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔ **"ان الدین عند اللہ الاسلام"** بیشک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

دین حنیف اور اس کی اہمیت!

اللہ جل شانہ نے دین کی تعریف یوں فرمائی ہے۔

فاقم وجھک للدین حنیفا ○ فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا ○ لاتبدیل

لخلق اللہ ذلک الدین القیم ○ ولکن اکثر الناس لایعلمون ○(سورۃ الروم آیت نمبر ۳۰)

پس تو اپنی پوری توجہ کے ساتھ اپنا رخ دین حنیف کیطرف رکھ۔ (جو) فطرت خدا ہے کہ جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ کے عمل تخلیق میں تبدل نہیں۔ یہی تو دین قیم ہے لیکن لوگوں کی اکثریت کو اس کا علم نہیں ہے۔

(۳۰/۳۰)

یعنی "دین" فطرت خدا ہے۔ جس پر انسان کو پیدا کیا گیا۔ فطرت الٰہی میں رد و بدل یا فرق محال ہے۔ یعنی اس فطرت خداوندی کا پیغام ہر انسان کیلئے یکساں ہے۔ اللہ کی فطرت میں دوئی کا کیا کام۔ توحید میں شرک کے کیا معنی؟ اسی فطرت اللہ کو "دین قیم" (سیدھا۔ درست۔ انمول دین) بتلایا گیا ہے۔ دین کی اس تعریف اور وضاحت کے ساتھ اس کی طرف مکمل طور پر متوجہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ انسانوں کی اکثریت اس "دین حنیف" اور "دین قیم" سے ناآشنا ہے۔

خود خلاق عالم، مالک یوم الدین اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ انسانوں کی اکثرت حقیقت دین سے واقف نہیں چنانچہ فرمان رب العزت کی عملی تفسیر کا نمونہ یہ ہے کہ دین کے نام نہاد علمبردار اللہ کے سیدھے سادھے دین کی تعریف میں بھی ایک دوسرے سے متفق نہیں جیسا کہ پاکستان کے ایک سابق چیف جسٹس منیر مرحوم نے ۱۹۵۲ء میں تمام مکاتب فکر کے علماء کو بلایا اور ان سے تبادلہ خیالات کے بعد اپنی رپورٹ میں تحریر کیا کہ علماء کرام "دین" کی کوئی متفقہ تعریف پیش کرنے سے قاصر رہے۔ حیرت و افسوس کا مقام ہے کہ قرآن مجید نے تو دین کی تعریف مندرجہ بالا آیت میں واضح کر دی ہے مگر قرآن پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس آیت قرآن سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ اور یہ بات تو کسی

تشریح کی محتاج نہیں کہ جب دین فطرت اللہ ہے تو اس میں تفرقہ بازی کی گنجائش خلاف عقل ہے۔

دین فطرت

دین حق کے اعتقادی ' عملی اور اخلاقی احکام کے تمام سلسلے فطرت کے ہم سفر ہیں جو خالق کے منتخب نمائندوں کے توسل سے بنی نوع انسان کی رہنمائی اور ہدایت کیلئے جاری ہیں۔ ساری کائنات میں ہر جاندار اپنی فطرت پر عمل کرکے کامیاب زندگی گزارتا ہے۔ لہذا انسان کو بھی لازم ہے کہ وہ ان فطری رجحانات کی پوری پیروی کرے جو قدرت کی طرف سے اس کے اندر ڈالے ہوئے ہیں۔

انسان سے غلطی کا ارتکاب کیوں ہوتا ہے ؟

یہاں اعتراض وارد کیا جاسکتا ہے کہ ہر جاندار اپنی فطرت پر ہی عمل کرتا ہے۔ مگر بعض امور میں صاحب اختیار ہونے کے باعث انسان سے کوتاہیوں کا صدور ہوجاتا ہے اور وہ غلطیوں کا ارتکاب کرتا ہے اور یوں وہ بھی اپنی فطرت پر ہی عمل کرتا ہے کہ خطا کا پتلا ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ فریب نفس ہے۔ انسان میں فطرت حیوانیہ بھی موجود ہے مگر حیوانی و انسانی کا مابہ الامتیاز شمع عقل ہے۔ جب تک جذبات عقل کے تابع ہیں وہ انسان ہے لیکن اگر عقل جذبات کی اطاعت کرنے لگے تو انسان حیوان سے بھی بدتر ہے۔ چنانچہ جب آدمی پر حیوانی فطرت غالب آجاتی ہے تو غلطیاں کرتا ہے مگر پوچھا جاسکتا ہے کہ جب فطرت حیوانی کے باعث غلطیاں ہوتی ہیں تو پھر اسے انسان میں ودیعت کیوں کیا گیا ؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ انسان اور حیوان میں فطرت حیوانیہ قدرے مشترک ہے انسانیت عقل و شعور سے ممتاز ہوتی ہے جو تبدریج نشوونما پاتی ہے چنانچہ اگر انسان میں فطرت حیوانیہ

سرے سے ہو ہی نہ تو اس کا معرض وجود میں آنا محال ہے یعنی جب تک انسان میں شعور انسانیت نہیں ہوتا وہ فطرت حیوانی پر رہتا ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ انسان کو انسان بنانے کیلئے فطرت حیوانی بھی ضروری ہے۔ اگر فطرت حیوانی نہ ہوتو کوئی شخص انسانیت کو نہ پہنچے یعنی عقل و شعور حاصل نہ کرسکے یعنی زندہ ہی نہ رہ سکے۔ اگر بھوک کی اذیت نہ ہوتو انسان کھانا کیوں کھائے۔ پیاس سے تکلیف کا احساس نہ ہوتو پانی کیوں پیئے۔ لہٰذا عقل و شعور حاصل ہونے سے قبل فطرت حیوانی انسان کیلئے ضروری ہے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اب حیوانی اور فطرت انسانی میں ایک واضح فرق ہے وہ یہ کہ دنیا کی پست مادی زندگی کے متعلق جو جو خواہشات ہیں ان کا تعلق فطرت حیوانی سے ہے اور جن خواہشات کا تعلق اخلاق و عادات نفس کو بہتر بنانے اور حیات انسانی کو ترقی دینے سے ہو وہ فطرت انسانی کے متعلق ہیں۔

اسلام۔ خدا کا پسندیدہ دین انسان کو اس نفسی کشمکش کا ایسا متوازن اور معتدل حل پیش کرتا ہے جس کے ذریعے سعادت دارین یقینی طور پر نصیب ہوجاتی ہے۔ اور انسانی دل پوری طرح مطمئن ہوجاتا ہے۔ وہ خود کو مادی و روحانی زندگی کے ہر لحاظ سے قوی اور آسودہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ حل اسلامی شریعت کی زبان میں "تزکیہ نفوس" ہے۔ اللہ نے تزکیہ کا وسیلہ خاتم النبین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالی صفات کو قرار دیا ہے۔ جن کا مقصد بعثت "تزکیہ نفوس" کتاب الٰہی میں خصوصی طور سے بتایا گیا ہے۔

دین اور شریعت میں فرق

اگر دین فطرت ہے تو اس میں ردوبدل کی گنجائش نہیں مگر تاریخی حالات سے ایسا ماخوذ ہوتا ہے کہ دین کی تکمیل کے دوران نسخ وتبدل کے واقعات ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیم دین محض اسماء تک محدود تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے تدوین شریعت کا آغاز ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

شرع لکم من الدین ما وصّٰی به نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراهیم و موسیٰ و عیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه (سورۃ الشوریٰ ۱۳)

اللہ نے تمہارے دین کا وہی راستہ مقرر فرمایا جس کا نوحؑ کو حکم دیا تھا۔ اور جس کی (اے رسولؐ) آپ کی جانب وحی کی اور جس کا ابراہیمؑ وموسیٰؑ وعیسیٰؑ کو حکم دیا تھا کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفریق نہ ڈالنا (۴۲/۱۳)

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ کے درمیانی وقفے میں تقریباً چالیس نبی گزرے۔ اور ان میں کوئی بھی صاحب شریعت نہ تھے۔ کیا وہ انبیاءؑ دین نہ رکھتے تھے؟ یا معاذ اللہ بے دین تھے۔ مگر یہ مفروضہ اس لیے غلط ہے کہ جو انبیاءؑ خود اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ جب نبی تھے تو لازمی طور پر دین بھی تھا اور پھر یہ کہ دین تو فطرت میں داخل ہے۔ اور انبیاءؑ تو اصل دین ہی پر مفطور ومخلوق ہوتے ہیں۔ اور دین خدا بس ایک ہے جو دین فطرت ہے۔ اور قرآن مجید کی رو سے وہ دین اسلام ہے۔ اس کی علاوہ ادیان خدا کے نزدیک غیر مقبول اور لوگوں کیلئے باعث خسارہ ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ دین اور شریعت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دین ہمیشہ سے تھا ہے اور ہوگا۔ لیکن شریعت کا آغاز عہد حضرت نوح علیہ السلام سے ہوتا ہے۔ آیہ منقولہ بالا کے الفاظ۔ "شرع لکم من الدین" اس پر دلالت کرتے ہیں کہ "شریعت" اور "دین" دو چیزیں ہیں "شریعت" تدوین قانون

ہے اور یہ "دین" میں سے قرار دی گئی ہے۔ یعنی قانون سازی فطرت کے اصولوں کی روشنی میں ہوئی ہے پس شریعت عین دین نہیں ہے بلکہ جزو دین ہے۔ البتہ اگر شرع لکم الدین کہا جاتا تو شریعت و دین مترادف سمجھے جاسکتے تھے۔ حضرت نوحؑ' ابراہیمؑ' موسیٰؑ' عیسیٰؑ' اور محمدؐ کو جو وصیت کی گئی وہ یہی ہے کہ دین کی قانون سازی فطری اصولوں کے مطابق کی جائے۔ چنانچہ نوح علیہ السلام سے قبل کے زمانے میں "دین" تو تھا مگر شریعت سادہ اور غیر مرتب تھی

"شرع" کے معنی راہ و راستے کو ہموار و سیدھا کرنا ہے۔ اور "صراط" راستے یا سڑک کو کہا جاتا ہے۔ پس شریعت دین کی صراط کو ہموار' محفوظ اور سیدھا رکھنے کی تراکیب و تدابیر کے اصول و قوانین کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے شریعت قابل نسخ ہے۔ مگر دین ناقابل تغیر و تبدل و نسخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر صاحب شریعت کی شریعت تو الگ ہوئی ہے مگر دین ایک ہی رہا ہے۔ شریعت حالات کے تحت تبدیل ہوتی رہی مگر دین کے اصول ایک ہی رہے۔

حسب اختلاف مادہ و زمان و مکان لوگوں کی حالتیں اور صورتیں مختلف ہوتی ہیں لہٰذا اسی مناسبت سے ضرورت کے پیش نظر احکامات میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ ایسی تبدیلی نسخ کہلاتی ہے جو احکام میں واقع ہوتا ہے اصل موضوعات میں ہرگز نہیں۔ علی ھذا قانون شریعتی حضرت نوحؑ سے شروع ہوا اور جب حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا تو ختم ہو گیا۔ لہٰذا حضورؐ کے واسطے حکم ہوا "**ثم جعلناک علی شریعتہ من الامر فاتبعھا**" یعنی ہم نے تمہارے لیے احکام کا ایک واضح راستہ (شریعت) مقرر کر دیا۔ پس اسی کی پیروی کرو (الجاثیہ ۱۸) پس حضورؐ کی شریعت تامہ و کاملہ ہے اور مقام ختم پر فائز ہوتی ہے تبھی تو اس کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی اب شریعت میں تغیر و تبدل نہ ہوگا۔ کوئی دوسری شریعت نہیں آئے گی۔

نکتہ

منقولہ بالا آیہ شرع لکم من الدین . . . الخ میں قابل غور بات یہ ہے کہ " لکم " کی ضمیر سے مخاطب کون ہے ؟ یہ کسے کہا جارہا ہے کہ "اللہ نے تمہارے دین کا راستہ ہموار و استوار کرکے سیدھا کر دیا ہے۔ رسولؐ کریم بظاہر اس میں داخل نہیں کیونکہ آپؐ سے علیحدہ فرمایا جارہا ہے کہ **"وما اوحینا الیک"** اگر کہا جائے کہ مخاطب ہم امت ہیں تو بات خطرناک شکل اختیار کر جاتی ہے کیونکہ مومنین دین کے پیرو کار اور شریعت کے متبع ہوتے ہیں صاحبان دین و شریعت نہیں ہوتے۔

وارث دین

قرآن مجید اس سلسلے میں رہنمائی کرتا ہے کہ ابو الانبیاءؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد سے فرماتے ہیں کہ **ان اللہ اصطفےٰ لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون** (سورۃ البقرہ ۱۳۲)

یعنی اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے دین کو چن لیا ہے پس تم نہ مرنا مگر مسلمان

پس معلوم ہوا کہ دین ذریت ابراہیمؑ کے واسطے ہے وہ صاحبان دین ہیں چنانچہ صاحبان دین انبیاءؑ ہوئے نہ کہ عوام۔ لہٰذا سورۂ شوریٰ کی محولہ بالا آیت کے مخاطب عام امتی نہیں ہوسکتے۔ بلکہ وہ لوگ جن کیلئے تمام شرائع سابقہ و لاحقہ جمع کی گئی ہیں جن میں شریعت خاتم النبینؐ بھی شامل ہے۔ مخصوص ہیں۔

قرآن دربارۂ ابراہیم فرماتا ہے کہ **"وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب"** العنکبوت ۲۷)

ہم نے اولاد ابراہیم میں نبوت و کتاب کو قرار دیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا کہ ''اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم قرار دے اور ہماری اولاد میں سے ایک گروہ کو اپنا مسلم بنالے'' (سورۂ بقرہ ۱۲۸)

یہ دعا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ذریت اسماعیل کیلئے مخصوص تھی۔ پس یہ ملت ابراہیمؑ ہے کہ انہوں نے اس سلسلۂ دین کو اپنی اولاد میں قرار دیا۔ ابراہیمؑ دعا گو ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں اپنے مناسک کا نظارہ کرادے۔ اور ہماری جانب متوجہ رہ (نظر رحمت رکھ) بے شک تو تواب بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔

اے ہمارے رب! ہماری اولاد ہی میں سے ایک رسول کو مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو زبردست حکمت والا ہے۔ (البقرہ ۱۲۹)

پھر اللہ کا ارشاد ہے کہ ''اور کون ملت ابراہیمؑ سے منحرف ہوسکتا ہے یا اعراض کرسکتا ہے سوائے اس کے جس نے اپنے نفس کو احمق بنالیا۔ (خودفریبی کا شکار ہوگیا) بے شک ہم نے ابراہیمؑ کو دنیا میں مصطفیٰ کرلیا اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہیں'' (البقرۃ ۱۳۰)

چنانچہ اسی ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم سیدالمرسلین خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا کہ۔

و اتبع ملة ابراهيم حنيفا (النساء ۱۲۵) چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مانند یہ سلسلہ اپنی عترت طاہرہ میں منتقل فرمایا جو نسبی شجرے کے اعتبار سے ذریت ابراہیمؑ اور اولاد اسماعیل سے ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے بھی کتاب اللہ کو اپنی ذریت میں قرار دیا۔ اپنے اہل بیتؑ تالی کتاب، ثانی ثقلین فرمایا اپنی امت کو ثقلین کی سپردگی میں دیا تاکہ امت ہر طرح کی گمراہی سے محفوظ رہے۔ پس ''شرع لکم من الذین'' کے مخاطب اہل

بیتؑ رسولؐ ہوئے جن کو دین حنیف کا امانتدار اور وارث مقرر کیا گیا۔ جبکہ ہم اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ۔

"فاتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا" (آل عمران۔ ۹۵) کہ ملت ابراہیمی کا اتباع کرو اور تہدیداً" فرمایا گیا کہ جو ملت ابراہیمؑ سے منحرف ہوگا وہ سفیہ قرار پائے گا۔

پس تلخیص کلام یہ ہوئی کہ زندگی فطرت کے ماتحت ہے۔ فطرت دین ہے۔ دین کی وارث عترت ہے' اس سے اعراض سفاہت و حماقت ہے۔ چونکہ زندگی کی کوئی شے دائرہ فطرت سے خارج نہیں اس لیے مکتب اہل بیتؑ کا اثر ذرے ذرے پر ظہور پذیر ہے۔

اسلام گمراہی سے بچنے کی ضمانت دیتا ہے

دین انسان کو زندگی کے ہر طوفان سے صحیح و سالم بچالینے کا ضامن ہے۔ اپنے پیروکار کو کائنات کے کارخانے سے اس طرح ہم آہنگ کر دیتا ہے کہ دنیا کی عام اور ارتقائی حرکت کے ساتھ اس کا کوئی تضاد' تناقص یا تصادم پیدا ہی نہیں ہونے دیتا۔ شرع دین کی روش کے باعث آدمی انسانی ہستی کی عظمت' مدنی ذمہ داریوں کی شرافت اور سماجی حرمت کے جملہ تقاضوں سے نہ صرف آشنا ہوتا ہے بلکہ اجتماعی خوشگوار زندگی کی سربلندی کیلئے ایثار کے مقدس جذبوں سے واقفیت حاصل کرلیتا ہے۔

ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا دین اسلام ہے۔ وہ اسلام جو انسان کی تمام حرکات و سکنات اور طریق و اطوار پر گہری نظر رکھتا ہے۔ اس دین فطرت نے وقت اور جگہ کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑے موزوں احکام اور عالی شان ضابطہ حیات وضع کیا ہے۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات میں کسی موضوع پر احکامات کو نظرانداز نہیں کیا گیا اس جامعیت ہی کی بدولت اسلام ہر دور میں گوناگوں انفرادی' اجتماعی' اقتصادی'

عدالتی، سیاسی، ذہنی، نفسیاتی، فکری اور فلسفیاتی مشکلات اور مسائل کا قابل قبول حل مہیا کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس دین مبین میں تمام اصلاحی مسالک اور نظام ہائے عمل کی جملہ خوبیاں جمع ہیں۔

لارڈ ہیڈلے کے تاثرات

اسلام کے بارے میں لارڈ ہیڈلے (Lord Hadley) جیسے مفکر کے تاثرات یہ ہیں کہ۔

"میرا پکا ایمان ہے کہ اگر یورپ کے تمام جید مفکر اور حکماء ایک ایسا مذہب تلاش کرنے کی سعی کیلئے اکٹھے ہوجائیں جس کی اساس آفاقی منطق کے اصولوں اور عام احساسات پر رکھی گئی ہو تو وہ یقینا" متفقہ طور پر "دین اسلام" اختیار کریں گے۔ کیونکہ اس دین کی عظمت اور اس کے احکام کی سادگی میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ دین جو ایک بہت عظیم نعمت ہے سر تاپا منطق اور دلیل پر مبنی ہے اور روح و بدن کے آرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے روحانی ترقی کی جانب خصوصی توجہ دیتا ہے"

(اسلام نوشتہ جنرل دمیرہان)

نظام کائنات عدل پر قائم ہے

اسلام میں عدل کی اہمیت

انسان فطرۃ اچھائی پسند ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اچھا بن کر رہے لہٰذا اسلام انسان کو اچھے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ بھی ایک فطری رجحان ہے کہ ہر چیز اپنے موقع، محل اور مقام پر رہے کسی شے کو اس کے اصلی و مناسب مقام سے ہٹاکر نقلی و غیر مناسب جگہ پر منتقل کرنا ظلم ہے۔ لہٰذا اسلام عدالت کو اپنے اصول زریں میں جگہ دیتا ہے۔

اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے

اللہ کی جانب سے اکمال دین اور اتمام نعمت کا اعلان کیا جاچکا ہے۔ خدا دین اسلام پر راضی ہے لہٰذا اس کفایت کے بعد دین و شریعت میں کسی مزید تغیر یا تبدل کی قطعاً" ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ اب اسے تکامل کی احتیاج ہے نہ اتمام کی ' بلکہ وہ ہر لحاظ سے مکمل' جامع' ہمہ گیر اور عالمگیر دین و مذہب ہے۔ اس میں کائنات کے تمام مادی و روحانی مسائل کو حل کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے اور ضرورت کی مناسبت کے ساتھ زمان و مکان کے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی فلاح و بہبود میں حائل ہر رکاوٹ کو دور کرنے کی مکمل اہلیت اور بھرپور قوت رکھتا ہے۔ مستقبل کے ہر جدید مسئلہ کا حل اجتہاد کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے یعنی قرآن و سنت اور ان دونوں کی تشریحات کے سلسلے میں اقوال آئمہ اہل بیت کی روشنی میں ہر نیا آنے والا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اس لیے مکتب اہل بیتؑ کا یہ دروازہ اجتہاد کھلا رہتا ہے۔

خطرۂ عظیم

لیکن کربناک المیہ یہ ہے کہ اس نام نہاد ترقی یافتہ دور میں نوخیز نسل سے اسلام کو ایک عظیم خطرہ درپیش ہے عہد جاری کو دور علوم و فنون سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارا ایسا کہنا ہی بے علمی کی دلیل ہے۔ اہل عرفان کے نزدیک علم کے تین حصے ہوتے ہیں۔ تحصیل علم کی مدت میں جب طالب علم اس کے حصہ اول میں وارد ہوتا ہے تو متکبر ہوجاتا ہے (جیسا کہ آجکل ہے) مگر جب دوسرے حصے تک رسائی پاتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ وہ تو کچھ بھی نہیں جانتا جتنا اسے معلوم ہوا ہے وہ اس کے مقابلے میں بہت ہی قلیل ہے جو اسے معلوم نہیں۔ چنانچہ اس مقام پر وہ تواضع اور فروتنی اختیار کرتا ہے اسی طرح جب وہ ترقی کرکے علم کے تیسرے حصے تک پہنچتا ہے تو خوب جان لیتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا اور یہاں پر برملا اعتراف کرتا ہے کہ "مجھے علم ہوگیا ہے کہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا"

خالی برتنوں کی آواز زیادہ آتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جوں جوں علمی و فنی ارتقا میں سبکی کا رجحان اور میلان بڑھتا جا رہا ہے لاتعداد نئی نئی پیچیدگیاں سامنے آرہی ہیں۔ بال کی کھال اتارنے کے باوجود بال برابر سمجھ نہیں آتی۔ زمانے کی اس بین الاقوامی مادی دوڑ میں لادینی قوتوں کو پاؤں پھیلانے کے اچھے خاصے مواقع حاصل ہوئے جاتے ہیں۔ آج کی نسل مذہب سے منحرف نہیں تو لاتعلق ضرور ہوتی جارہی ہے۔ اس کا سبب دراصل رسولؐ الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری وصیت، خصوصی تلقین اور تاکیدی نصیحت "تمسک بالثقلین" سے انحراف ہے۔ جس کے نتیجے میں جدید و قدیم ایسی بے سروپا باتیں نادان دوستوں یا دانا دشمنوں کی مہربانیوں سے اسلام کے ساتھ منسوب ہوگئیں جن کو بالغ نظری، پختہ شعور اور عقل سلیم قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔

عقائد باطلہ

خاص طور پر متقدمین کی سادہ لوح طبع آزمائیاں جو عقائد کا روپ دھار گئی ہیں آج کل کے خلائی دور میں عقلاً" باطل ثابت ہو رہی ہیں۔ دراصل اس کے پس منظر میں مذموم سیاسی سازشیں کار فرما رہی ہیں۔ جن کی تفصیل کیلئے جداگانہ کتاب کی ضرورت ہے۔ مختصراً" اور تمثیلاً" عرض یہ ہے کہ عہد بنی عباس میں یونان کے فلسفہ قدیم کا شہرہ تھا حالانکہ اسی زمانے میں وہ فلسفہ باطل ثابت ہوچکا تھا۔ مگر عباسی حکمرانوں نے قسطنطنیہ سے اس فلسفے کی کتابیں منگوا کر عربی میں ترجمے کرائے۔ پھر ان کی درس و تدریس کا انتظام پوری مملکت اسلامیہ میں کیا گیا۔ یہ غلط اور باطل فلسفیانہ عقائد طلاب کے ذہنوں میں بیٹھ گئے اور یہی طلباء مستقبل کے علمائے دین بن بیٹھے۔

فتوحات و معرکہ آرائیوں میں مصروفیت کے باعث عرب پر آفتاب علم کا طلوع نہ ہوا بلکہ جہالت کی تاریکی چھائی رہی ان کی اکثریت علمائے یہود سے اکثر مسائل کا حل دریافت کرنے کیلئے رجوع کرتی تھی۔ قرآن مجید میں متعدد اصطلاحات اشیائے غیب سے متعلق تھیں۔ پہلی دو صدیاں تو ملکی فتوحات میں مشغول گزریں اور تیسری صدی میں قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے نادان لوگ متوجہ ہوئے۔ عقائد اسلامی کا استخراج ہونے لگا مگر ان لوگوں کے سامنے یونان کے فرسودہ اور مردودہ فلسفہ قدیم کے سوا کچھ نہ تھا۔ لہٰذا ان نیم ملا قسم کے خود ساختہ علماء کی یہی کوشش رہی کہ قرآن و حدیث میں جو جدید اصطلاحیں یا کلمات اشیائے غیر مرئی کیلئے استعمال ہوئے ہیں ان کے مفاہیم و مطالب کو اسی فلسفہ قدیم کے مطابق ڈھال لیں۔ بعض نے تھوڑا محتاط رویہ اختیار کرتے ہوئے حکم لگا دیا کہ قرآن و حدیث میں جو کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔ ان کے لغت سے لفظی معنی ہی مراد لیے جائیں ان کے نزدیک تاویل کرنا اور کوئی نیا مفہوم پیدا کرنا کفر تھا۔ مثلاً"

الرحمٰن علی العرش استویٰ۔ ترجمہ رحمان عرش پر چڑھ گیا۔ (طٰہٰ۔ ۵)

اب عرش سے مراد ساتواں آسمان لی گئی۔ اور چڑھ گیا سے آٹھواں آسمان اس کا تخت مطلب لیا گیا۔ جس پر اللہ جاکر بیٹھ گیا اپنی مخلوق سے بہت دور جبکہ حقیقت میں وہ شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ پھر مکارانہ دھونس' کہ جو اس مفروضے کو نہ مانے واجب القتل ٹھہرے۔ اس طرح آٹھویں آسمان کے اوپر پانچ سو سال کی مسافت پر نواں آسمان ہے جو فلک الافلاک ہے۔ اور اسی میں یہ تمام چمکتے ستارے جو نظر آتے ہیں جڑے ہوئے ہیں یہ نواں فلک مع جڑے ہوئے ستاروں اور اپنے اندر کے سات آسمانوں اور سات سیاروں سمیت زمین کے گرد دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک چکر لگاتا ہے۔ اس طرح زمین مرکز کائنات ہے۔ اس سے پانچ سو سال کی راہ پر پہلا آسمان فلک قمر ہے۔ اس سے پانچ سو برس کی راہ پر دوسرا آسمان فلک عطارد ہے اسی طرح اسی مسافت پر تیسرا آسمان فلک زہرا ہے چوتھا شمس' پانچواں مریخ' چھٹا مشتری اور ساتواں زحل ہے۔ آسمانوں کے متعلق یہ عقیدہ قائم کیا گیا کہ وہ شیشے کیطرح شفاف سخت اور صلب ہیں یعنی پھٹ کر پھر جڑ نہیں سکتے۔ ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں فرشتوں کی آمدورفت کیسے جاری رہ سکتی ہے۔ چنانچہ ان کی گذرگاہ بنانے کیلئے دروازوں اور پھاٹکوں کا تصور پیدا کرلیا گیا ہے۔ لوح محفوظ کیلئے قیاس آرائی ہوئی کہ وہ بہت بڑی تختی ہے جس کا طول مشرق سے مغرب تک ہے اس پر اللہ تعالٰی نے قیامت تک کے ہونے والے حالات اور واقعات درج کرا دیے ہیں۔ یہ تختی عرش پر رکھی ہوئی ہے۔ جب اللہ تعالٰی کو وحی کرنا منظور ہوتا ہے تو حضرت میکائیل کو حکم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ دیکھے وہ لوح کے پاس جاتے ہیں۔ پردوں کو ہٹاتے ہیں اور اس کی پیشانی پر لٹکی ہوئی ایک تختی پر مقصودہ وحی خود بخود لکھی جاتی ہے چنانچہ وہ جبرئیلؑ کو دکھاتے ہیں۔ جبرائیل اس کا مطالعہ فرماکر زمین پر نازل ہوتے ہیں اور

جہاں اس پیغام کو ارسال کرنا ہوتا ہے پہنچا دیتے ہیں

لوح محو و اثبات کے متعلق قیاسی شرح یہ کی گئی ہے کہ وہ ایک تختی ہے' عرش پر اللہ تعالیٰ اس پر آئندہ کیلئے کچھ لکھوا دیتا ہے پھر اسے مٹوا کر کچھ اور تحریر کروا دیتا ہے۔ اس طرح جنت' دوزخ' برزخ' اعراف' صراط' شجر طوبیٰ' حوض کوثر اور نہر تسنیم و غیرہم کے بارے میں مختلف قسم کی غیر عقلی تفصیلات پر قیاسی عقائد قائم کر لیے گئے ہیں۔ جن کی حیثیت خرافات کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ قیاس کو ایسے خود ساختہ علماء خود بھی شیطانی وحی قرار دیتے ہیں۔ اب چونکہ یہ ساری بحثیں عربی زبان میں تھیں۔ لہٰذا نادان جاہل طالب علموں کے سوا دیگر صاحبان فہم و فکر تک نہیں پہنچتی تھیں چنانچہ صدیوں سے نقل در نقل کا سلسلہ چلتا رہا۔

سائنس اسلام سے ہم آہنگ ہے

اب جب سائنس کا زمانہ آیا اور خلائی دور کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے سخت اور صلب آسمان کا عقیدہ غلط ثابت ہوا جس نے آسمانوں' عرش اور کرسی وغیرہ کے تمام متعلقہ اوہام کا ابطال واضح کر دیا جب عرش نہ رہا آسمان پھٹ گئے تو لا محالہ وجود خدا بھی مشکوک قرار پا گیا۔ اب جنت جو ساتویں آسمان کے نیچے تھی غائب ہو گئی ۔ جب عرش ہی نہ رہا تو اس کے اوپر جو کچھ بھی فرض کیا گیا تھا تمام کا تمام یکسر باطل ثابت ہو گیا۔ اندھیر یہ پڑا کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس امر سے واقف ہو گئے کہ اوپر اور نیچے کوئی سمت ہی نہیں ہے بلکہ اجرام فلکی خلا میں بکھرے ہوئے ہیں اور خلاء کی وسعت عقل انسانی سے بعید ہے۔ لہٰذا وہ تمام عقیدے جن کے بارے میں نبرد آزمائیاں ہوتی رہیں اور اوپر نیچے ہونے پر مباحث چلتے رہے سب کے سب زیروزبر ہو گئے یعنی جنت ' دوزخ ' اعراف' صراط' میزان' برزخ' کوثر ' فرشتوں کا اوپر تلے آنا جانا ' وحی' الہام اور القاء کے متعلق جتنے عقائد احمقوں نے اپنے قیاس سے قائم کئے تھے سب کا باطل ہونا اس طرح ظاہر ہو گیا جیسے روز روشن میں سورج۔ اب کوئی بھی پڑھا لکھا شخص اس جھوٹ کے پلندے میں بند لا تعداد عقائد باطلہ کی طرف نگاہ اٹھانا پسند نہیں کرتا۔ ایسے سرمائے سے مالا مال روایتی اسلام آج کے باشعور زمانے میں لب گور دم توڑنے لگا ہے۔

ان غیر مرئی چیزوں کے باطل تصورات کے علاوہ ایک قابل مذمت سیاسی مفاد کے حصول کی خاطر عقائد عدالت ' نبوت و رسالت و امامت اور قیامت پر بھی دست درازیاں ہوئیں جہاں اللہ کو شریر اور جہنمی بنا دیا گیا وہاں اللہ کے رسول کی تصویر ایسے رنگوں میں پیش کی کہ وہ رنگیلا رسول نظر آنے لگا۔ پہلی وحی کے نزول پر آپ کے آپریشن کا مضحکہ خیز افسانہ تراشا گیا نیز رحمت للعالمین ہستی کو ایسے زحمت خیز آدمی کے روپ میں پیش کیا گیا کہ عقل عش عش کر اٹھی۔ ان اخلاق

سوز قصوں کو دہرانے پر بھی ضمیر ملامت کرنے لگتا ہے کیونکہ ان کو دیکھ کر ایک شخص فاسق بھی خود کو پیغمبر سے اچھا انسان سمجھنے لگتا ہے۔ امامت کے معیار کو دیکھ کر تو شرافت پانی پانی ہو جاتی ہے اور قیامت کے نظریوں سے عقل اپنی نظر سے محروم ہو جاتی ہے جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ دین سے منہ پھیر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دین فطرت اسلام کا ایسے رکیک امور سے رتی بھر بھی واسطہ نہیں اور اس کا ہر شعار عقل و دانش سے تطبیق رکھتا ہے۔ ہم اپنی کتاب "صرف ایک راستہ" میں علوم جدیدہ کے تناظر میں اس دعویٰ کو پایہ ثبوت تک پہنچا چکے ہیں کہ موجودہ سائنس اسلام سے ہم آہنگ ہے۔

ملی فریضہ

قدرتی طور پر حقیقی دین اسلام پر بھی اس جسارت کا اثر ضرور پڑ رہا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ متوقع تباہی سے دفاع و بچاؤ کی تدبیر کرنے میں غفلت نہ برتی جائے۔ ارباب اسلام کا خصوصاً" اور عامتہ المسلمین کا عموماً" یہ ملی فریضہ ہے کہ اس آفت کا سد باب کرنے میں ہر عملی جدوجہد میں فعال سرگرمی کا موثر مظاہرہ کرے۔ اس مشن میں مطلوبہ جدوجہد کا اولین قدم یہ ہے کہ تمام اہل دانش ملکر علمائے سلف کے وضع کردہ ایسے عقائد کا بغور جائزہ لیں اور تمام خلاف عقل و فطرت احمقانہ عقائد اور ان کے وضاعین کا مقاطعہ کیا جائے اور اسلام سے ان کی لاتعلقی کا اعلان عام کیا جائے یہ اعلان دنیا کی ہر بولی میں تمام اسلامی و غیر اسلامی ممالک میں باشندوں کی قومی زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے نشر کر دیا جائے نیز عوام الناس کو ان تمام اسلامی اصطلاحات کے حقیقی معنوں سے روشناس کرایا جائے تاکہ اظہار دین کا تقاضا پورا ہو سکے۔

طلب احتیاط

جب حق و باطل آپس میں گڈ مڈ ہو جائیں تو گمراہی کے امکانات میں اضافہ ہونا امرناگزیر ہوتا ہے اور متلاشی حق کے لئے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں یہ صورت سخت احتیاط کی طلب گار ہوتی ہے لہٰذا ہمیں چاہئے کہ جو فکر اور اعتقادی نظریات رکھتے ہیں ان میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہ ہونے دیں۔ جب کبھی ایسی حالت جنم لے تو فوراً" اس ظن یا وسوسے کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں۔ مگر یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہمیں یقین ہو کہ ہماری "آئیڈیالوجی" عملی و عقلی استدلال پر مبنی ہے خبردار! دشمن زیرک و چالاک ہوتا ہے وہ ایسی چابکدستی سے مذہب پر اعتراض وارد کرتا ہے کہ ہر عام دیندار اس کے سامنے لاجواب اور مرعوب ہو جاتا ہے بالکل ویسے ہی جیسے ہم ایک پیاسے انسان کو جو پانی مانگ رہا ہو ایک ٹھنڈے شربت کا گلاس پیش کریں اور اچانک اس میں کوئی مکھی گر جائے۔ ایسے میں پیاس کے باوجود وہ پیاسا شخص شربت کے اس گلاس کو پینا پسند نہیں کرے گا بلکہ اس کو بہا دے گا۔ چنانچہ بالکل اس طرح جس طرح پیاسا شخص مکھی گر جانے کی وجہ سے جام شربت نوش کرنے پر آمادہ نہیں ہے اس بات کا قوی امکان ہے کہ چند بے اصل باتوں کی موجودگی کے باعث کوئی دیندار اصلی دین ہی کو نظر انداز کردے۔ چنانچہ ہمیں اس پہلو کو خاص طور پر مد نظر رکھنا چاہئے اور جس وقت بھی کوئی ایسا اعتراض سامنے آئے تو کسی اسلام شناس سے رجوع کر کے وضاحت پوچھ لینا چاہئے۔ لیکن اسلام شناس کی تلاش کرتے ہوئے ہمیں احتیاط و اطمینان کرلینا چاہئے کہ وہ شخص صحیح العقیدہ، پرہیز گار، باخبر، باعمل، عالم اور فاضل ہو۔

دین کی جانب میلان میں رکاوٹ

سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس تیز رو زمانے میں مادی ترقی کا برملا اعتراف

کرتے ہوئے اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ انسان مادیت سے مایوس ہو کر روحانیت کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور نظر آنے لگا ہے لیکن ثقافتی انقلابوں نے انسانی مزاج پر منطقی اثرات کے گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔ وہ اپنی بوکھلاہٹ انگیز مصروفیات کے زیر اثر اتنا بے پرواہ اور تعجیل پسند ہو چکا ہے کہ اب اسے فلسفہ و منطق کی ثقیل بحثوں' غیر مانوس علمی اصطلاحوں اور دقیق کلیات سے اکتاہٹ ہونے لگتی ہے۔ اس کی نزاکت پسند طبع ادق گفتگو کو بار گراں سمجھتی ہے حتی کہ لچھے دار عبارت آرائیاں' ادبی قلم آزمائیاں اور دیومالائی انشاء پردازیاں بھی بوجھ فاضل ہونے لگی ہیں الفاظ کا جادو ٹوٹنے لگا ہے مینوئل (MANUAL) کی جگہ کمپوٹر (COMPUTER) لینے لگا ہے لہذا تکنیک و میکنزم کے تسلط کے اس دور میں آج کا نوجوان دو اور دو چار کے کلیے کے مطابق ہر بات کا دو ٹوک جواب طلب کرنے کی جرات رکھنے لگا ہے وہ پوچھتا ہے کہ۔

آخر مذہب کے بغیر انسان کی مادی فلاح کیوں ممکن نہیں؟ اس سوال کے تناظر میں وہ مذاہب کی تاریخ پر سطحی نظر دوڑاتا ہے تو اپنے مطالعہ کی روشنی میں یہ نتیجہ حاصل کرتا ہے کہ جن قوموں نے مذہب سے جدائی یا لاتعلقی اختیار کی یا اگر ضرورت دین کو تسلیم بھی کیا تو محض اخروی دنیا کی ضرورت سمجھ کر تو انہوں نے مذہب سے علیحدہ رہ کر مادی ترقی میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی۔

مذہبی دنیا کو چیلنج

بظاہر یہ بات سچ نظر آتی ہے کہ جن قوموں نے مذہب سے بے زاری اختیار کی انہوں نے مادی میدان میں خوب ترقی کی یہ صورت حال دنیائے مذہب کے لئے عموماً" ایک بہت بڑا چیلنج بن گئی ہے۔ خصوصاً" اسلام کے لئے یہ آزمائش کا کٹھن مرحلہ ہے جب کہ دعویٰ اسلام یہ ہے کہ وہ "دین و دنیا دونوں کی فلاح و

بہبود کا ضامن ہے" مخالفین مذہب کے نزدیک یہ بات صرف زبانی یا قلمی دعوے ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں بعثت پیغمبرؐ سے لے کر آج تک ایسا کوئی دور نہیں گذرا ہے جو اس دعویٰ کا واقعی ثبوت بن سکے کہ اہل اسلام دنیا میں تمکین، خوشحالی، سائنسی اور فنی ترقی یا ثقافتی و سیاسی بالادستی کے حامل رہے ہوں۔ جب کہ غیر مسلم اقوام ان میدانوں میں بہر طور آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ عذر کہ اہل اسلام بد اعمالی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں اس بات سے مردود قرار پا جاتا ہے کہ غیر مسلم اقوام اعمال کے لحاظ سے مسلمانوں سے ہرگز کم برے نہیں ہیں۔ بلکہ اخلاقی جرائم، بے حیائی، ظلم، استحصال اور فریب کاری میں وہ حد سے بہت آگے نکل چکے ہیں پھر بھی یہ اخلاقی بے راہ روی ان کی راہ ترقی کو مسدود نہیں کر سکی۔

مادہ پرست کے جارحانہ شکوے

مزید یہ کہ ایک سادہ ذہن کے لئے یہ امر اور بھی تشویشناک اور قابل تفتیش ہے کہ مذہب کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ہر نیکوکار اس دنیا میں مصیبتوں میں گرفتار نظر آتا ہے بلکہ تمام انبیاء اوصیاء' آئمہ اور خاصان خدا کی زندگیوں کے حالات سے یہی تاثر ملتا ہے کہ وہ مخلص لوگ اپنی پاکدامنی اور راستبازی میں بے نظیر ہونے کے باوجود (بظاہر) ویسا "اجر مادی" اس دنیا میں حاصل نہ کر سکے جیسا کہ مذہبی تعلیمات میں بیان کیا جاتا ہے۔

منکر دین مادہ پرست یہ بھی دیکھتا ہے کہ روز مرہ کی معمولی زندگی میں جب ہم کسی بگڑی ہوئی چیز کی درستگی اس طریقے سے کرتے ہیں جو اس کے لئے مقرر ہے تو اس شے کا نقص دور ہو جاتا ہے اور حسب معمول کار آمد بن جاتی ہے۔ مثلاً" بیماریوں کا علاج مجوزہ دواؤں سے کیا جائے۔ تو شفاء ہو جاتی ہے اس طرح اگر زہر کھا لیا جائے تو وہ اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے الغرض مادی بگڑی بنانے یا بنائی بگاڑنے کے جو بھی قواعد متعین ہیں انہیں بروئے کار لانے سے حسب خواہ نتائج بر آمد ہو جاتے ہیں لیکن مذہبی تعلیمات جو فطرت کی ہم نوا ہونے کا دعوٰی بھی رکھتی ہیں جو روحانی طریقے مشکلات کو رفع کرنے کے لئے مہیا کرتی ہیں عموماً" بے اثر ٹھہرتے ہیں۔

بے باک نسل زبان درازی کرتی ہے کہ ایسی مایوس کن کیفیت میں جب کہ مذہب کی بتائی ہوئی ہر تدبیر الٹی ہوتی نظر آئے' اس کی تجویز کردہ ہر دوائی استعمال کرنے سے مرض بڑھتا جائے نیز اللہ کے برگزیدہ ' معصوم' اطاعت گزار اور پارسابندوں کا اس دنیا میں حسرت ناک حال ہو تو لا محالہ مذہب پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اس بے اعتمادی کی فضا میں عقیدت تو شاید برقرار رہے حقیقی ایمان قائم نہیں رہتا۔ خصوصاً" دین پسند شخص کے سینے پر اس وقت تو ضرور سانپ لوٹ جاتا ہے

جب وہ دین دشمن لوگوں کو تسخیر کائنات کے راہوار کی لگام تھامے زمین و آسمان کے قلابے سچ مچ ملاتے دیکھتا ہے پھر جب مذہبی تعلیم کے مطابق دعا کرتے کرتے اس کا گلا خشک ہو جاتا ہے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں پیشانی گھس جاتی ہے آنکھیں موند آتی ہیں' چہرہ زرد پڑ جاتا ہے لیکن کچھ حاصل وصول نہیں ہوتا۔ تسبیح کام آتی ہے نہ مصلی۔ مجبوراً" یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دیتا ہے کہ مایوسی گناہ ہے اور اسی امید کے سہارے سسک سسک کر دم توڑ دیتا ہے احساس محرومی کا شکار بے یارومددگار ایسے مایوس کن حالات میں سادہ لوحی میں اپنی دین پرستی کی ڈھارس یوں باندھتا ہے کہ "لاتقنطوا من رحمتہ اللہ" اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعا ابوجہل کو مسلمان نہ بنا سکی۔ حضورؐ کے داماد علی مرتضیٰؑ کے بارے میں آپؐ کی جانشینی والی خواہش شرمندہ تعبیر نہ ہوئی۔ سیدہ طاہرہؑ کی بد دعا حکومت کا کچھ نہ بگاڑ سکی امیرالمومنینؑ علی کے دور میں رونما ہونے والے ناخوشگوار واقعات پر امام کی تمناؤں کا خون بہ گیا۔ امام حسنؑ کو مجبوراً" صلح کے کڑوے گھونٹ سم قاتل کی مانند پینا پڑے۔ امام حسینؑ کی آرزوئیں خاک کربلا میں مل گئیں۔ معاویہ اور یزید براجمان ہوئے بنی امیہ اور بنی عباس نے صدیوں تخت حکومت پر من مانی کی الغرض اس دھرتی پر مذہب کے ہر باغی و ظالم کے وارے نیارے ہوئے۔ ایمانی جنون' مذہبی عصبیت' اندھی عقیدت مندی' عبادات اور پوجا پاٹ اکثر دنیا میں کام نہ آئی۔ الغرض ضمیر اندر سے کہہ رہا ہے کہ یہ جذباتی اعتراضات محتاج جواب ہیں۔

عدم یزداں سے اتنے بے تکلف
بڑا دربار ہے آہستہ بولو

چراغ دین کے مدھم ہونے کا اندیشہ

گرامی قدر قارئین! نقل کفر کفر نباشد۔ مندرجہ بالا اور اسی طرح کے دیگر اعتراضات ہیں جو آج کا پڑھا لکھا نام نہاد مہذب طبقہ بڑی شدو مد سے مذہبی دنیا پر کر رہا ہے اس جارحیت کا زیادہ دباؤ اسلام پر ہے مگر شاید ان اشکال کا کوئی تشفی کن جواب نہیں دیا جاتا ہے ارباب مذہب اگر اس پر طبع آزمائی کرتے بھی ہیں تو دقیق اسالیب میں فلسفیانہ و منطقی الجھنوں میں الجھا کر اپنا علمی رعب جمانے لگتے ہیں۔ جس سے معترض نہ صرف اکتاہٹ اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں بلکہ مذہب سے عدم رغبتی کی خلیج میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ میرے جیسے طالب علم چھوٹے منہ سے بڑی بات کہنے کے اہلیت نہیں رکھتے علماء فضلاء خطبا اور مبلغین عدم فرصت کے عذر کا سہارا لے کر اس طرف توجہ نہیں دیتے حالانکہ اس تاریک گوشے پر روشنی نہ ڈالنے سے چراغ دین کے مدھم ہو جانے کا اندیشہ موجود ہے ۔

یہ محروم و شکست خوردہ مذہب دشمن طبقہ کہ جس کے نزدیک جنوں مذہب میں گرفتاری عملاً" دنیا کی خوشیوں اور مادی لطف اندوزی سے محروم رہنے کا سبب بنتی ہے چرب زبانی کرتا ہے کہ حیات بعد از ممات کی تخیلاتی و اعتقادی دلکشی اور رعنائی جس کا تعلق آنے والی ایک ایسی دنیا سے ہے جس کا وجود بھی مسلم نہیں ہے احمقانہ امید ہے یہ گروہ آخرت کے تصور کو عقل مندوں کی دنیا کو چھوڑ کر بے وقوفوں کی جنت کے خواب دیکھنا سمجھتا ہے بلکہ عقیدہ آخرت کو ذوق کی پستی ، مایوس کی جھوٹی آس یا پھر ہوائی قلعہ کی تعمیر ٹھہراتا ہے وحی والہام ، قرآن و حدیث ، تفسیر و روایت اور کلام و اصول کی گفتگو سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہے چنانچہ اس سے اس زبان' میں گفتگو کرنا بھینس کے آگے بین بجانے کے

مترادف ہے تاہم اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے حسب استطاعت فہم ان اشکال کو رفع کرنے کی کوشش کریں گے اور زیر نظر کتاب میں ان گوشوں کو اجاگر کر کے مکتب اہل بیتؑ کی تعلیمات کے سلیقہ شعار اسباق سے روشنی حاصل کر کے یہ تاریکیاں دور کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

اسلام مذہب حق ہے

آزمائش کے اس مشکل مرحلے پر جب حقانیت اسلام کے لئے ایسی دلیل کی ضرورت ہے جو اس بے راہ روی کے شکار نام نہاد ترقی پسند، مادیت پرست اور دین دشمن طبقے کی تسلی و تشفی کر سکے ہم نے اپنے مولا مشکل کشاء کو پکارا۔ امام علیؑ نے فرمایا۔ "کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ یہ ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے یہ علم کا ایسا منبع ہے جس سے عقل و دانش کی متعدد ندیاں پھوٹتی ہیں یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لا تعداد دیئے روشن ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو صداقت اور حقیقت کے ہر متلاشی کو اطمینان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنے برترین خوشنودی کی جانب ایک شاندار راستہ اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل ناقابل تردید تفوق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔ اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اسے قائم رکھو اس پر خلوص دل سے عمل کرو۔ اس کے معتقدات سے انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔

نہج البلاغت

مرکزی نقطہ حیات ' مخلوق اول ' غایت کائنات
نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

امیرالمومنین علیہ السلام کا یہ سوال کہ "کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ یہ ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے" ہمیں معرفت دین کی جانب متوجہ ہونے کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خالق نے جب تخلیق کا آغاز فرمایا تو خود بخود سلسلہ دین کی ابتدا ہو گئی اب قدرت نے جو سب سے پہلا شاہکار تخلیق فرمایا وہ نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث قدسی ہے کہ "اول خلق اللہ نوری" اب اسلام کی نظریاتی بنیاد اول نور سید البشر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قرار پائی۔

مسلمان مکتبہ دیوبند کے حکیم الامت مفسر قرآن اشرف علی صاحب تھانوی روایت نقل کرتے ہیں کہ:۔

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے جابرؓ! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبیؐ کا نور اپنے نور سے پیدا کیا پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا۔ اور اس وقت نہ لوح تھی' نہ قلم تھا نہ بہشت تھا اور نہ دوزخ تھا اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا نہ جن تھا نہ انسان تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے۔

(نشر الطیب ص ۸ مکتبہ عالیہ ۔ لاہور)۔

معلوم ہوا کہ تمام مخلوقات کا باعث وجود و حیات اور غایت کائنات نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے لہذا زندگی پر اس کا اثر قدیم ہے اور فطرت کا نقطہ آغاز آپؐ کی ذات بابرکات ہے آپؐ کا ارشاد ہے کہ۔

" انا و علی من نور واحد" میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں

یہ فرمان رسولؐ حدیث نور کے نام سے مشہور ہے تمام اسلامی مکاتب کی مستند کتب میں متعدد طریقوں اور مختلف اسانید کے ساتھ اسے نقل کیا گیا ہے کتاب عبقات الانوار میں سنتالیس طریقوں سے اس حدیث کو نقل کیا گیا ہے اور یہ آٹھ اصحاب پیغمبرؐ سے مروی ہے یعنی حضرات علیؓ حسینؓ، سلمان فارسیؓ ابوذر غفاریؓ جابر بن عبداللہؓ عبداللہ بن عباسؓ ابوہریرہ اور انس بن مالک جب کہ حضرت عثمان بن عفان، ابوسعید خدری، ابوالعاص، عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن مسعود اور امام حسنؑ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔

ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث نور کو نقل کیا ہے۔

"عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبیؐ صلعم سے دریافت کیا گیا تھا کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کس زبان میں مخاطب کیا؟ آپؐ نے فرمایا علیؑ کے لہجہ میں۔ پھر میں نے بنابر الہام پوچھا بار خدایا کیا تو نے مجھے مخاطب کیا یا علیؑ نے ۔ اللہ نے فرمایا میں دیگر اشیاء کی طرح نہیں۔ میں نے تجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور علیؑ کو تیرے نور سے خلق کیا۔ جب میں نے تیرے دل کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ آپؐ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ لہذا اسی کے لہجے میں آپؐ کو مخاطب کیا تاکہ آپؐ مطمئن رہیں"

(منہاج السنہ ص ۹ جلد نمبر ۳ ترجمہ روایت المنتقی ص ۴۵۸)

(احیاء السنہ گوجرانوالہ)

مرزا حیرت دہلوی نے نقل کیا ہے کہ۔

"حضرت موسیٰ کاظمؑ اپنے باپ داداؤں سے نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ اکرمؐ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی پشت سے پشت در پشت مجھے اور میرے ساتھ ایک اور آدمی کو رکھا ہے یہاں تک کہ ہم اپنے باپ کی پشت سے بھی ساتھ نکلے تھے۔ پھر آپؐ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کے فرمایا کہ پھر اس سے میرا فضل اتنا بڑھ گیا ہے اور یہی وجہ نبوت کا ہے۔ کسی نے پوچھا یارسولؐ اللہ وہ کون شخص ہے آپؐ نے فرمایا علیؑ بن ابی طالب"

(کتاب شہادت ص ۸۲' مکتبہ جاء الحق کراچی)

علامہ محمد باقر مجلسی نے اس حدیث کو متعدد طریقوں سے نقل فرمایا ہے مثلاً"

"حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیہ کریم (**کنتم خیر امتہ اخرجت للناس تامرون بالمعروف** آل عمران نمبر ۱۱۰) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ نے سب سے پہلے خلق کیا وہ میرا نور ہے اس کو اپنے نور سے اول بنایا اور اپنے جلال و عظمت سے نکالا پس وہ حجاب قدرت کے گرد طواف کرنے لگا یہاں تک کہ اسی ہزار سال میں جلال عظمت تک پہنچ گیا پھر اس نے تعظیماً" خدا کا سجدہ کیا اور اس سے خدا نے نور علیؑ کو جدا کیا اور چیر کر نکالا پس میرا نور تو عظمت کو احاطہ کئے ہوئے تھا اور علیؑ کا نور قدرت کو محیط تھا پھر اللہ نے عرش' لوح' آفتاب' دن کی روشنی' آنکھوں کا نور اور عقل و معرفت اور لوگوں کے کان اور آنکھیں اور دل میرے نور سے خلق کئے اور میرا نور خدا کے نور سے مشتق ہے۔ پس ہم (میں اور علیؑ) سب سے اول ہیں۔ ہم ہی سب سے آخر ہیں۔ ہم ہی سبقت کرنے والے ہیں

اور ہم ہی تسبیح گزار ہیں اور ہم ہی شفاعت کرنے والوں سے ہیں اور ہم کلمہ خدا ہیں اور خاصگان خدا ہیں اور ہم دوستان خدا ہیں اور ہم برکت خدا ہیں۔ اور ہم امین خدا ہیں اور خزینہ دار ہیں وحی خدا کے اور دربان ہیں غیب خدا کے اور ہم کان ہیں تنزیل کے اور ہم معنی ہیں تاویل کے اور ہمارے گھروں میں جبرائیل نازل ہوا اور ہم محلِ قدس خدا ہیں اور ہم چراغ ہائے حکمت ہیں اور ہم کلید ہائے رحمت ہیں اور ہم چشمہ ہائے نعمت ہیں اور ہم شرف امت ہیں اور ہم اماموں کے سردار ہیں اور ہم ناموس ہائے زمانہ ہیں اور نیکوکاران دہر ہیں۔ اور سرداران عباد ہیں اور ہم سیاست کنندہ بلاد ہیں ہم کفایت کنندہ ہیں اور والی ہیں اور حمایت کنندہ ہیں اور ساقی ہیں اور راعی ہیں اور راہ نجات ہیں اور ہم سبیل ہیں اور سلسبیل ہیں اور راہ راست ہیں اور صراط مستقیم ہیں جو ہم پر ایمان لایا وہ خدا پر ایمان لایا اور جس نے ہمیں قبول کیا اس نے خدا کو قبول کیا اور جس نے ہم میں شک کیا اس نے خدا میں شک کیا اور جس نے ہم کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا اور جس نے ہم سے دوستی کی اس نے خدا سے دوستی کی۔ اور جس نے ہماری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور ہم وسیلہ خدا ہیں اور ملانے والے ہیں رضوان خدا سے اور ہمارے لئے عصمت اور خلافت اور ہدایت ہے اور ہم میں نبوت' ولایت اور امامت ہے۔ اور ہم معدن حکمت ہیں اور باب رحمت ہیں اور شجرہ عصمت ہیں اور کلمہ پرہیز گاری ہیں اور مثل اعلیٰ ہیں اور حجت بزرگ ہیں اور مضبوط رسی ہیں کہ جس نے اس کو پکڑا نجات پائی۔"۔

(بحارالانوار جلد نمبر۲۵' ص ۲۲ الوفا بیروت ۱۹۸۳ ایڈیشن)

ابن تیمیہ' ابن روز بہان اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہم نے حدیث نور کے بارے میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسے موضوع کہا گیا ہے اور بعض راویوں پر جرح کی ہے حالانکہ اس حدیث کو کم سے کم پندرہ اصحاب رسولؐ نے روایت کیا لہذا متواتر قرار پاتی ہے۔

ایک درجن سے زائد تابعین نے اس حدیث کو نقل کیا ہے پھر چودہ طبقوں کے مشہور علما نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی جیسے امام نے لالی المصنوعہ کے ص ۱۶۹ پر اس حدیث کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے ۔ ہماری کتب عبقات الانوار' دلائل الصدق اور احقاق الحق میں حدیث نور پر تحقیقی بحث موجود ہے نیز براہین الطالب فی مناقب علی بن ابی طالب کی جلد نمبرا المعروف خلقت نورانیہ میں تمام شبہات کا ازالہ کیا جا چکا ہے۔

دین اسلام کے "دو" ستون

آمدم بر سر مطلب قصر دین کے دو بنیادی ستون حق و صداقت جامہ بشری میں محمدؐ اور علیؑ کہلاتے ہیں۔ مخلوق اول ہونے کے شرف کی وجہ سے اب دین فطرت جس کا نام اسلام پسند کیا گیا' اس کی پوری عمارت ان ہی ستونوں پر تیار ہو گی۔ لہٰذا دین کی معرفت حاصل کرنے کے لئے اس کی بنیاد سے واقفیت ضروری قرار پائی۔ صداقت و امانت کی تصویر مجسم ' نبیوں کا سردار' خاتم النبین کے منصب پر فائز ہوا۔ آپؐ کا فرض منصبی دین اسلام کی شریعت کاملہ کو عوام الناس تک پہنچا دینا ہے نیز دین کی راہ کو ہموار کر دینا ہے۔ اب اس راستے کو سیدھا رکھنے اور اس کی نگرانی و نگہبانی کرنے کا منصب دوسرے کے سپرد ہے جو وارث شریعت و صاحب شریعت ہے حق اس کے ساتھ ہے اور وہ حق کے ساتھ ہے۔ حق مڑ جاتا ہے ادھر جدھر یہ مڑتا ہے۔

"کلنا محمدؐ" کا بے نظیر حسابی ثبوت

در اصل چمنستان ہستی کی ہر شے میں شان احمدی کا ظہور ہے اس کے ہر گل اور ہر شجر میں محمدؐ کا نور منور ہے۔ اسی لئے غایت کائنات' فخر موجودات ' روح مخلوقات' سراپا رحمت' سید المرسلین ' خاتم النبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **"اولنا محمد و اخرنا محمد و اوسطنا محمد و کلنا محمد"**

اس فرمان رسولؐ کو اہل ہنود کے ایک عارف بزرگ نے ایک رباعی میں نظم فرما کر قول رسولؐ کی صداقت کے حق میں ایسی حتمی دلیل پیش کی ہے جس کو توڑنا محال ہے۔ عالی قدر بندہ خدا نے حسابی کلیے کے مطابق علم الاعداد کی مدد سے دو اور دو چار ثابت کرتے ہوئے اپنی اسلام نوازی اور ارتقاء ذہنی کا بے نظیر ثبوت پیش کیا ہے یہ مایہ ناز شخصیت کبیر داس کے نام سے معروف ہیں اور برصغیر میں بھگت کبیر سے جانے پہچانے جاتے ہیں ہندوپاکستان کا بچہ بچہ ان سے واقف ہے ہندی زبان کے باکمال شاعر تھے ان کا کلام حیرت خیز، عبرت انگیز، نصیحت آمیز اور سبق آموز ہے۔ یہ ایسے مقدس بزرگ تھے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ہندو کہتے تھے یہ ہمارے ہیں ہم ان کی ارتھی کو جلائیں گے جب کہ مسلمانوں کا دعویٰ تھا کہ یہ مسلمان ہیں لہٰذا ہم دفن کریں گے دونوں گروہ اپنی اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے تنازعہ کشیدہ صورت اختیار کرتا جا رہا تھا کہ کسی شخص نے لاش پر سے چادر کھینچ لی تو دیکھا کہ وہاں چند پھولوں کے سوا کچھ نہ تھا پس آدھے پھول ہندوؤں نے لے لئے اور ان کی سمادھی بنا لی اور آدھے مسلمانوں نے لے کر ان کو دفن کر دیا۔ اس طرح تنازعہ ختم ہو گیا اور فساد کا خطرہ ٹل گیا چنانچہ کبیر داس فرماتے ہیں۔

نام لو ہر وستو کا چوگن کر لو وائے
دو ملا یو پھگن کیو اور بیس بھاگ لگائے
بچے کو اب نو گن کر لو اور دو ملائے
کہت کبیر نام محمدؐ ہر وستو ماں پائے

یعنی آپ کائنات کی کسی بھی چیز کا نام لیجئے شاعر کے عارفانہ کلیے کی رو سے اس چیز میں سید الانبیاء رحمت العالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اسم مبارک مضمر پائیں گے۔ اس طرح "کلنا محمد" کی عملاً حسابی تفسیر ہو جاتی ہے۔

مثلاً "جہاز" کا نام لیتے ہیں ابجد کے حساب سے "جہاز" کے اعداد

سولہ ہوتے ہیں۔ اس عدد کو چار سے ضرب دیں تو حاصل ضرب چونسٹھ ہو گا اس میں دو جمع کریں تو مجموعہ چھیاسٹھ ہو گا اس کو پانچ سے ضرب دیں تو حاصل ضرب تین سو تیں آئے گا اس کو بیس پر تقسیم کیا تو باقی دس بچے۔ دس کو نو سے ضرب دیا تو نوے ہوئے اس میں دو کو جمع کیا تو بانوے بن گئے یہی "محمدؐ" کے اعداد ہیں۔ پس "کلنا محمد" ثابت ہو گیا آج کمپیوٹر کے اس دور میں محمدؐ آشنا کا بنایا ہوا کلیہ جدید ایجادات یا قدیم مصنوعات کے ناموں سے حساب کر کے آزماتے جایئے انشاء اللہ کسی مقام پر خطا نہیں ہو گا۔

نقطہ بائے بسم اللہ

امیر المومنین امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"جو کچھ قرآن کریم میں ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے۔ جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور جو بسم اللہ میں ہے وہ سب بائے بسم اللہ میں ہے۔ اور جو بائے بسم اللہ میں ہے وہ اس نقطے میں ہے جو "ب" کے نیچے ہے اور میں وہی نقطہ ہوں جو اس "ب" کے نیچے ہے"

اس نقطے کی تشریح ایڈورڈ کلاڈ نے اپنی کتاب "حروف تہجی کی کہانی" (STORY OF THE ALPHABET)میں یوں کی ہے کہ اس نے ایک ایک حرف تہجی کا ماخذ بتایا ہے وہ تحریر کرتا ہے کہ اہل فنیقیہ اور اہل مصر ہم عصر تھے ان کے درمیان تجارتی معاہدے ہوتے تھے جن کے لئے کچھ اشارات مقرر تھے جو بعد میں حروف تہجی بن گئے۔ مثلاً" آنکھ کہنا ہوتا تو آنکھ کی شکل بنا دیتے جو حرف "ع" سے مشابہ ہے۔ اور عربی میں عین کے معنی آنکھ ہیں۔ "ج" سے مراد اونٹ لیتے یہ حرف اونٹ ہی کی شکل کا ہے۔ عربی میں جمل اور عبرانی میں جیم اونٹ کو کہا جاتا ہے۔ یہ بیٹھے ہوئے اونٹ کی شکل ہے اور نقطے سے مراد اونٹ کا مالک ہے جو اس پر سوار ہے اسی طرح "ش" سے مراد شجر (درخت) ہے۔ جس پر دو پرندے بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک اڑ رہا ہے۔ اس طرح وہ لکھتا ہے "ب" سے مراد گھر ہے اور "ب" کے نیچے جو نقطہ ہے اس سے مراد گھر کا مالک ہے جو دروازے پر بیٹھا ہے۔

پس یوں سمجھ لیجئے کہ امام علیؑ فرما رہے ہیں کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے اس کی ابتدا بائے بسم اللہ سے ہے یعنی (علم کا) ایک گھر ہے جس کا دروازہ میں ہوں بس میں وہ سب کچھ جانتا ہو جو کچھ بھی قرآن کے اندر موجود ہے چنانچہ رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ "میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے" کبھی ارشاد

کیا۔ میں دارالحکمت ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے" (صحیح ترمذی) تبھی تو جناب امیر فرماتے تھے کہ "سلونی قبل ان تفقدونی" جو کچھ بھی چاہو پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔

آئین اسلام

قرآن مجید دین اسلام کا آئین ہے۔ اس کا آغاز اسم الٰہی سے ہوتا ہے جو رحمان الرحیم ہے یعنی اسلام آئین کی شق اول صفت رحمانی و رحیمی سے متعلقہ ہے۔ صفت رحمانی مخصوص ہے باری تعالیٰ کے ساتھ ۔ جس کا اثر یہ ظاہر ہے کہ ذات رحمان دنیا اور آخرت میں بلا امتیاز' نیک و بد مہربانی اور شفقت فرمانے والی ذات ہے۔ معاف و درگزر کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ علماء کے نزدیک وہ تمام مخلوق کے لئے رحمان اور مومنین کے لئے رحیم یعنی خصوصی مہربانی کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شفقت و مہربانی کی برہان یہ ہے کہ وہ تمام عالمین میں موجودات کا پروردگار اور مربی ہے۔ اس لئے حمد خاص کا سزاوار ہے۔ فرمانبردار ہو یا نافرمان' عادل ہو یا ظالم ' قوی ہو یا ناتوان' بادشاہ ہو یا گداگر' حیوان ہو یا انسان' نبات ہو یا جماد' عرشی ہویا فرشی ہر ایک کی پرورش کا ذمہ لیتا ہے اور شکر خورے کو شکر مہیا کرتا ہے اس عطاو بھلائی کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ اپنی نعمتیں سراسر مہربانی کے طور پر ہر ایک کو بخشتا ہے ہر نعمت اس کی رحمت ہے چونکہ خلاق عالمین ہے اور فاطر فطرت ہے لہٰذا علیم و خبیر بھی ہے۔ ہر شے میں مضمر منفعت اور مضرت کے تناسب سے واقف ہے اسے معلوم ہے کہ کسی چیز میں بھلائی کیا ہے اور اس کے کس پہلو میں برائی ہے لہٰذا اس نے فطری سلسلہ تخلیق کے ساتھ ساتھ اسی تدریج سے "دین" کا سلسلہ جاری فرمایا ان دونوں سلسلوں کو آپ گاڑی کے دو پہیے فرض کرسکتے ہیں جو ارتقائی راہ پر چلے جا رہے ہیں وہ سڑک جس پر کہ یہ

گاڑی رواں دواں ہے اسے خطرات و حوادثات سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ نے حفاظت کا بندوبست بھی فرمایا ہے زمان و مکاں کے ماحولیات کے پیش نظر انسانی فلاح و ہدایت کے لئے یعنی مسافروں کی سہولت کی خاطر خدا نے اس راستے کے رہنما اور نگہبان مقرر کئے ہیں انسان کے لئے یہ راستہ دراصل جملہ نعمات خداوندی سے خاطر خواہ فوائد حاصل کرنے اور ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے بنایا گیا ہے فطرت انسان یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں اپنا بھلا چاہتا ہے اور برے سے بچنا پسند کرتا ہے حتی کہ جو لوگ برائی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں دراصل وہ بھی اپنی دانست میں اپنا فائدہ ہی چاہ رہے ہوتے ہیں لیکن جہالت کے باعث بے راہ روی کا شکار ہوجاتے ہیں لہٰذا رب العالمین رحمان الرحیم کی انسان پر سب سے بڑی مہربانی یہ ہے کہ اس نے شروع ہی سے "نفع و نقصان" میں امتیاز ظاہر کرنے کا بندوبست اپنے ہاتھوں میں رکھا اور ضرورت و ماحول کی مناسبت سے اس سے متعلقہ ہدایت یا قوانین کی ترسیل کا ایک سلسلہ جاری کر دیا اور ان قوانین کے نفاذ کا موثر انتظام فرمادیا۔ حتی کہ قرآن مجید کی صورت میں ایک مکمل جامع آئین نازل کر دیا جس میں ہر خشک و تر کا علم موجود ہے اور اب کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں ہے پس یہ دستور دین فطرت اور آئین اسلام ہے۔ یہی کائنات کا منشور ہے۔ مگر کسی آئین کا کتابی صورت میں جز بند ہو جانا کافی نہیں ہوتا۔ اس کے لئے قوت نافذہ اشد ضروری ہے۔ لہٰذا اس کا انتظام بھی اقتدار اعلیٰ کی ذمہ داری ہے۔ رعایا کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی جمہوری رائے سے کتاب قانون کسی کے سپرد کر کے مملکت کا کاروبار چلانا شروع کر دے چنانچہ اللہ نے اپنے ارسال کردہ آئین کے نفاذ کا ایک معقول انتظام کر کے تاقیام قیامت سلسلہ امامت کا اجرا فرمایا ہے جس پر گفتگو کتاب کے آئندہ اوراق میں پیش خدمت کی جا رہی ہے۔ یہاں صرف یہ کہنا مطلوب ہے کہ خدا نے اپنے

اقتدار اعلیٰ کا اعلان "مالک یوم الدین" کہہ کر کیا ہے۔ اللہ نے یہاں خود کو قیامت کے دن کا مالک، یا روز آخرت کا حاکم نہیں کہا بلکہ "یوم الدین" کے مالک ہونے کا دعویٰ فرمایا ہے اس جملے میں قدرت نے اپنی حاکمیت و اختیار کا سہ لفظی ایسا ہیبت ناک مرقع قدرت پیش کیا ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

لفظ "دین" کے لغوی معنی

لفظ "دین" کے لغوی معنی مندرجہ ذیل ہیں۔

مذہب، بدلہ، اسلام، عادت، فطرت، بارش کی جھڑی، ہلکی بارش، نرم چیز، ذلت، مرض، بیماری، حساب، باز پرس، غلبہ، اقتدار، عزت، برتری، بادشاہ، حکم، خصلت، تدبیر، توحید، تقویٰ، گنہگاری، زبردستی، حال، فیصلہ، تابعدار قوم

"مالک یوم الدین" کے جملہ میں مستعمل لفظ "دین" بیان کردہ معانی میں کے ہر معنی میں اپنی جداگانہ معنویت کا حامل ہے جسے اس مقام پر بیان کرنا بے محل ہے تاہم روایتی معنی کی تائید میں ہم اس کا مطلب "فیصلے اور جزا کے دن کا مالک ہے" تحریر کرتے ہیں اور "مالک یوم الدین" کو آیہ شریف **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا**[1] سے منسلک کرتے ہوئے وثوق سے کہتے ہیں کہ اللہ روز جزا حق و باطل کا فیصلہ اس آیہ کریمہ کی روشنی میں کرے گا یعنی اسلام کو شرف قبولیت بخشے گا اور غیر اسلام کو مردود قرار دے گا۔

استعانت

"جس کا کھاؤ اس کے گن گاؤ" تمام جہانوں کا پروردگار بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے البتہ یوم حساب کو حساب ضرور لے گا۔ اس جہاں میں بغیر مانگے اور بن طلب کئے بھی دیتا ہے اس لئے ہم تیری بندگی کا

[1] المائدہ ۵/۳

اعتراف کرتے ہیں۔ تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استعانت کے طلب گار ہیں" "**ایاک نعبد و ایاک نستعین**"ہم تیری عبادت کریں یا نہ کریں دنیا کو تو نے تو بہر حال دینا ہی دینا ہے مگر عبادت کے حوالے سے ہمیں مدد خاص کی ضرورت ہے۔ تو مستعان ہے۔ وہ جس سے مدد چاہی جائے اور وہ چاہے براہ براست مدد کرے یا بالواسطہ امداد فرمائے۔ سچ ہے کہ تیرے سوا کوئی مددگار نہیں اور استعانت کا نقطہ آخر تو ہی ہے مگر ہم میں اور تجھ میں عبد و معبود اور خالق و مخلوق کا رشتہ ہے یہ تیری عمومی سنت ہے کہ توبراہ راست کسی کی مدد نہیں فرماتا بلکہ درمیانی واسطے یا وسیلے کے ذریعے استعانت فرماتا ہے۔ تبھی تو ایسا لفظ استعمال فرمایا ہے جس میں یہ گنجائش موجود ہے کہ خواہ خود مدد کریا اپنے کسی ذریعہ سے مدد کروا۔ اگر تیرا مدعا غیر اللہ سے مدد مانگنے کو روک دینا ہوتا تو انسانی بودوباش کا تمام سماجی ڈھانچہ اور معاشرتی نظام معطل ہو کر رہ جاتا۔ بچہ جو فطرت پر پیدا ہوا ہے اپنی ماں سے دودھ نہ مانگتا۔ اجیر آجر سے محنتانہ طلب نہ کرتے۔ آڑے وقت میں دوست دوست کے کام نہ آتا۔ عیسیٰ بندوں سے اس طرح امداد نہ طلب فرماتے۔ "**من انصاری الی اللہ**"اللہ کے واسطے میرا مدد کرنے والا کون ہے؟ اور حواری یہ جواب نہ دیتے کہ " **نحن انصار اللہ**" کہ ہم اللہ کے ناصر ہیں (سورہ آل عمران) لہٰذا "**ایاک نستعین**" سے مطلب اخذ کرنا کہ غیر اللہ سے مدد طلب کرنا کفر ہے انتہائی تنگ نظری اور غیر فطری فکر ہے۔ ورنہ جناب عیسیٰ علیہ السلام غیر خدا سے کیوں طالب امداد ہوتے۔

روٹی 'کپڑا' مکان بغیر کسی امتیاز کے تو سب کو دیتا ہے۔ ہمیں اس سلسلے کی مدد مطلوب نہیں بلکہ جو امداد ہمیں درکار ہے وہ یہ ہے کہ ۔۔۔۔۔۔

صراط مستقیم کی ہدایت

صراط مستقیم

"**اھدنا الصراط المستقیم**" کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرما تارہ یعنی سیدھی راہ پر قائم اور ثابت قدم رکھ۔ کونسی سیدھی راہ ؟ ان کی راہ جن پر تیری نعمتیں نازل ہوئیں "صراط الذین انعمت علیھم"

سورہ یٰسٓ میں ارشاد ہوا۔ **یٰسٓ و القران الحکیم انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم**" اے سید و سردار قرآن حکیم کی قسم تو مرسلین میں سے اور صراط مستقیم پر ہے۔

ہم چند صفحات پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ "صراط" راستہ ہے اور شریعت اس راستے پر چلنے کے قواعد و ضوابط اور طریق و اطوار حفاظت و نگہبانی کو کہتے ہیں یعنی آداب مسافرت کی گائیڈ۔ باالفاظ دیگر "دین" ماہیت کلیہ" ہے اور شریعت راہ عبور۔ خاتم النبیینؐ نے اتباع ملت ابراہیمی کے عین مطابق شریعت دین کلیتہ" اپنی عترت اپنے اہل بیت کے سپرد فرمائی اور قائد اہل بیتؑ سے فرمایا۔

یا علی انت میزان الاعمال و صراط المستقیم اے علیؑ! تم میزان اعمال ہو اور صراط مستقیم ہو۔

مغضوب و ضال

لہٰذا ہم اظہار بے زاری و برایت کرتے ہوئے ملتجی ہیں کہ اے رحمان و رحیم رب ہمیں ان لوگوں کی راہ سے بچائے رکھنا جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔

"**غیر المغضوب علیھم ولا الضالین**" یہ دو طرح کے لوگ ہیں جن کی راہ سے کنارہ کشی مطلوب ہے ایک "مغضوب" جن پر اللہ غضبناک ہوا یا ناراض ہوا۔ یہاں یہ امکان موجود ہے کبھی راضی ہوا پھر غضبناک ہو گیا اور دوسرے وہ جو راہ مستقیم سے گمراہ رہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ صراط مستقیم پر گامزنی موجب انعام الٰہی ہے اور اس سے انحراف باعث غضب الٰہی ہے اللہ کے رسولؐ نے دو ٹوک فیصلہ فرما دیا کہ جامہ بشری میں صراط مستقیم علی علیہ السلام ہیں۔ اس مختار کو یوں بھی تقویت حاصل ہوتی ہے کہ قرآنی حروف مقطعات کے مکررات کو حذف کرنے کے بعد جو واحد با معنی عبارت موصول ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ۔

"صراط علی حق نمسکہ" یعنی علیؑ کا راستہ حق ہے ہم اسی پر قائم ہیں۔

اعلم امت

چنانچہ رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بڑے واشگاف الفاظ میں امت کو آگاہ فرمایا ہے کہ

اعلم امتی من بعدی علی بن ابی طالب میرے بعد میری امت کا سب سے بڑا عالم علیؑ بن ابی طالب ہے۔ (کنز العمال جلد نمبر۶)

علی وعاء علمی۔ علیؑ میرے علم کا ظرف ہے۔ (شمس الاخبار)

علی خازن علمی۔ علیؑ میرے علم کا خزانچی ہے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

اللہ جسے چاہے صراط مستقیم کی ہدایت کرے

صراط مستقیم کی جانب ہدایت اللہ تعالیٰ کا انعام خاص ہے۔ یہ عام نعمت نہیں جو ہر کسی کو مل جائے۔ اسی لیے ہر نماز میں اس کے حصول کی التماس کی جاتی ہے۔ مگر یہ منشاء خدا پر ہے جسے چاہے یہ توفیق بخش دے چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ۔

"بے شک ہم نے روشن آیتیں نازل کی ہیں۔ اور اللہ جسے چاہے صراط مستقیم کی ہدایت کرے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور الرسولؐ پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی پھر ان میں کا ایک گروہ روگردانی کرتا ہے اور وہ ہرگز ایمان والے نہیں ہے۔○"

(سورۃ النور آیت ۴۶ اور آیت ۴۷)

محولہ بالا آیات بالکل واضح اور روشن ہیں۔ دین کی صراط مستقیم کی ہدایت جس کیلئے ہر مسلمان اپنی نمازوں میں روزانہ التجا کرتا ہے اللہ کی توفیق پر انحصار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ وضاحت فرمادی ہے۔ کہ محض اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانے اور اطاعت کرنے کا زبانی اقرار کرلینا مومن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ نیز یہ کہ نزول قرآن کے عہد میں ایسے لوگ ضرور تھے جو زبانی کلامی دعوئ ایمان کرتے تھے مگر اللہ کے نزدیک وہ ہرگز صاحبان ایمان نہ تھے۔ کیونکہ انہوں نے روگردانی کا ارتکاب کیا تھا۔

اعراض حق

ان نام نہاد صاحبان ایمان نے کیا روگردانی کی اللہ تعالیٰ اس کی وضاحت فرماتا ہے۔

"اور جب وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف پکارے جاتے ہیں تاکہ

(رسولؐ) ان کے درمیان (کوئی) حکم جاری فرمائیں تو ان میں کا ایک گروہ اعراض کرتا ہے○

اور اگر حق (فیصلہ، حکم، نتیجہ) ان کی مرضی و موافقت کے مطابق ہوتا تو وہ بڑی مسرت و فرمانبرداری کیساتھ اس (رسولؐ) کی طرف آجاتے○

کیا ان لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں مبتلا ہیں؟ (یقیناً" ایسا ہی ہے) یا ان کو یہ ڈر ہے کہ اللہ اور رسولؐ ان سے ناانصافی کریں گے در اصل ایسے لوگ ہی تو ہیں جو ظالم ہیں○

(سورۃ النور آیات ۴۸ تا ۵۰)

ان لوگوں کی روگردانی یہ تھی کہ پیغمبرؐ کے ایک حکم سے اعراض کیا تھا کیونکہ حضورؐ کا وہ فیصلہ یا اعلان ان لوگوں کی آرزوؤں کے خلاف تھا۔ ان کے ظن باطل میں اللہ اور رسولؐ کا فیصلہ منصفانہ اور عادلانہ نہیں تھا حالانکہ دراصل وہ خود ظالم تھے کیونکہ جیسا فیصلہ وہ جی سے چاہتے تھے وہ مبنی بر انصاف ہرگز نہ تھا۔

حکم رسولؐ سے روگردانی راہ مستقیم کی رکاوٹ ہے

لہٰذا ثابت ہوا کہ حکم رسولؐ سے اعراض ایسی موذی چیز ہے جو ہدایت صراط مستقیم کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہی نہیں بلکہ ایمان کی موت کا سبب بھی ہے۔ اللہ اس مہلک مرض سے محفوظ رکھے۔

اطاعت رسولؐ موجب فلاح و کامرانی ہے

چنانچہ اس کے بعد پروردگار عالم فرماتا ہے کہ۔

"بلاشبہ ایمان والے جب اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف بلائے جاتے ہیں تو ان کا قول تو یہی ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور وہی تو ہیں جو فلاح پانے والے ہیں○

اور جو کوئی بھی اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے پس ایسے لوگ ہی فائز (کامران) ہیں○"

(سورۃ النور آیت ۵۱ اور ۵۲)

ثابت ہوا کہ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ ایماندار اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کو سنکر اس کی اطاعت بجا لائے۔ ایسے خوش نصیب لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں یعنی صراط مستقیم کے راہی ہیں۔ اور اللہ کی، رسولؐ اللہ کی اطاعت کرنے اور خدا خوفی و پرہیز گاری کا اجر یہ ہے کہ وہ جنت اور لوگ مقام کامرانی پر فائز ہوتے ہیں۔

رسولؐ کے ذمے تبلیغ ہے، آپ روگردانی کے ذمہ دار نہیں

اللہ نے اپنے رسولؐ کا فرض منصبی تبلیغ حق مقرر فرمایا ہے اور لوگوں کے اعراض و انحراف یا تخلف و روگردانی کا بار آپؐ پر نہیں ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ۔

"اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تو (اے رسولؐ!) ان کو حکم دے تو وہ جہاد کیلئے ضرور نکلیں گے (اے حبیبؐ!) ان کو کہہ دو کہ تم قسمیں مت کھاؤ۔ (تمہاری) اطاعت جانچی پرکھی ہوئی ہے۔ بے شک اللہ ان (تمام) کارروائیوں سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔○

(اے رسولؐ!) کہہ دے۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو الرسولؐ کی پس اگر وہ روگردانی کریں تو (الرسولؐ) کے ذمے تو وہی ہے جس (فرض) کا بار اس پر ڈالا گیا ہے۔ لہٰذا اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور الرسولؐ کے ذمے تو بس واضح طور پر پیغام (الٰہی) کو پہنچا دینا ہے۔○

(سورۃ النور آیت ۵۳ اور ۵۴)

خدا کی قسمیں کھا کھا کر زبانی کلامی اطاعت کا زعم بیکار ہے۔ کیونکہ اللہ تو دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ اللہ نے ان کی اطاعتوں کو جانچ رکھا ہے۔ ان لوگوں کے منہ میں رام رام ہے مگر بغل میں چھری چھپائے رکھتے ہیں۔ جبکہ اللہ ان کے دل کے چور کو بڑی اچھی طرح جانتا ہے۔ اور ان کی تمام خفیہ سرگرمیوں اور زیر زمین کارروائیوں سے بخوبی واقف ہے۔ چنانچہ وہ اپنے رسولؐ کو حکم دیتا ہے کہ اے رسولؐ ان بدبختوں کو پھر تاکیدی نصیحت کرکے اتمام حجت کر دو کہ وہ اللہ کی اور الرسولؐ کی اطاعت گزاری کریں اور اگر وہ پھر بھی تیری خیر خواہانہ نصیحت پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں تو جائیں جہنم میں۔ تجھے کیا۔ تو کوئی ان کا ٹھیکیدار نہیں ہے۔ اگر یہ تیرا حکم مان لیں گے تو ان کو صراط مستقیم کی ہدایت نصیب ہوجائے گی۔ ورنہ تیرا فرض منصبی تو صرف میرے پیغام کو پہنچا دینا ہے۔ باقی انجام کو پہنچانا تو میرا کام ہے۔ کیونکہ تو ان کی روگردانی کا ذمہ دار نہیں ہے۔

فاسق کون ہے؟

اطاعت رسولؐ کی تاکید اکید کے بعد اللہ اطاعت گزاروں سے اپنی نیابت عطا کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ۔

"اللہ نے تم میں سے ایسے لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے ہیں کہ وہ ان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے بنائے تھے اور ان کے دین کو جو کہ اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے یقیناً" ان کے لیے مستحکم کرے گا تاکہ ان کے خوف کو امن میں بدل ڈالے۔ بس وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اس کے بعد جس

نے انکار کیا پس وہی فاسق (بدکار و عہد شکن) ہوں گے۔"

(سورۃ النور آیت۔ ۵۵)

چونکہ اطاعت رسولؐ کی بجا آوری کے صلے میں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے جس سے دین فطرت کو تمکین حاصل ہوتی ہے لہذا ہر طرح کے خوف سے نجات ملنے کے بعد مکمل امن و سکون سلامتی اور اطمینان جیسی نعمتیں نصیب ہوتی ہیں (وہ سکون جس کی آرزو ہر انسان کو فطرۃ" ہوتی ہے) اس لیے میں اللہ اطاعت گزار خدا و رسولؐ مومنین اور صالح اعمال کرنے والے ایمانداروں سے وعدہ کرتا ہوں کہ زمین پر اپنی خلافت عطا کروں گا۔ جس طرح کہ میں نے پچھلے لوگوں کو یہ اعزاز بخشا تھا۔ پھر ان کے پسندیدہ دین اسلام کو مکمل طور پر استحکام و لازوالی عطا کی جاوے گی اور جملہ خطرات کو دور کرکے ان کی جگہ سلامتی و امن تامہ کی عنایت ہوگی۔ بس میری عبادت کرو میرے مقابلے پر کوئی شریک نہ بناؤ چاہے تمہاری ہوائے نفس ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اس کے بعد جو اس استخلاف کا انکار (کفر) کرے گا وہ فاسق ہوگا ۔۔

اطاعت گزاری رسولؐ کے بدلے میں رحمت کی بخشش اور زحمت سے نجات بخشی

اطاعت گزار رسولؐ سے وعدہ استخلاف کے بعد اللہ اپنی نوازشات میں اضافہ فرماتے ہوئے ارشاد کرتا ہے کہ۔

"اور صلوٰۃ قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اور الرسولؐ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ ○

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا (یعنی انکار کیا) وہ یہ گمان نہ کریں کہ زمین میں (اللہ کے منصوبے کو) ناکام بنادیں گے۔ ان کا ٹھکانہ آتش (جہنم) ہے۔ اور

بہت ہی بری جائے باز گشت ہے۔"

(سورة النور آیت ۵۶ اور ۵۷)

پس صلوٰۃ و زکوٰۃ کے احکام کے بعد اللہ عزوجل نے پھر الرسولؐ کی اطاعت کے حکم کو دہرایا ہے اور اطاعت گزاری کے بدلے میں رحم کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ رحمت للعالمین کی اطاعت بجالانے پر مطیع رحمت کا حصہ دار بنالیا جاتا ہے۔ اور اسے ہر طرح کی زحمت سے نجات بخش دی جاتی ہے۔

رسولؐ کا بلانا عام بلانا نہیں ہے نافرمان رسولؐ کے لئے عبرتناک سزاؤں کا اعلان

"الرسولؐ کے بلانے کو اپنے جیسا عام بلانا ہرگز نہ سمجھو (یعنی عام بشر خیال مت کرو) بے شک اللہ تم میں سے ایسے لوگوں کو خوب جانتا ہے جو کنی کترا جاتے ہیں۔ پس جو ایسے ہیں کہ رسولؐ کے حکم کے خلاف جاتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے۔ (کہ اس کی پاداش میں) کہیں وہ فتنے میں گرفتار نہ ہوجائیں۔ اور آزمائش میں مبتلا نہ کردیے جائیں۔ یا دردناک عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔"

(سورة النور آیت ۶۳)

چنانچہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جن لوگوں نے رسولؐ غیب دان، سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بلاوے کو نظر انداز کرکے آپؐ کے ارشاد سے چشم پوشی کی اور حضورؐ کے حکم کے خلاف گئے وہ صراط مستقیم کا نشان بھی تلاش نہ کرسکے اور رحلت رسولؐ کے بعد ایسے فتنوں اور کڑی آزمائشوں میں گرفتار کردیے گئے جن کے بیانات کو محفوظ رکھنے کیلئے کتب میں "**کتاب الفتن**" کا طویل عبرت نامہ قلم بند کیا گیا ہے جسے ہم نوشتہ دیوار ہی کہہ سکتے ہیں۔

۱۰۔ سورۂ نور کی آیت نمبر۵۵ پر نور ہے اسے آیت استخلاف کہتے ہیں۔ یہ آیت اس امر کی توضیح کرتی ہے کہ شریعت ذریت رسولؐ مقبول کے سپرد کی گئی ہے۔ اہل بیتؑ رسول ہی رحلت پیغمبرؐ کے بعد نبوت و رسالت اور شریعت و دین کے وارث ہیں۔ کیونکہ اللہ نے اہل ایمان اور صالحین کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور ان کو دین اسلام پر قدرت، تمکن اور اقتدار عطا کرنے کا عہد کیا۔ یہ موعود خلیفہؑ پرسکون ماحول اور پرامن فضا میں بلاخوف و خطر عبادت الٰہی بجالائیں گے اور کسی شے کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں گے اب چونکہ یہ وعدہ مومن و صالح کیلئے مشروط ہے۔ لہٰذا اس کے ایفا کی دو صورتیں ہیں یا تو بالاستحقاق یا بلا استحقاق۔ اگر وعدہ بالاستحقاق ہے تو مستحق مومن کامل اور صالح ترین ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ صف میں اول ذات حضرت خاتم الانبیاء ہی ہیں۔ اگر بلااستحقاق محض تفضلاً" ہے تو بھی بلا اختلاف افضل المخلوقات حضورؐ پاک ہی اس منصب کے حقدار ثابت ہیں اور یہ وعدہ آپؐ ہی کی امت کے ان مومنین سے ہے جو ایمان کے درجہ کامل پر فائز ہیں اور اعمال صالح بجالانے میں اپنی مثال آپؐ ہیں۔ پیغمبرؐ کی اطاعت گزاری میں کوئی بھی ان پر سبقت نہیں رکھتا ہے۔ لہٰذا ایمان کل، نفس رسولؐ جو سابق الاسلام بلکہ خود امت مسلمہ ہے پیغمبرؐ کے بعد مستحق خلافت ہے۔ آیت کریمہ میں "وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم" یعنی اور ان کے دین کو جو کہ ان کیلئے پسند کیا ہے یقیناً" ان کیلئے مستحکم بنائے گا۔ کے الفاظ میں لفظ ارتضیٰ، غور طلب ہے۔

قرآن مجید میں تین الفاظ استعمال ہوئے اصطفاء، اجتباء، ارتضاء۔ جن کی تفصیلی تشریح یہاں ممکن نہیں ہے۔ مختصراً" یہ ہے کہ اصطفاء "صفا" سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب پاکیزگی اور صفائی ہوتا ہے۔ "اجتباء "جبا" سے جس سے مراد چن لینا اور جمع کرلینا ہوتے ہیں۔ جبکہ ارتضاء "رضا" سے جس کے معنی خوشنودی اور پسندیدگی ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ایک کا اپنا جداگانہ مطلب و مفہوم ہے۔ گرائمر کا قاعدہ ہے کہ جب کسی مجرد کو مزید فیہ میں لے جاتے ہیں تو زیادتی خاصیت باب کے ساتھ جس سے اسے منتقل کیا جاتے ہے معنی مصدر ثلاثی باقی رہتے ہیں۔ یعنی جب صفا کو باب افتعال میں لے جاکر اصطفا کیا جائے گا تو اس لفظ "اصطفا" میں "صفا" کے معنی کو ملحوظ

رکھنا ضروری ہوگا۔ مگر یار لوگوں نے قاعدے کے خلاف ان تینوں کو ہم معنی بناکر مطلب برگزیدہ لیا ہے۔ جس سے مفہوم میں ابہام پیدا ہوا ہے۔ قرآن مجید میں تینوں الفاظ الگ الگ معنیٰ میں مستعمل ہوئے ہیں۔ مثلاً لفظ اصطفاء نبی و غیرنبی دونوں کیلئے استعمال ہوا ہے جیسے "یصطفے من الملائکتہ رسلا ومن الناس" (الحج ۷۵) یعنی فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنے لیے رسل مصطفیٰ قرار دیتا ہے۔ اس طرح فرمایا "ان اللہ اصطفی ادم و نوحا" و ال ابراھیم و ال عمران علے العالمین" (آل عمران ۳۳) لیکن لفظ اجتباء کا استعمال تمام رسولوں کیلئے بھی نہیں ہوا۔ بلکہ مخصوص کیلئے۔ فرمایا۔ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء (العمران ۱۷۹) کہ اللہ ایسا نہیں ہے کہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع کرے مگر وہ رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ پس اجتباء میں سارے رسولؐ بھی داخل نہیں ہیں۔ چنانچہ اصطفاء اور اجتباء کا معنوی فرق واضح ہوگیا۔ تیسرا لفظ ارتضا ان دونوں پر فوقیت پاتا ہے' کیونکہ مخصوص ہے خاتم الانبیاءؐ سے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

"عالم الغیب فلا یظهر علی غیبہ احدا" الامن ارتضی من رسول" (سورۂ جن ۲۶ اور ۲۷) یعنی خدا عالم غیب ہے اپنے غیب خاص پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے مرتضیٰ من رسولؐ کے واضح ہوکہ اس آیہ میں "من" بیانیہ نہیں ہے جس سے یہ معنی لیے جاسکتے ہوں کہ اپنے رسولؐ مرتضیٰ کو غیب سے مطلع کرتا ہے کیونکہ اللہ نے اس کے بعد ہی فرمایا ہے۔ "فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا" (الجن ـ ۲۷) کیونکہ اللہ نے رسولؐ کے آگے پیچھے گارڈ (محافظ و نگہبان) مقرر کیے ہیں۔ پس اگر اس سے ذات رسولؐ ہی مراد لی جائے تو آیت کے معنی درست نہیں رہتے کیونکہ پیغمبرؐ رصد و شاہد اپنے اوپر نہیں رکھتے بلکہ آپؐ شہید ہیں۔ "لتکونو اشھداء علے الناس و یکون الرسولؐ علیکم شهیدا" (البقرہ۔ ۱۴۳) یعنی تاکہ تم لوگوں پر چشم دید گواہ ہوجاؤ۔ اور رسولؐ تم پر گواہ ہو۔ لہذا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس "مرتضیٰ من رسول" سے مراد امیرالمومنینؑ صالح الصالحین' امام المتقین علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ مرتضیٰ از جانب " رسولؐ آپؐ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور مرتضیٰ ان کا لقب خاص مشہور و معروف ہے کہ جس میں کسی کو کلام۔

نہیں۔ یہی دونوں طرف رصد رکھتے ہیں۔ رسولؐ خدا تو شہید ہیں۔ جو وصول کرکے اپنے مابعد کو دیتے ہیں اور اس پر خود شہید ہوتے ہیں۔

لفظ "یسلک" کا استعمال اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ایک سلسلہ ہے جو ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ ہے کیونکہ "سلک" زنجیر کی کڑیوں کو آپس سے منسلک کرنے کو کہتے ہیں۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے۔ "خذوہ فغلوہ ○ ثم الجحیم صلوہ ○ ثم فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعا فاسلکوہ" (سورۃ الحاقہ آیات ۳۰، ۳۱، ۳۲) یعنی اس کو پکڑو اور اسے طوق پہناؤ پھر اسے جہنم میں جھونک دو پھر اسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ مقام ختم نبوت کے بعد سلسلہ ہدایت کا مقام امامت ہے اور بارہ امام اسی ایک سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ یہ بیان اس بات پر بھی شہادت دیتا ہے کہ صاحب العصر والزمان عجل اللہ فرجہ بارھواں امام موجود ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی پیدائش بعد میں ہوگی تو سلسلہ مذکورہ منقطع قرار پائیگا اور آیت بے معنی ہوجائیگی۔

اسلام کی حقانیت کا امتحان مقصود ہو تو شرط اطاعت رسولؐ کا معیار ملحوظ رکھنا ہو گا

اس طولانی بیان کو ہم اس طرح سمیٹتے ہیں کہ اللہ کا پسندیدہ دین "اسلام" درحقیقت صراط مستقیم کی ہدایت یابی ہے "صراط مستقیم" نبی کریم الرسولؐ کی اطاعت مطلق کا راستہ ہے۔ لہذا جو کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت گزاری کے جملہ تقاضوں کو کماحقہ پورا کرے گا۔ ساری کائنات اس کی مطیع ہو جائے گی۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
(اقبال)

صرف زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کر کے اور اطاعت کا خالی خولی دعوئی کر دینے سے اسلام کی موعودہ فلاح دارین کا حصول ممکن نہیں ہے۔ اگر دین اسلام کی حقانیت کا امتحان مقصود ہو اور دین کے وعدوں کی سچائی عملی تعبیر میں دیکھنا مطلوب ہو تو پھر اس کی شرط واحد "اطاعت رسولؐ" کو پورا کرنا لازمی ہو گا کیونکہ۔

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
(اقبال)

اہل بیتؑ اطہار کی پوری سیرت اور ان کا تاریخی کردار "اطاعت رسولؐ" کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اطاعت گزاری کی اس راہ عمل پر کسی دوسرے کا ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔ جس کی تفصیلات موقع بموقع آئندہ صفحات میں پیش کی جارہی ہیں۔ اس میدان میں اہل بیتؑ کے طرز عمل کی

لفظی تصویر مرزا غالب کے اس شعر میں نظم ہے

طاعت میں تار ہے نہ مے و انگبین کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

دین میں کشش ہے

کہا جاتا ہے کہ اگر اسلام دین فطرت ہے تو "فطرت" پر کشش ہے۔ پھر اسلام انسان کو اپنی فطری کشش سے اپنی طرف راغب کیوں نہیں کرتا؟

ہم کہتے ہیں کیوں نہیں کرتا۔ یقیناً" کرتا ہے۔ اسلام منبع فلاح ہے۔ ہر انسان فلاح کا متمنی ہوتا ہے اس کی یہ تمنائے فلاح دراصل اسلام کی جانب رغبت ہے جسے وہ اسلام کے نام سے جانتا تو نہیں مگر فطری کشش سے متاثر ہے۔

اپنا فائدہ اور بھلائی ہر ایک کو عزیز ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب یا ازم یا لادینی نظریے سے ہو۔ بلکہ انسان جب کوئی برائی کرتا ہے تو اس کی محرک (مرتکب کی دانست میں) کوئی منفعت یا بھلائی ضرور ہوتی ہے۔ حالانکہ ارتکاب کرنے کے باوجود وہ اس فعل کو برا ہی جانتا ہے۔ چور اپنے اقتصادی فائدے کیلئے چوری کرتا ہے مگر چوری کرنے کو کبھی اچھا کام نہیں کہتا۔ یوں کہیے کہ **مستقلات** عقلیہ جو دین کے مبادی اسباق ہیں ان سے ہر عاقل واقف ہوتا ہے۔ جو فطری رغبت کی فطری دلیل ہے۔ پس کشش دین ثابت ہوئی۔

البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی حالت زار' پس ماندگی' غفلت اور دین سے عدم دلچسپی کے باعث اسلام کی کشش متاثر ہوئی ہے۔ اگر مسلمان مادی و روحانی اعتبار سے خوش حال ہوتے تو اسلام کی جانب غیر مسلم اقوام کی رغبت یقیناً" ہوتی۔ لیکن بد قسمتی سے آج ہم جو نام کے مسلمان ہیں خود اسلام کی بجائے جدید نظریات سے مرعوب ہیں۔ بلکہ غیر اسلامی ازموں پر اسلامی لیبل چسپاں

کر کے اپنے دل کو بہلا رہے ہیں۔ طفل تسلی کی خاطر ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ ترقی یافتہ اقوام نے اسلامی تعلیمات کی روشنی سے خوش حالی حاصل کی اور جب کوئی نئی سائنسی ایجاد دیکھتے ہیں تو اپنے جی کو خوش کرنے کیلئے کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اسلام نے اس کے بارے میں صدیوں پہلے اشارے دیے تھے جو سائنس دانوں نے اب دریافت کی ہے۔

اسلامی تعلیمات کا محور عقل و فطرت ہے قرآن سائنس کا تابع نہیں ہے

اس طرح ہم نے معکوس انداز فکر اختیار کر کے قرآن کو سائنس کے تابع بنانا شروع کر دیا ہے۔ جبکہ سائنسی مفروضے اور کلیے آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ حالانکہ قرآنی اصول اٹل ہیں۔ بہر طور سچ تو ہے کہ اگر مغربی دنیا نے اسلام کو اپنا رہنما تسلیم کرلیا ہوتا تو وہ یقیناً" اسے قبول کرلیتے جبکہ امر واقعی اس کے خلاف ہے۔ اسلام اور دیگر مذاہب ان کی نگاہ میں کوئی مقام نہیں رکھتے۔ شاذ کالعدم کے تحت اگر کسی مغربی مفکر نے اسلام کی تعریف میں کچھ کہا ہے تو اس کی کچھ وجہ ضرور ہے جو کم سے کم تصدیق حقانیت اسلام نہیں ہے ورنہ وہ کلمہ پڑھ لیتے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کا محور عقل و فطرت ہے جسے ہر صاحب شعور فطری طور پر پسند کرتا ہے۔

ثمرات اسلام سے محروم رہنے کی ٹھوس وجہ

بہرحال اسلام کا رفیع الشان اور عظیم المرتبت ہونا اپنی جگہ پر سچ ہے۔ بے شک یہ ایک عالمگیر ضابطہ حیات ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ مسلمان اس دعوے کو اپنی تاریخ کے ایک دن سے بھی عملاً" ثابت کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ تاریخ میں مسلمانوں کے عروج کے قصے اور زوال کے مرثیے بہت لکھے گئے ہمیں سردست ان پر تبصرہ منظور نہیں ہے ہمارا مدعا محض یہ ہے کہ اس ٹھوس وجہ کی نشاندہی کر دی جائے جس کے باعث مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر ثمرات اسلام سے محروم رہے جو صرف ایک ہے کہ ہم نے اتباع پیغمبرؐ اور اطاعت رسولؐ سے اعراض کیا۔ زبانی مسلمانی کے دعوے اور اطاعت گزاری کا عقیدت مندانہ اظہار

تو خوب کیا مگر عملاً" سخت سست ٹھہرے۔

غیر مسلم اقوام کی ترقی اور مسلمانوں کی بدحالی کا سبب

یہاں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ غیر مسلم اقوام نے تو سرے سے رسولؐ کی رسالت کو ہی قبول نہیں کیا مگر ان کی حالت اس دنیا میں مسلمانوں سے بہت بہتر ہے جبکہ مسلمان بداعمال سہی بے ایمان تو نہیں ہیں۔ تو مختصر جواب یہ ہے کہ وعدۂ خدا "فلاح دارین" مومنین سے ہے کافرین سے نہیں اور غیر مسلم اقوام کی جو ترقی نظر آرہی ہے۔ وہ دور کے ڈھول سہانے ہیں۔ اتنی ترقیوں کے باوجود بھی وہ مطمئن نہیں۔ سکون ان کو نصیب نہیں۔ مسلسل دوڑ میں مصروف ہیں۔ حرص و ہوس کی بے چینی اور بے قراری میں گرفتار ہیں۔ خوف و خطرات میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ انہوں نے مقصد خلقت انسان "عبادت خدا" کو پورا نہیں کیا ہے۔ یعنی اتنی پر تعیش اور جدید بود و باش کے باوجود حقیقی سکون ان کے مقدر میں نہیں اور اسی کی تلاش میں مصروف جدوجہد ہیں۔ اللہ کا نظام ربوبیت بلا امتیاز جاری و ساری ہے رحمان کی رحمت مسلسل ہے۔ جس کی بدولت ان کی شب و روز کی محنت بار آور ہوتی ہے۔ مگر وہ "فلاح" اور "انعام" جس کا وعدہ اسلام کرتا ہے اس سے وہ یکسر محروم ہیں۔ بلکہ وہ جتنا اسے پانے کی کوشش کو تیز کرتے جاتے ہیں وہ اس سے زیادہ سبک رفتاری کے ساتھ ان سے دور ہوتا جاتا ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ مسلمان اس صورت میں بھی ان سے بہتر ہے کہ اسے ایسی زحمت کشی سے نجات حاصل ہے۔ حالانکہ اگر مسلمان حقیقی اطاعت رسولؐ کی شرط کو پورا کرکے ایسی ترقی حاصل کرنے کی سعی میں اقدام کرے تو اسے اتنی مشقت و وقت اور وقت و متاع کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی۔ کیونکہ اطاعت رسولؐ کے عوض جو اسے اجر ملیگا وہ یہ ہوگا کہ ہر شے اس کی مطیع ہوگی لہٰذا جو چاہے گا

پائے گا۔

قوت بندۂ مسلم

چنانچہ مطیع رسولؐ مومن کامل، بندۂ مسلم کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ۔

"ان اللہ یحول بین المرء و قلبہ" (الانفال ۲۴)

بے شک اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے

اس سے مستفاد ہے کہ ہر قلب کو حلقہ نوری گھیرے ہوئے ہے۔ جب اس کا ادراک ہوجاتا ہے اور احساس بھی ہونے لگتا ہے تو بندے میں صفات الہیہ کی جھلکیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ اس وقت وہ مومن کامل ہوتا ہے ایسا کہ صرف نگاہ سے تقدیر بدل دینے کی قدرت کا حامل ہوجاتا ہے۔

- یا ایھا الذین امنوا استجیبوا اللہ و للرسول اذا دعا کم لما یحییکم و اعلمو ان اللہ یحول بین المرء و قلبہ و انہ الیہ تحشرون (السورۃ الانفال ۲۴) یعنی اے ایمان والو! (غور سے سنو) اللہ اور رسولؐ کا حکم بجا لاؤ جب کہ وہ (رسولؐ) تمہیں اس چیز کی طرف بلاتا ہے جو تمہارے لئے حیات بخش ہے۔ اور خوب جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور بے شک تم اس کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔

معلوم ہوا کہ اطاعت رسولؐ کی بدولت وہ شے یعنی طاقت حاصل ہو جاتی ہے جو حیات بخش ہے زندگی دیتی ہے۔

تشخیص مرض

اتنی مقتدر نعمت سے انسان کا محروم رہنا عموماً افسوسناک ہے۔ اور مسلمان کا مستفیض نہ ہونا خصوصاً حیرت ناک بلکہ شرمناک ہے۔ پھر حسرتناک بات یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات عامہ اور سنت نبویہؐ رائجہ کے مطابق اعمال بجا لانے کی

صورت میں اطاعت رسولؐ کے تقاضے کو پورا کرنے کی جملہ کوششیں بھی مراد برآری کا موجب ثابت نہیں ہو پاتیں۔ نظام مصطفیؐ کے نفاذ کی جدوجہد میں ملت کا اجتماعی جوش اور ولولہ' شریعت بلوں کی تیاری اور منظوری کی کاوشیں' اسلامی ریاستوں میں اسلامی دستور سازیاں' تبلیغات دین کی یلغاریں' اسلامی معاشرے کی تشکیل کا متفقہ مطالبہ' قرآن و سنت کی حکمرانی کی کوشش' انفرادی عبادات' نظام زکوٰۃ نظام صلوٰۃ الغرض صبح و شام اسلام اسلام کے نعرے بلند کرنے کی پرخلوص روش بھی مسلمانوں کی مشکل کا حل تلاش کرنے میں تادم تحریر محتاج کامیابی ہے بلکہ اس کی شدت کے ساتھ ساتھ منفی اثرات کی افزائش میں گوناگوں اضافہ ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس سلسلے کی جدوجہد میں کارفرما نیک جذبہ ہر طرح کی بدنیتی سے مبرا ہے۔ مگر بات بنتی نظر نہیں آتی۔ مرض اس قدر پرانا اور پیچیدہ ہوچکا ہے کہ صحیح تشخیص کرنا جوئے شیر لانے سے مشکل بن گیا ہے۔

تاہم مرض تو معلوم ہوگیا کہ جو کیفیات اور علامات مریض میں پائی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام "روگردانی" "نافرمانی" "اعراض" "انحراف" از حکم رسولؐ ہے۔ ایسے رسولؐ جو طبیب قلوب ہیں۔ لہٰذا صحیح علاج کرنے سے پہلے اس مرض میں مبتلا ہونے کے واقعی اسباب کو جاننا ضروری ہے۔

تاریخ اسلام کے چار تعجب انگیز امور

کسی مذہب کے اصلی مقصد یا نصب العین سے لوگوں کے دور ہوجانے کے علل و اسباب کو معلوم کرنے کی راہ میں ایک بڑی خطرناک رکاوٹ ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ایسی تحریک عام آدمیوں کے طرز عمل سے متغیر نہیں ہوتی بلکہ بڑی قد آور شخصیتوں کے کردار ان کو تبدیل کرنے میں سریع اثر رکھتے ہیں۔ جبکہ ان بااثر افراد کے اقدام پر نکتہ چینی کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ہم اس مشکل سے پہلو تہی کرتے

ہوئے اپنے نفس مضمون کے پس منظر میں تاریخ اسلام کے چار تعجب انگیز واقعات کی جانب توجہ مبذول کرانے پر اکتفاء کریں گے۔ اس نکتے کو ذہن نشین رکھتے ہوئے مسلمانوں کے زوال اور اسلام کے تغیر کے واقعات کا جائزہ لینے کی خاطر ہم جب مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو چار باتیں ہمیں ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔

پہلی یہ کہ تاریخ گواہ ہے کہ خاتم النبین سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے بعد امت کی ہدایت کے لیے اپنا کوئی قائم مقام منتخب نہیں فرمایا۔

دوسری یہ کہ اسلام نے کرۂ ارض پر حکومت الٰہیہ قائم کرنا تجویز کیا اور اس کیلئے بڑے خوش کن اور دلکش وعدے کئے لیکن رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد ہونے والا حکومتی سلسلہ مختلف الاشکال رہا۔ اور اسلامی عدل و انصاف اور سماجی امن و امان کے وعدے پورے نہ ہوئے۔

تیسری یہ کہ تمکین دین کے برعکس بعد از پیغمبرؐ جو حکمران مسند نشین اقتدار ہوئے ان میں بعض ایسے طالع آزما بھی ہیں جنہوں نے اسلامی اقدار کو مٹا دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

چوتھی یہ کہ امت نے اپنے رسولؐ کی اولاد سے بدترین سلوک کر کے محسن کشی اور بے وفائی کی ایسی مثال قائم کر دی جس کی نظیر امم سابقہ میں نہیں ملتی۔ تمسک بالثقلین کی تاکید نبویؐ کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔

فساد امت کا بیج

یہ چاروں باتیں عقل و فطرت کے برعکس ہیں اور تفصیلی بحث کی طلبگار ہیں۔ جس کیلئے زیر نظر کتاب میں گنجائش دستیاب نہیں ہے۔ یہاں ہم صرف یہ عرض کرنا کافی خیال کرتے ہیں کہ ہر حیران کن امر اس وقت تک عجیب و حیرت ناک

معلوم ہوتا ہے جب تک اس کا حقیقی سبب، اس کے ماحول کی واقعی کیفیت اور اس کی ماہیت سے واقفیت نہ ہو جب اس کی وجہ منکشف ہوجائے پھر وہ امر محیرالعقول نہیں رہ جاتا۔ پھر وہ دریافت کردہ اور شناختہ سبب کا قدرتی نتیجہ نظر آنے لگتا ہے۔ ہماری غیر جانبدارانہ اور آزادانہ تحقیق کے مطابق اوپر بیان کردہ چہار امور کا ایک ہی سبب ہے۔ اور چاروں باتیں ایک علت کی معلول ہیں۔ ان چاروں کا بیج "الرسولؐ کے ایک حکم کی روگردانی ہے"

شجر خبیث کا مہلک پھل

زوال امت کے اس بیج سے پیدا ہونے والا شجر خبیث بڑے تھوڑے عرصے میں بہت سرعت رفتاری کے ساتھ تناور درخت بنا ہے۔ اور اس کی شاخیں ساری دنیا پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ اس کو پروان چڑھانے کیلئے اس کی جڑوں کی ہر زمانے کے مسلمانوں کا ٹنوں خون درکار رہا ہے۔ شاید یہ ضرورت انتقامی جذبات و رقابت کا فطری تقاضا تھا۔ جب کہ رسولؐ نے وہ حکم بحکم خدا صادر فرما کر چٹیل میدان میں بعض امیدواروں کی آرزوؤں کا لہو بہا دیا تھا۔ بعض سیاسی وجوہات کے باعث لوگ موروثی حکومت کو ناپسند کرتے تھے اقتدار ارضی کو خاندان نبویؐ سے نکالنے کے خواہش مند تھے ان کی یہ رقابت بھی فطری ہی تھی کیونکہ دعویدار ایمان ہونے کے باوجود ان کے اس فطری رجحان کو اندر ہی اندر فطرت حیوانی پروان چڑھا رہی تھی۔ اور وہ فریب نفس کا شکار ہوچکے تھے جس کا علاج تزکیہ نفس تھا جس پر توجہ کرنے میں غفلت سے کام لیا گیا اور ایسی سنگین غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے جس کے مضر نتائج اور مہلک اثرات نے آئندہ نسلوں کو برباد کرکے رکھ دیا۔

طبیبِ قلوب کی خیراندیشی اور امت کا عصیان

امت کے بہی خواہ، رسولِ خدا نے اللہ کے حکم سے ایک اعلان کیا اور امت کے افضل ترین فرد کو ہادی و روحانی ہدایت اور رہبری کے راہوار کی لگام سپرد فرما دی۔ مگر لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے اس حکم سے اعراض و اغماض کیا چنانچہ اس نافرمانی اور عصیان کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ دین کے موعودہ جملہ نعمات کو سلب کرلیا گیا۔ امت مسلمہ ایک کربناک عذاب الٰہی میں مبتلا ہوگئی اور اپنی غلطی کا خمیازہ یوں بھگت رہی ہے کہ دن بدن انتشار، بدحالی، پستی، بدامنی، خوف اور افلاس کے چنگل میں پھنستی جارہی ہے اور نجات پانے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔

اسلام کی دردناک کہانی

اسلام جیسے دین فطرت و معرفت کی آپ بیتی بڑی دردناک ہے۔ اس کی سطوت و شوکت کے تصور اور مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کرنے سے تن بدن پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔ ایک ایسا محکم اور قیم دین کی جس کی شان یہ ہے کروبیاں اور ملاء اعلیٰ میں اس کا رنگ جما ہوا ہے۔ پوری کائنات پر اس کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ جس کی بدولت ایک خاکی پتلے کے آگے فرشتوں جیسی نوری مخلوق کی جبین نیاز جھک گئی وہ دین جس کو خود خالق نے ہر طرح کی سجاوٹ و آرائش سے آراستہ کیا اور اپنے خلیفہ ارضی حضرت آدم علیہ السلام کی معیت میں کرکے فردوس بریں سے کرۂ ارض کی جانب پھلنے پھولنے اور پھیلنے کیلئے بھیجا۔ دین کا بول بالا ایسا تھا کہ اس کا ذرا سا انحراف کرنے اور تھوڑی سی اکڑ دکھانے کی پاداش میں ابلیس کو ابد الآباد تک راندہ درگاہ کر دیا گیا۔ دین کی عداوت کے باعث قابیل رسوا ہوا۔ قوم نوحؑ کو طوفان کا مزا چکھنا پڑا۔ شداد جیسا ہفت اقلیم ارم بناکر بھی خائب و خاسر گیا۔

اللہ اللہ! دین تیری عظمت کو سلام ہو! تیری ادنیٰ سی مخالفت نے عاد و ثمود جیسی دنیا کی قوی ترین قوموں کی فلک بوس عمارتوں کو تو وہ خاک بنا دیا۔ تیری چمک دمک کی حرارت میں نمرود جیسا دعویدار خدائی ہمیشہ جلتا رہا۔ تیرا بال بھی بیکانہ ہوا۔ مگر اس کے برسائے ہوئے انگارے تجھ پر پھول بنکر برستے رہے۔ حتیٰ کہ خود فی النار ہوا۔ تیرے صدقے میں صرف انسان ہی نہیں وحوش و طیور اور جنات تک پر سیلمان علیہ السلام نے حکومت کی۔ تیرے جاہ و جلال عالی مرتبے نے فرعون اور ہامان جیسے بے غیرتوں کو غرق دریائے خجالت کیا۔ اور قارون جیسے بے حمیت کو زمین میں دھنسا دیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ تیرے کارنامے گزرتے رہے ہو سکتا ہے کہ آج کی مادہ پرست دنیا تیرے ان کارناموں کو قصہ پارینہ قرار دیں' حالانکہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے تیرا دور دورہ اور شان و شوکت یہ تھی کہ شرق سے غرب اور جنوب سے شمال تیرا ہی جلوہ تھا۔ ساری دنیا میں تیری دھوم مچی ہوئی تھی۔ اگرچہ تو نے ایک وحشت خیز' جہالت ناک' غیر آباد سنگلاخ مقام جزیرہ نما عرب میں اپنی نشوونما کے آخری ایام کاٹے مگر بظاہر ایک نادار و یتیم سید اور اس کے اہل بیتؑ و انصار و اصحاب نے تیری اس طرح پرورش کی کہ چند ہی دنوں میں پورے عالم میں تیرے ڈنکے بجنے لگے چار دانگ عالم میں تیرے چرچے ہونے لگے تھے۔ اور تیرے غلبے' عروج' عزت اور ترقی کے ترانے بچہ بچہ گانے لگا تھا۔ جب تو دنیا کو اپنے اظہار کی تصویری جھلکیاں دینی اور دنیوی دونوں رخوں سے دکھانے کے قابل ہوگیا۔ اور تیری تربیت کی مدت پوری ہوئی تو اللہ نے "اکملت لکم دینکم" فرما کر تجھے خلعت فاخرہ سے نوازا۔ رضیت لکم الاسلام دینا" کے تاج سے سرفراز کیا۔ تجھے ہر نقص اور خامی سے پاک قرار دیا۔

پھر کیا ہوا ؟ ـــــ خدارا کچھ نہ پوچھو۔ دشمن جل بھن گیا۔ چشم

بد سے ایسی نظر لگائی کہ دین اسلام کے نام لیوا قعر مذلت میں گرنے شروع ہوئے۔
اندھیر خدا کا کہ مسلمان کے پاس حاوی دستور العمل اور دائمی قوانین تو موجود ہیں جو مہد سے لحد تک اس کی رہنمائی کیلئے کافی ہیں مگر عملاً" معطل غیر موثر اور بے کار نظر آنے لگے ہیں۔
"مسلمانان در گور اور مسلمانی در کتاب" کہنے کی نوبت آ گئی ہے۔

وہ حکم رسول ؐ جس کی سرتابی کا وبال امت پر طاری ہے ٗ کیا ہے؟

اب ہم اس حکم کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کی سرتابی اور خلاف ورزی کرنے کا وبال پوری امت مسلمہ پر جاری ہے۔ اور مسلمان ---- اقوام عالم کی قیادت و امامت کرنے کی بجائے ٗ محکوم و مستعضف بنا ٗ دست نگری میں اپنی بسر اوقات کر رہا ہے اور غیر قومیں اپنے نشہ عروج میں اسے وحشی ٗ بے تمیز اور غیر مہذب قرار دے رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر دل خون رونے لگتا ہے کہ اسلام--- جس نے اللہ کی رحمت بن کر دنیا میں صلح کاری ٗ رواداری اور الفت و اتحاد کا درس دیا ہے ٗ وہی اسلام نہیں نہیں---- اسلام والے ہیں کہ خود آپس میں لڑتے مرتے ہیں اور کسی بھی مرکز پر مجتمع نہیں ہوپاتے حالانکہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی امت کے لاکھ سے زائد نفوس کو یکجا کرکے اس "مرکز" کا تعارف کروا دیا تھا جس پرَ قائم رہ کر مسلمان تمام دنیا پر اظہار اسلام اور غلبہ دین کا سکہ بٹھاسکتے ہیں اور دین کی موعودہ نعمات سے ہرگز محروم نہیں رہ سکتے۔

دعوت منافع

برادران اسلام!

ہجری سن کا دسواں برس تربیت و تکمیل دین کا آخری سال تھا۔ چنانچہ اکناف عالم میں یہ صدا گونجی۔

اذن فی الناس بالحج یا توک رجالا" وعلے کل ضا مر یاتین من کل فج عمیق○ یشھدو ا منافع لھم۔

یعنی سب انسانوں کو حج کیلئے بلاؤ تمہارے پاس دور دراز کی مسافتوں سے پیدل اور سفر کی صعوبت سے تھکی ماندی سواریوں کے ذریعے پہنچیں گے تاکہ منافع (مادی و

روحانی حیات کا ہر طرح کا نفع) حاصل کر سکیں۔

"منافع" میں فطری کشش ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی کثیر تعداد ہر سمت سے اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں مدینے پہنچ گئے تاکہ اپنے نبیؐ کے ہمراہ فریضہ حج بجالائیں۔ حج کے آداب و احکام بھی سیکھیں۔ اور نفع اندوز بھی ہوں۔ سید العالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۲۹ر ذی قعدہ کو ہزاروں مسلمانوں کے جلوس کی قیادت فرماتے ہوئے مدینے سے برآمد ہوئے۔ سیدۃ النساء العالمین فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اور امہات المومنین ازواج رسولؐ بھی اس سفر میں شریک تھیں۔ جب ظہر کے وقت وادی ذی الحلیفہ پہنچے تو غسل احرام کے بعد احرام باندھا۔ اصحابؓ رسولؐ نے بھی احرام باندھ لیے اور سب نے مل کر تلبیہ کیا---- لبیک اللھم لبیک کی آوازوں سے فضا گونج اٹھی۔

علیؑ کا شکوہ نہ کرو اللہ کے معاملہ میں وہ سخت گیر ہے

حسن اتفاق یہ کہ امام علی علیہ السلام ان ایام میں یمن میں تھے۔ حضورؐ نے انہیں تحریر فرمایا کہ وہ مکہ پہنچ کر حج میں شرکت کریں۔ چنانچہ تعمیل حکم میں علیؑ یمن سے کچھ سپاہ کے ساتھ چل دیے اور حضورؐ کے مکہ پہنچنے سے قبل جلوس سے آن ملے۔ جب حبیبؐ خدا نے محبوب رسولِ خداؐ کو دیکھا تو حضورؐ کا رخ تاباں فرط مسرت سے دمک اٹھا۔ دریافت فرمایا۔ "اے علیؑ! تم نے کس نیت سے احرام باندھا ہے"؟ عرض کیا "یا رسولؐ اللہ! اس کے متعلق آپؐ نے کچھ تحریر نہیں فرمایا تھا۔ اس لیے میں نے اپنی نیت کو حضورؐ کی نیت سے وابستہ کر دیا جو آپؐ کی نیت ہوگی وہی خاکسار کی ہوگی" مزید عرض کیا "میں اپنے پیچھے چونتیس اونٹ قربانی کے چھوڑ آیا ہوں"۔ رسولِ خدا نے فرمایا کہ میرے ہمراہ چھیاسٹھ اونٹ ہیں اور تم مناسک حج اور قربانی کے اونٹوں میں میرے شریک ہو۔ اس کے

بعد حضرت علیؑ نے یمن کی تمام روئیداد اور صدقات و غنائم کی تفصیلات حضورؐ کے رو برو پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ! میں اموال غنیمت اور رقوم جزیہ لشکر کے سپرد کر کے تعمیل حکم اور شوق زیارت میں آپؐ کی خدمت میں پہلے حاضر ہوا ہوں۔ سید المرسلینؐ نے حکم دیا کہ تم اپنے لشکر کے پاس واپس لوٹ جاؤ اور ان لوگوں کو لیکر جلدی سے لوٹ آؤ۔ چنانچہ امام علیؑ پلٹے تو کچھ ہی دور اپنے لشکر کو آتے دیکھا۔ جب نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں نے بندھی ہوئی گٹھڑیوں میں سے نئے کپڑے نکال کر احرام باندھ رکھے ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے نگران لشکر سے باز پرس فرمائی اور دریافت کیا کہ تم نے میری اجازت کے بغیر پارچہ جات کی تقسیم کیوں کر دی؟ اس نے جواب دیا کہ لوگوں کے اصرار کرنے پر ایسا کیا گیا ہے۔ بعد میں ان سے واپس لے لیے جائیں گے۔ امامؑ نے فرمایا۔ رسولؐ اللہ کی اجازت کے بغیر ان کو استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے اس لیے تمام کپڑے اتار دیے جائیں اور ان کو بحفاظت تحویل میں لے لیا جائے۔ بادل نخواستہ لوگوں نے کپڑے اتار تو دیے مگر اس بات کو ناگوار سمجھا چنانچہ جب پیغمبرؐ کی خدمت میں پہنچے تو علیؑ کا شکوہ کیا۔ جو سرکار دوعالمؐ کو ناگوار گزرا۔ فرمایا۔

"اے لوگو! علیؑ کا شکوہ مت کرو۔ وہ اللہ کے معاملہ میں سخت گیر ہے"

(تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۴۰۲)

اپنے حکم کی عدم تعمیل پر رسولؐ رحمت رنجیدہ خاطر ہوئے

حجتہ الوادع سے پہلے دو قسم کے حج ہوتے تھے۔ ایک "حج افراد" اور دوسرا "حج قران" ان دونوں میں عمرہ ایک جداگانہ اور مستقل عمل کی حیثیت رکھتا ہے جو اعمال حج بجا لانے کے بعد کیا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حج قران میں قربانی کے جانور ساتھ ہوتے ہیں اور حج افراد میں قربانی کے جانور ساتھ نہیں

ہوتے۔ اس موقع پر "واتموا الحج والعمرۃ للہ" (البقرہ۔ ۹۶) کا حکم نازل ہوا کہ "اللہ کیلئے حج اور عمرہ پورا کرو" چنانچہ حج میں ایک تیسری قسم کا اضافہ ہوگیا جسے "حج تمتع" کہا جاتا ہے جس میں عمرہ جزو حج ہوتا ہے۔ جو ایام حج میں حج سے پہلے بجالایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے عمرہ بجالاکر احرام کھول دیا جائے۔ اور یوم ترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر اعمال حج بجا لائے جائیں۔اسے حج تمتع اس لیے کہتے ہیں کہ عمرہ و حج کے درمیانی وقفہ میں احرام کی قیود اٹھ جاتی ہیں اور حالت احرام میں جو چیزیں جائز نہیں ہوتیں ان سے متمتع ہوا جاسکتا ہے۔ یہ حج ان لوگوں کیلئے ہے جو مکے سے اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ فاصلہ کے رہنے والے ہوں۔ حج افراد اور حج قران مکے سے اڑتالیس میل یا اس سے کم مسافت کے رہائش پذیروں کیلئے ہے۔ ان دونوں میں فرق ہم اوپر بیان کرچکے ہیں

پیغمبرؐ کے ساتھ اس حج میں زیادہ تر ایسے لوگ تھے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے۔ چنانچہ رسولؐ خدا نے انہیں حکم دیا کہ وہ حج کی نیت کو عمرہ کی نیت سے بدل لیں۔ اور عمرہ کرنے کے بعد احرام اتار دیں۔ اور حج تمتع بجالائیں مگر جن لوگوں کے پاس قربانی کے جانور ہیں وہ احرام باندھے رکھیں۔ خود حضور اکرمؐ کے ہمراہ چونکہ قربانی کے اونٹ تھے اس لیے آپؐ کا حج "حج قرآن" تھا۔ اور جناب امیر علیہ السلام کی نیت بھی سرکار دو عالمؐ کی نیت حج کے تابع تھی لہٰذا دونوں نے احرام نہ کھولے۔ لوگوں نے جب حضورؐ کو احرام باندھے دیکھا تو اپنے احرام کو کھولنے میں پس و پیش کرنے لگے اور سابقہ حج کے طریقے سے مانوس طبیعتوں پر یہ نیا حکم شاق گذرا۔ چنانچہ وہ بدستور احرام باندھے رہے۔ جب خاتم الانبیاء نے ان لوگوں کو تعمیل حکم سے گریز کرتے ملاحظہ فرمایا تو رنجیدہ خاطر ہوئے۔ غیظ و غضب کی شکنیں پیشانی پر نمایاں ہوئیں۔ بی بی عائشہ روایت کرتی

ہیں کہ۔

"رسولؐ اللہ ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ کو وارد ہوئے اور غصے کی حالت میں میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ آپؐ کو کس نے غضب ناک کیا ہے ؟ اللہ اس کو واصل جنہم کرے جواب دیا کیا تم کو خبر نہیں ہے کہ میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا تھا مگر وہ تردد اور تذبذب میں پڑ گئے ہیں کہ اگر مجھے معلوم ہوتا ایسی صورت حال پیش آنے والی ہے تو میں قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہ لاتا۔ بلکہ یہاں سے خرید لیتا اور ان لوگوں کی طرح احرام کھول دیتا"۔

(صحیح مسلم جلد نمبرا صفحہ ۳۹۰)

رسولؐ اللہ کی مخالفت جاری رہی لوگ تعمیل حکم میں گریز کرتے رہے

جس طرح لوگوں نے حضورؐ کی ظاہری زندگی میں "حج تمتع" کی مخالفت کی اسی طرح آپ کے بعد بھی اس کی مخالفت جاری رکھی اور حکم شرعی کے مقابلے میں اپنی ذاتی رائے کو ترجیح دی۔ جیسا کہ عمران ابن حصین کہتے ہیں۔

"حج تمتع" کی آیت قرآن مجید میں نازل ہوئی ہے اور رسولؐ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا تھا اور بعد میں کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جو حج تمتع کی آیت کو منسوخ کرتی ہو۔ اور نہ رسولؐ خدا نے تادم وفات اس سے منع فرمایا۔ البتہ ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا"۔

(صحیح مسلم جلد نمبرا صفحہ ۴۰۳)

۔ یہ شخص کون تھے؟ معلوم کرنے کے لئے صحیح مسلم حوالا بالہ کے حاشیے پر شارح مسلم نودی کی تحریر کا مطالعہ کیا جائے۔

بہرحال آٹھ ذی الحجہ جمعرات کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم دیا کہ جنھوں نے عمرہ کے بعد احرام کھول دیے تھے وہ احرام حج باندھ لیں پھر آپ مکے سے منیٰ تشریف لے آئے۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد منیٰ سے عرفات کی جانب روانہ ہوئے۔ ایام جاہلیت میں قریش نے یہ رسم بنا رکھی تھی کہ وہ مشعرالحرام پہنچ کر رک جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہیں لہٰذا احرام سے نہیں نکلیں گے۔ البتہ دوسرے لوگ عرفات میں چلے جاتے تھے چنانچہ اہل قریش کو امید تھی کہ رسولؐ خدا بھی منیٰ سے نکل کر مشعرا الحرام میں رک جائیں گے اور آگے نہیں بڑھیں گے مگر حکم خدا نازل ہوا کہ "**ثم افیضوا من حیث افاض الناس**" (البقرہ ۱۹۹) یعنی جہاں سے دوسرے لوگ چل کھڑے ہوں تم بھی وہیں سے چل کھڑے ہو چنانچہ اس کی تعمیل میں رسولؐ خدا مشعرالحرام سے آگے عرفات کی طرف چل دیئے اور وہاں پہنچ کر نمرہ میں خیمہ زن ہوئے اور ظہرو عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا فرمائیں۔ غروب آفتاب تک وقوف فرمایا اور بعد غروب وہاں سے چل کر مشعرالحرام میں تشریف فرما ہوئے۔ اور مغرب عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں مشعرالحرام میں شب بسری کے بعد روز عیدالاضحیٰ صبح کے وقت منیٰ میں آئے۔ اور جمرہ عقبیٰ پر رمی کرنے کے بعد تیں اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور باقی اونٹوں کے نحر کرنے کیلئے علیؑ کو مامور فرمایا۔ جب اونٹ نحر ہوچکے تھے۔ تو ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک ایک ٹکرا لیکر ایک دیگ میں پکوایا اور حضرت علیؑ کے ساتھ ملکر اس میں سے کچھ کھایا اور بقیہ کو تقسیم کر دیا قربانی سے فارغ ہوکر سرمنڈوایا اور احرام کھول دیا اسی دن مکہ معظمہ پہنچ کر خانہ کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کی رسومات بجا لائے اور پھر منیٰ میں واپس آگئے یہاں تیرہ ذی الحجہ تک قیام فرمایا اور رمی الجمرات کا فریضہ ادا کیا۔ جب اعمال حج سے فارغ ہوگئے تو چودہ ذی الحجہ کو مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ مدینے روانہ ہوئے

رسالت مآبؐ کا حکم۔ لوگو ٹھہرو! آگے مت جاؤ

فریضہ حج سے فراغت پانے کے بعد جب رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم واپس مدینہ روانہ ہوئے تو کم و بیش ایک لاکھ اصحاب کا مجمع آپؐ کے ہم رکاب تھا۔ یہ لوگ دور نزدیک کے مختلف شہروں اور بستیوں سے آکر جمع ہوئے تھے۔ اب خوش خوش اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ بعض کو مدینہ پہنچ کر الگ ہونا تھا اور کچھ لوگوں کو راستے ہی سے اپنی اپنی منزل کی جانب علیحدہ ہوجانا تھا۔ لوگ شاداں و فرحاں سفر طے کر رہے تھے۔ قافلہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ رواں دواں تھا کہ مقام جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک پرخار وادی جو "غدیر خم" کہلاتی تھی، انہیں ٹھہر جانے کا حکم دیا گیا۔ یہ رک جانے کا حکم اتنا اچانک اور ناگہانی تھا کہ لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ یہاں منزل

۔ شاہ اسماعیل شہید اپنی کتاب "منصب امامت" میں تحریر کرتے ہیں حشر کے دن لوگوں کو روک کر ان سے امامت علیؑ کا سوال کیا جائے گا۔ قرآن مجید کے ارشاد و قفو هم انهم مسئولون (الصفٰت ۲۴)

ذرا انہیں ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔ کی تفسیر میں صحابی رسول ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ لوگوں سے ولایت علی بن ابی طالب کی نسبت سوال کیا جائے گا۔ ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اس آیت میں حضرت علی بن ابی طالب کی ولایت کے بارے میں سوال کیا جانا مراد ہے۔ دیلمی نے فردوس الاخبار میں، عبیداللہ امرتسری نے ارجح المطالب میں، سبط ابن الجوزی نے تذکرۃ الخواص الامۃ میں ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اسے نقل کر کے صحیح تسلیم کیا ہے۔ اسمٰعیل شہید نے اسی موضوع پر اردو میں اپنی کتاب "منصب امامت" لکھی ہے۔ جس میں اپنے نظریہ و فکر کے مطابق اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور روز قیامت جناب امیر علیہ السلام کی ولایت و امامت کے سوال کو پوچھا جانے کی بھرپور تائید کی ہے۔

کیسی! کیونکہ یہ جگہ نہ تو قافلوں کے اترنے کیلئے موزوں تھی نہ گرمی سے بچنے کا کوئی سامان تھا۔ دور دور تک سائے کا نام و نشان نہ تھا۔ لوگوں نے آج سے پہلے کبھی کسی کاروان کو ایسے غیر آرام دہ مقام پر منزل کرتے نہ دیکھا تھا۔

انتظار پیغمبرؐ ختم ہوتا ہے

مسلمانوں کے اس کاروان عظیم الشان کو اچانک روکنے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ کا رسولؐ امت کو خدا کے ایک اہم فیصلے سے آگاہ کر دے۔ جس کے اعلان عام کیلئے وہ مناسب موقع و محل کے منتظر تھے اور اس سے بہتر موقع کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ کچھ ہی دیر بعد یہ لاکھ سے زائد کا جلوس منتشر ہو جانے والا تھا اور پھر شاید ہی اتنی بڑی جمعیت کے یکجا ہونے کی صورت پیدا ہوتی۔ مسلمان دنیا کے ہر کونے اور خطے سے جوق در جوق آئے ہوئے تھے۔ ان کے متفرق ہو جانے سے پہلے یہ حکم خداوندی ان تک گوش گزار کر دینا ضروری تھا۔ پھر اس صحرائے بے آب و گیاہ میں اتنے انبوہ کثیر کو روک لینے میں یہ مصلحت کار فرما تھی کہ اگر حسب معمول کسی اور منزل پر قافلہ روکا جاتا تو یہ خیال کیا جا سکتا تھا۔ سفر کی تکان دور کرنے اور استراحت کیلئے رک گئے تھے اور ضمناً وہاں اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔ جس سے ایک اعلان کی اہمیت میں کمی واقع ہوئی جاتی لہٰذا حضورؐ نے اس فیصلے کی اہمیت کو برقرار رکھنے کیلئے ایسی جگہ کا انتخاب فرمایا جو کبھی قافلوں کی فرودگاہ نہ رہی تھی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس مقام پر روکنے کا مقصد آرام نہیں بلکہ معاملے کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ چاہے کتنی تکلیف برداشت کرنا پڑے اس تپتے میدان میں چلتے کاروان کو روک لیا جائے اور سب کو اللہ کے فیصلے سے مطلع کر دیا جائے۔ اور فیصلہ خاتم النبینؐ کی نیابت اور جانشینی کے متعلق تھا۔

رسولؐ خدا کو تحفظ الٰہی ملتا ہے

یوں تو پیغمبرؐ کے عمومی طرز عمل اور تاکیدی ارشادات سے ہر کوئی یہ نتیجہ اخذ کر سکتا تھا کہ آپؐ کس کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ دعوت ذوالعشیرہ کے محدود دائرہ میں' غزوہ تبوک کے موقع پر اور تبلیغ سورۂ توبہ کے وقت حضورؐ کی زبان سے مختلف پیراؤں' واضح اشاروں' آسان کنایوں اور واشگاف فرمانوں سے ہر غیر جانبدار اور انصاف پسند شخص یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور تھا کہ آپؐ اپنے بعد اپنے نفس حضرت حیدرؑ کرار کو اپنا خلیفہ بنانے والے ہیں مگر دوسری جانب آپؐ یہ بھی ملاحظہ فرما رہے تھے بعض لوگوں کی زبانیں خوامخواہ علیؑ کے خلاف شکوہ ریز رہتی ہیں اور آپ کے معمولی منصب پر بھی ان کے دل کباب ہوجاتے ہیں۔ کدورتیں چہروں پر کھل جاتی ہیں بھلا وہ کیوں کر خوش دلی سے یہ فیصلہ قبول کریں گے۔ چنانچہ حبیبؐ خدا ان مخالف عناصر کی سرگرمیوں سے خالی الذہن نہ تھے۔ وہ چہروں کے آثار سے دلوں کی کیفیت بھانپ رہے تھے اور ان کی سرگرمیوں' حرکتوں اور رویوں سے ان کے ارادوں کو خوب سمجھ رہے تھے کہ یہ مخالفت اور مزاحمت کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ ہر ممکن طریقے سے روڑے اٹکائیں گے۔ چنانچہ مزاج شناس قدرت' رسول غیب دان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ اللہ کی جانب سے مخالفین کے شر سے تحفظ کا ذمہ لیا جائے۔ اور پھر اس فیصلے کا اعلان عام نشر کیا جائے۔ چنانچہ سورۂ الم نشرح میں نازل ہدایت فراغت اور نصب امام کو عملی جامہ پہنا دینے کا وقت آگیا۔ مشکل کشاء زمانہ کے بارے میں مربی مشکل کشا کی مشکل کو حل المشکلات خدا نے حل فرما دیا اور اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ۔

یا ایھا الرسول بلاغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ

واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی قوم الکافرین○

اے رسولؐ! تمہارے رب کیطرف سے جو حکم تم پر اتارا گیا ہے اسے پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا اور اللہ (ہر حالت میں) تم کو لوگوں کے (ہر طرح کے) شر سے بچائے گا۔ بے شک اللہ انکار کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں بخشتا۔

(المائدہ۔ آیت ۶۷)

علاوہ جماعت صحابہ کے صحابی حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ یہ آیت غدیر خم میں علیؑ بن ابی طالب کے بارے میں رسولؐ خدا پر نازل ہوئی

(فتح القدیر علامہ قاضی شوکانی جلد نمبر۳ صفحہ ۵۷)

جلسہ غدیر
اعلان ولایت امیرالمومنین علیؑ ابن ابیطالب
حی علی خیرالعمل کی صدائیں گونجنے لگیں

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس تہدید آمیز حکم کے بعد تاخیر کی گنجائش نہ رکھتے تھے لہٰذا فوراً سواری پر سے اترے۔ ہمراہی بھی اتر پڑے۔

"حی علی خیرالعمل" کی آواز پر آگے بڑھ جانے والے پیچھے پلٹے، پیچھے رہ جانے والے تیزی سے آگے بڑھنے لگے اور تمام مجمع سمٹ کر یکجا ہوگیا۔ کڑکتی دوپہر کا وقت، چلچلاتی دھوپ، باد سموم کے جھلسا دینے والے جھونکے، جلتا ہوا ریگستان، آفتاب کی تمازت اور گرمی کی شدت چند ببول کے درختوں کے علاوہ نہ کہیں سبزہ نہ سایہ۔ صحابہ نے عبائیں کندھوں سے اتار کر پیروں کے گرد لپیٹ لیں اور اس جلتی ہوئی زمین پر ہمہ تن گوش بن کر بیٹھ گئے۔ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اونٹوں کے کجاوے جمع کرواکر ببول کے دو درختوں کے درمیان ایک منبر تیار کروایا۔ زیب منبر ہوکر فرمایا۔ مسلم شریف کے مطابق یہ ہے کہ۔

"رسول خداؐ مکہ اور مدینہ کے درمیان اس تالاب پر جو خم کہلاتا تھا۔ خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا اور پند و تذکیر کے بعد فرمایا۔ اے لوگو! میں ایک بشر بھی تو ہوں۔ وہ وقت دور نہیں ہے کہ میرے رب کی طرف سے پیغام رساں آئے اور میں اس کی آواز پر لبیک کہوں۔ (دیکھو) میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب جس میں نور و ہدایت ہے لہٰذا کتاب خدا کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور اس کے ساتھ وابستہ رہو۔ آپ نے اللہ کی کتاب سے تمسک پر زور دیا اور اس کی جانب رغبت دلائی۔ پھر فرمایا دوسرے میرے اہل بیتؑ ہیں۔ میں تمہیں اہل بیتؑ کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں میں تمہیں اہل بیتؑ کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔ میں تمہیں اہل بیتؑ کے بارے

میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔

(صحیح مسلم جلد نمبر۲ صفحہ نمبر۲۷۹)

سہ باری اقرار

ان تمہیدی کلمات کے بعد تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا۔
"الست اولی بکم منکم بانفسکم؟" کیا میں تم پر خود تم سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا؟
تمام حاضرین نے ہم آواز ہوکر جواب دیا "اللھم بلی" بے شک ایسا ہی ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے اپنی اولویت اور حاکمیت کا اقرار لے لینے کے بعد علیؑ کو بغلوں میں ہاتھ دیکر اوپر اٹھایا۔ اور فرمایا۔
"اے لوگو! اللہ میرا مولا ہے۔ اور میں مومنین کا مولا ہوں۔ اور میں ان نفسوں سے زیادہ ان پر حاکم و متصرف ہوں۔ یاد رکھو کہ جس جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے۔ یا اللہ دوست رکھ اسے جو اسے دوست رکھے۔ اور دشمن رکھ اسے جو اسے دشمن رکھے۔

(صواعق محرقہ ابن حجر کی صفحہ ۴۱)

جس جس کا میں مولا اس اس کا علیؑ مولا

ا علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ
"قال یوم غدیر خم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ"
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روز غدیر خم فرمایا جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا علیؑ مولا ہے یا اللہ! جو اسے دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ جو اس کو دشمن رکھے تو اس کو دشمن رکھ۔ (استیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ جلد نمبر۲ صفحہ ۴۶۰)

مبارکبادیاں

چنانچہ اس اعلان عظیم کے بعد حضور اکرمؐ منبر سے نیچے تشریف لائے۔ نماز ظہر باجماعت ادا کی گئی اور رسول خداؐ اپنے خیمے میں چلے گئے۔ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ گروہ در گروہ علیؑ کے خیمے میں جائیں اور ان کو اس منصب ارفع پر فائز ہونے کی مبارکباد پیش کریں۔ چنانچہ صحابہ نے تہنیت و تبریک کے کلمات کہے۔

امہات المومنین اور دوسری خواتین نے بھی اظہار مسرت فرماتے ہوئے ہدیہ مبارکباد پیش کیا۔ حضرت عمر بن خطاب نے اس موقعہ پر خصوصی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"هنیالک یا بن ابی طالب اصبحت وامسیت مولی کل مومن و مومنة"

مبارک ہو اے ابو طالب کے فرزند ! کیسی اچھی صبح کی کہ تمام مومنوں اور مومنات کے مولا بن گئے۔

(مسند احمد حنبل جلد نمبر۴ صفحہ۲۸۱)

تکمیل دین کا مژدہ

ادھر مبارکبادیوں کا سلسلہ جاری تھا ادھر امین وحی حضرت جبرائیل علیہ السلام فرحاں و شاداں نازل ہوکر تکمیل دین اور اتمام نعمت کا روح پرور مژدہ سنانے کا اعزاز پاتے ہیں۔

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" (المائدہ نمبر۳)

یعنی آج میں نے تمہارے دین کو (ہر لحاظ و اعتبار سے) کامل کر دیا اور تم پر اپنی

نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جب رسولؐ اللہ نے یوم غدیر خم حضرت علیؑ کو اپنی جگہ پر نصب کیا اور ان کی ولایت کا اعلان کیا تو جبرائیل آیہ الیوم اکملت لکم دینکم لیکر حضورؐ پر نازل ہوئے۔

(تفسیر در منثور جلد نمبر۲ صفحہ ۲۵۹ علامہ جلال الدین سیوطی)

واقعہ غدیر مسلم اور متواتر ہے۔

یوم غدیر کا یہ یادگار واقعہ مسلم' متواتر اور ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اسلامی مکاتب میں تاویلی اختلاف تو پیدا ہوا ہے مگر پوری امت نے اصل واقعہ اور الفاظ حدیث پر اتفاق کیا ہے۔ امت کے ہر طبقے کے محدثین اور علماء نے اس بات کو بلا قیل و قال تسلیم کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے ایک عظیم الشان اجتماع کے اندر اپنی حاکیت اور اولویت کا اقرار لینے کے بعد فرمایا کہ جو مجھے اپنا مولا سمجھتا ہے وہ علیؑ کو بھی اپنا مولا سمجھے لیکن لفظ "مولا" کو حسب پسند معنی دیکر اصل حقیقت اور واقعی معنی و مفہوم کو اوجھل رکھنے کی کوشش کی گئی۔ کیونکہ اگر اسے مان لیا جاتا کہ بروئے حدیث جو حیثیت رسولؐ کی امت سے ہے بعد از پیغمبرؐ وہی حیثیت علیؑ کی ہے تو پھر سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کا کوئی جواز نہ رہتا۔ چنانچہ کبھی یہ کہا گیا کہ مولا کے معنی دوست ہیں اور کبھی کہا مولا کا مطلب ناصر و مددگار ہے۔

مولا کے معنی میں بے معنی ابہام

لیکن ہر صاحب عقل کیلئے یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ ایک جلتے ہوئے صحرا میں لاکھ کے مجمع کو جو اپنے اپنے گھروں کو پہنچنے کیلئے بے تاب ہے یوں اکٹھا

کرنا کہ آگے نکل جانے والوں کو پیچھے بلوانا' پیچھے رہ جانے والوں کا انتظار کرنا' کانٹوں بھری زمین کو صاف کرانا' پالانوں کو جمع کر کے منبر بنانا' اتنے بڑے اجتماع کو تکلیف دینا کہ گرمی کے باعث ان کو اپنی عبائیں پیروں تلے رکھنا پڑیں۔ اپنے اولی بالتصرف ہونے کا سہ بارہ اقرار لینا یہ ساری زحمت کشی اور تکلیف دہی محض اس وجہ سے تھی کہ لوگوں کو یہ کہہ دیا جائے کہ جس کا میں دوست ہوں علیؑ بھی اس کا دوست ہوگا یا یہ کہ جس کا میں ناصر و مددگار ہوں اس کا علیؑ بھی ناصر و مددگار ہوگا ذرا بھی دماغ رکھنے والا شخص یہ باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا کہ یہ اہتمام و انصرام خصوصی صرف اتنی سی بات کیلئے کیا گیا تھا۔ یہ تاویل خود رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے تنقیص و تقصیر کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ اللہ تو پہلے فرما چکا تھا کہ "**والمومنون والمومنات بعضهم اولياء بعض**" (التوبہ ۷۱) اور ایمان دار مرد اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اس آیت کی موجودگی میں دوستی جتانے کیلئے اتنے بڑے جلسے کا انعقاد کرنا بالکل عبث ٹھہرتا ہے۔ پھر ان لوگوں سے علیؑ کی رسول خداؐ سے دوستی اور وابستگی ہرگز پوشیدہ نہ تھی۔ ایام طفلی سے نصرت اسلام کے مشہور حیدری کارنامے کسی سے ڈھکے چھپے نہ تھے۔ نیز یہ کہ بات دوستی' نصرت اور مددگاری کی تھی تو پھر اس کیلئے اپنی حاکمانہ حیثیت منوانے کی کیا ضرورت تھی؟ جب ان زاویوں سے لفظ "مولا" کے معنی پر غور کیا جائے گا تو بلاشبہ دوست' مددگار اور ناصر کے مطالب بے معنی ہو جائیں گے۔

اور پھر یہ کہ رسولؐ خدا کو نصرت و دوستی کا اعلان فرما دینے میں کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "**والله يعصمك من الناس**" کہ اللہ تجھے لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ اب یہ خطرہ خارجی یا بیرونی ہو نہیں سکتا کیونکہ تمام بیرونی خطروں کا انسداد کیا جا چکا تھا' اگر خطرہ تھا تو داخلی اور اندرونی جو اسی صورت میں ممکن ہو سکتا تھا جب پیغمبرؐ کا اعلان کسی گروہ کے سیاسی مصالح سے متصادم ہوتا

اور ظاہر ہے دوستی و نصرت کا اعلان اس خطرے کو دعوت نہیں دے سکتا تھا۔

لہٰذا تمام قرائن و شواہد ثابت کرتے ہیں کہ اس مقام پر لفظ "مولا" کے معنی حاکم و متصرف کے ہیں۔ اور جس طرح سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت و حاکمیت کا اقرار ضروری ہے اسی طرح علیؑ کی ولایت و حاکمیت کا اقرار بھی لازمی ہے۔ اسی لیے رسولؐ خدا نے بھی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے پہلے خود اپنی حاکمانہ اور متصرفانہ حیثیت کا اقرار لیا تھا ورنہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پھر صحابہ کی مبارکبادیاں اس امر کی دلیل ہیں کہ کسی نمایاں اعزاز کا اعلان ہوا ہے جو تبریک کا محل رکھتا ہے اگر حق پسندی سے کام لیا جائے اور جنبہ داری سے ہٹ کر انصاف کیا جائے تو بلاشک و شبہ یہ اعلانِ عام اسی اعلان مخصوص کی صدائے بازگشت تھا جو آج کے واقعہ غدیر سے بیس سال قبل دعوت عشیرہ کے ایک محدود حلقے میں کیا گیا تھا کہ۔

"ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا"

بے شک یہ میرا بھائی میرا ولی عہد اور میرا جانشین ہے اس کی سنو اور اطاعت کرو (تاریخ کامل ابن اثیر جلد نمبر۲ صفحہ ۴۲)

ولایت علویہ

اعلان غدیر کی بنیادی حیثیت' اقرار ولایت علویہ اصل دین ہے

المختصر اس اعلان عام سے نہ صرف مسئلہ خلافت واضح ہوجاتا ہے بلکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام تبلیغات و تعلیمات میں اس اعلان اور حکم کی اہمیت اور بنیادی حیثیت بھی نمایاں ہوجاتی ہے۔ اس کا بھرپور اثر پوری اسلامی آئیڈیالوجی میں سرایت کرتا ہے۔ اگرچہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت سے ہجرت تک اور ہجرت سے حجتہ الوداع تک ان تمام احکام خدا کی تبلیغ فرمائی جو وقتاً" فوقتاً" آپؐ پر نازل ہوتے رہے اور مسلمان ان احکامات پر عمل بھی کرتے رہے چنانچہ وہ نمازیں پڑھتے' روزے رکھتے' زکوٰۃ دیتے اور جہاد میں شرکت کرتے حج کے موقع پر اُمڈ کر آئے مگر اس سب کچھ ہونے کے باوجود آیہ قرآنی **وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ**" اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو گویا تم نے کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں' سے روز روشن کیطرح واضح ہوتا ہے کہ اس آخری تبلیغ کے بغیر تمام احکامات کی تبلیغ نا تمام' غیر مکمل بلکہ کالعدم تھی۔ حالانکہ اللہ تعالٰی نے کسی حکم کی تبلیغ کو دوسرے حکم کی تبلیغ پر موقوف نہیں رکھا۔ مگر اس موقع پر حضورؐ کی تیس سالہ تبلیغ کو صرف ایک خاص تبلیغ پر منحصر کیا گیا ہے اس طرح کہ اگر یہ تبلیغ نہ ہوتی تو دین نا تمام رہ جاتا اور کار نبوت پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔ اس سے دو باتوں کا بین ثبوت حاصل ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اس حکم کی حیثیت اسلام میں اصل و اساس ہے یعنی اصول دین میں داخل ہے۔ اور دوسرے اعمال و احکام کی حیثیت فروع کی ہے۔ اور جس طرح بنیاد کے بغیر دیواروں میں مضبوطی پیدا نہیں ہوتی اور جڑ کے بغیر شاخیں نہیں پھلتی پھولتیں اس طرح اس آخری تبلیغ کے بغیر رسالت نا تمام رہتی اور دین اتمام و اکمال کو نہ پہنچتا۔ پس

رسالت کو اگر اصول میں شمار کیا جاتا ہے تو جسے "تکملہ رسالت" قرار دیا گیا ہے۔ اسے بھی اصول میں داخل ہونا چاہیے۔ اور دوسرے یہ کہ جب اس امر کے نہ پہنچانے کے نتیجے میں تمام احکام کا پہنچا دینا نہ پہنچانے کے برابر ہو جاتا ہے تو اس امر کے نہ ماننے کی صورت میں ان تمام احکام کا سیکھنا اور اعمال کا بجالانا بے نتیجہ ثابت ہوگا۔

یوم غدیر یوم تکمیل الدین ہے

مالک یوم الدین، حاکم یوم الحساب، الرحمٰن الرحیم، رب العالمین نے روز غدیر کو یوم تکمیل الدین اور روز اتمام نعمت قرار دیا ہے۔ اگر یہ دن طلوع نہ کرتا تو رسالت کی دنیا اندھیر رہ جاتی۔ دنیا والے نعمت سے محروم رہتے۔ صراط مستقیم کج رہ جاتا، گمراہی محتاج ہدایت رہتی۔ ہدایت بھٹکتی پھرتی اور حق بے قرار رہتا ۔ مکتب اہل بیتؑ کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بڑا روشن دن ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ بے حد مبارک روز ہے۔

روز عید غدیر ستاروں میں چاند ہے

امامؑ نے فرمایا۔

"روز قیامت عرش خدا کے سامنے چار ایام ایسی زینت و زیبائش سے ظاہر کیے جائیں گے جس طرح کسی دلھن کو سجایا جاتا ہے۔ ایک روز جمعۃ المبارک، دوسرا روز عید الفطر، تیسرا روز عید قربان اور چوتھا روز عید غدیر۔ اور ان سب دنوں میں عید غدیر کا دن ایسا ہوگا کہ جیسے ستاروں میں چاند ہوتا ہے"

فضائل یوم غدیر

یہ دعاؤں کے قبول ہونے کا دن ہے۔ پاکیزہ، عمدہ اور صاف ستھرا لباس پہننے کا دن ہے۔ محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام بھیجنے کا دن ہے گناہوں کے ترک کرنے کا دن ہے۔ اللہ کی عبادت اور شکر گذاری کا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ جس میں ایک مومن دوسرے مومن کا چہرہ دیکھ کر تبسم کرے تو خداوند رحمان و رحیم اس پر رحمت کی نظر فرماتا ہے۔ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ اس دن مومنین ایک دوسرے سے معانقہ و مصافحہ کریں اور

یہ کلمات کہیں "الحمد للہ الذی جعلنا من المتمسکین بولایتہ امیر المومنین والائمتہ المعصومین علیھم السلام"

یہ عید ہے تو تمام مسلمانوں کی مگر خوش قسمتی سے منانے کا اعزاز ہمارے حصے میں آیا ہے۔ "علماء کے نزدیک اسی دن تمام انبیاء نے اپنے اپنے جانشین بحکم خدا مقرر کرکے اعلان کیا تھا"

(جامعہ عباسی اور اختیارات مجلسیؒ)

اعلان غدیر کی مخالف جماعت کے نمائندے کی بے باک ترجمانی

قرآن مجید میں مسلسل اتباع رسولؐ اور اطاعت پیغمبرؐ بجالانے کی تاکید و خصوصی تلقین کی گئی ہے۔ سورۂ نور کی آیات ۴۶ تا ۵۷ ہم نے اپنے گزشتہ بیان میں نقل کی ہیں اور آیت استخلاف پر خصوصی حاشیہ سپرد قلم کیا ہے ہم اس ضروری اور قابل غور نکتے کی طرف توجہات کو مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ اللہ کا تکراری اصرار کہ اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرو اور روگردانی سے باز رہو از خود ثابت کرتا ہے کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت المسلمین میں کچھ لوگ ضرور ایسے تھے جو اللہ کے رسولؐ کی حکم عدولی کا ارتکاب کرتے تھے۔ حتیٰ کہ وادی عقبیٰ میں آپؐ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی مذموم جرات بھی کرلی گئی۔ علیؑ کے کھلے اور پوشیدہ مخالفین بھی تھے جیسا کہ آپ نے گزشتہ اوراق میں ایام حجتہ الوداع کے موقعہ کی ایک مثال ملاحظہ فرمائی ہے یہ مخالف جماعت سیاسی اعتبار سے کچھ مضبوط بھی ہوچکی تھی۔ مگر ایک امید پر وہ اپنی سرگرمیاں زیر زمین رکھنا حکمت عملی خیال کرتی تھی۔ تاہم اعلان غدیر خم کے بعد اس مخالف جماعت کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔

دشمن کبھی بے وقوف نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب ان لوگوں کو یقین ہوگیا کہ رسول اللہؐ کسی بھی صورت میں ان کا من پسند فیصلہ نہیں کریں گے بلکہ اپنی منشاء اور حکم الٰہی کے مطابق عمل کریں گے تو انہوں نے ایک تدبیر وضع کی اور اسے آلہ کار بنایا۔ اطاعت رسولؐ کے بار بار تکرار خدا کے برخلاف انہوں نے لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا کیا کہ یہ اعلان خلافت منجانب الٰہی نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکومت کو ہمیشہ کیلئے اپنے خاندان میں رکھنا چاہتے ہیں اس رجحان کو اخفا میں رکھنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی گئی بلکہ بحضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا برملا اظہار کیا گیا۔ چنانچہ ایک صحابی حارث ابن نعمان فہری نے اس جماعت کے خیالات کی بڑی بے باک ترجمانی کرتے ہوئے نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔

مخالف کا عبرتناک انجام

"سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا کہ آیۂ کریمہ "سال سائل بعذاب واقع" (المعارج۔ ۱) کس کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ سفیان نے جواباً" کہا تو نے مجھ سے وہ سوال کیا ہے جو اب تک کسی اور نے نہیں پوچھا مجھ سے بیان کیا میرے باپ نے اور اس نے سنا تھا حضرت امام جعفر صادق بن محمد باقر سے جنہوں نے روایت کی اپنے آباؤ اجداد سے کہا جب رسول اللہ غدیر خم پر پہنچے تو لوگوں کو ندا دی اور وہ سب جمع ہوگئے پھر حضورؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ یہ خبر اطراف عالم میں شائع ہوئی اور بلاد میں پھیلی اور حارث بن نعمان تک پہنچی۔ پس حارث بن نعمان ایک ناقے پر سوار ہو کر آیا۔ اور ناقے کو ایک طرف باندھ دیا۔ اور رسول خداؐ کے نزدیک آکر کہنے لگا۔ اے محمدؐ! آپؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم خدا کو ایک اور آپ کو اس کا رسولؐ

مانیں۔ ہم نے مان لیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ہم پانچ وقت نماز پڑھیں وہ بھی ہم نے منظور کیا حکم دیا کہ ہم رمضان میں روزے رکھیں وہ بھی تسلیم کرلیا حکم دیا کہ حج کریں وہ بھی مان لیا۔ اس پر بھی راضی نہ ہوئے اور اب اپنے چچازاد کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور ہم پر فضیلت دی کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ اب فرمایئے کہ یہ علیؑ کی مولائیت آپ کی اپنی طبیعت سے ہے یا یہ بھی خدا کی طرف سے مقرر کی ہوئی ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ بھی منجانب الہیٰ ہے۔ حارث بن نعمان یہ کہتا ہوا اپنے ناقے کی طرف چلا کہ اے خدا! اگر یہ بات جو محمدؐ نے کہی ہے حق ہے تو مجھ پر آسمان سے پتھر گرا اور عذاب دردناک بھیج۔ وہ ابھی اپنے ناقے تک نہیں پہنچ پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر آسمان سے پتھر نازل کیا جو اس کے سرسے ہوتا ہوا اس کی مقعد سے نکل گیا اور وہ مرگیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ **"سال سائل بعذاب واقع الکافرین لیس لہ دافع من اللہ"**

(تفسیر ثعلبی)

معذب حارث فہری کے واقعہ کی توثیق دنیائے اسلام کے متعدد محققین، مفسرین اور علماء نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ رقم کیا ہے۔ چنانچہ ہم ان میں سے کچھ کے اسماء گرامی مع تالیفات بطور شہادت تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی ــــــــــــ تفسیر قرآن

۲۔ یوسف بن قز علی سبط ابن الجوزی ــــــــــــ تذکرۃ الخواص الامہ فی معرفۃ الائمہ الباب الثانی صفحہ ۱۸

۳۔ ابراہیم بن عبداللہ یمنی الوصابی ــــــــ کتاب الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء

۴۔ محمد بن یوسف زرندی ــــــــــــ معارج الوصول و درر السمطین

۵۔ ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی ــــــــــــ ہدایت السعداء

۶۔ سید نور الدین علی بن عبداللہ الحسنی السمہودی ــــــــــــ جواہر العقدین

۷۔ سید جمال الدین عطاءاللہ بن فضل اللہ المحدث ــــــــــــ کتاب اربعین

۸۔ شیخ شمس الدین عبدالرؤف بن تاج العارفین المناوی ــــــــــــ فیض القدیر شرح جامع صغیر

۹۔ شیخ بن عبداللہ بن شیخ عبداللہ العید روس ــــــــــــ عقد نبوی و سر مصطفوی

۱۰۔ محمود بن محمد القاری ــــــــــــ صراط سوی

۱۱۔ نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی ــــــــــــ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون

۱۲۔ احمد بن الفضل بن محمد باکثیر ــــــــــــ وسیلۃ المال

۱۳۔ محبوب عالم ــــــــــــ تفسیر شاہی

۱۴۔ محمد صدر عالم سبط شیخ ابوالرضا ــــــــــــ معارج العلی فی مناقب الال

۱۵۔ محمد بن اسماعیل بن صلاح الامیر صنعانی ــــــــــــ شرح تحفۃ العلویہ

۱۶۔ احمد بن عبدالقادر الحفظی ــــــــــــ ذخیرۃ المال

۱۷۔ سید مومن بن حسن بن موسیٰ الشبلنجی ــــــــــــ نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار

منتہی الارب میں ہے۔ وقع بالتحریک سنگ اسی لیے وقیع اس چھری یا تلوار کو کہتے ہیں جو پتھر سے تیز کی گئی ہو وقع بالفتح۔ آسیب و زدگی چیز سے پیزے از جائے بلند ازکوہ۔

تین اعتراضات کا رد

واقعہ غدیر ایک مہتم بالشان واقعہ تھا۔ جس نے مخالفوں کے دلوں میں ہیجان

پیدا کر دیا تھا۔ ان کو معلوم ہو گیا کہ رسولؐ خدا کے بعد حکومت و سلطنت حضرت علی علیہ السلام کے پاس چلی جائے گی اور یہی نہیں کہ صرف علیؑ تک محدود رہے بلکہ ان کے خاندان میں نسل در نسل اس کے مستقل استحکام و استقرار کا امکان معلوم ہوتا ہے۔ حارث بن نعمان جماعت مخالفین کا بھیجا ہوا نمائندہ تھا۔ حارث بن نعمان کے معذب ہونے کے واقعہ پر بعض لوگوں نے تنقید کی ہے۔ خصوصاً" تین اعتراضات وارد کیے ہیں۔

ا۔ اکثر روایات میں مروی ہے کہ حارث بن نعمان وادی ابطح میں حضورؐ کی خدمت میں آیا اور وہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ یہ وادی مکے کے قریب ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ حضورؐ حجتہ الوداع کے بعد مدینہ تشریف لائے۔

۲۔ سورۃ المعارج جس میں یہ آیات شامل ہیں مکی ہے جبکہ یہ واقعہ مدینے کا بیان کیا جاتا ہے۔

۳۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ آیہ شریفہ **الیوم اکملت لکم دینکم** ---------- قران شریف کی آخری آیت ہے۔ پھر اس کے بعد یہ سال سائل...... والی آیت کیسے اتر آئی؟

ہم ان تینوں اعتراضات کا جواب دینا پسند کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض

بطحا کسی خاص جگہ کا نام نہیں۔ بلکہ اس زمین فراخ کو کہتے ہیں جو سیل آب کی گزرگاہ ہو اور جس میں باریک سنگریزے بکثرت ہوں اور مدینے کے قریب بھی ایسی زمین تھی جسے بطحا اور ابطح کہتے تھے تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے۔ نورالدین سمہودی کی کتاب وفا الوفاباخبار دار المصطفیٰ۔

دوسرا اعتراض

مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں ہے کہ قرآن شریف میں بہت سی آیات ہیں جو بار بار نازل ہوئی ہیں یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ ایک سورہ میں مکی۔ مدنی آیات مجتمع ہیں۔ چنانچہ کثرت آیات کی بناء پر اس سورہ کو مکی یا مدنی شمار کیا گیا ہے۔ اس طرح کئی سورتیں بار بار نازل ہوئی ہیں جیسا کہ سورۂ فاتحہ کئی مرتبہ اتری' سورۂ معارج مکیہ ہے اور آیت زیر بحث بھی مکی ہے اور پھر مدینے میں بھی نازل ہوئی۔ پہلے شاید نضر بن حارث کیلئے اور اب حارث بن نعمان فہری کیلئے۔ جب ایک ہی قسم کا واقعہ دو یا تین مرتبہ وقوع پذیر ہو تو اگر اس کے متعلق کی آیت اتنی ہی بار اس واقعہ کے ساتھ اتر آئے تو عین مناسب ہے بلکہ یہ تکرار ضروری اور لازمی ہے اس بحث کو امام جلال الدین سیوطی نے بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ جو پیش خدمت ہے۔

"متقدمین و متاخرین کی ایک جماعت کثیر نے تصریح کی ہے کہ قرآن مجید میں کئی جگہ مکرر نازل شدہ آیات ہیں۔ ابن الحصار کہتا ہے کہ آیات کا بار بار نازل ہونا وعظ و نصیحت کی تاکید کیلئے تھا۔ مثال کے طور پر اس نے آخر آیات سورۂ نحل اور اول آیات سورۂ روم بیان کیں۔ ابن کثیر نے مکرر آیات میں سے آیت الروح کو ذکر کیا ہے۔ بہت سے لوگوں نے سورۂ فاتحہ کو مکرر نازل شدہ بیان کیا ہے۔ بہت سے کہتے ہیں کہ آیت ماکان النبی بھی مکرر نازل ہوئی۔ علامہ زر کشی برہان میں کہتے ہیں کہ ایک آیت کے کئی دفعہ نازل ہونے کے کئی اسباب ہیں کبھی تو اس آیت کی شان کی تعظیم مطلوب ہوتی تھی کبھی ایک ہی قسم کا واقعہ جو اس کا سبب ہوتا تھا کئی دفعہ ظہور پذیر ہو جایا کرتا تھا۔ لہٰذا وہ آیت کئی مرتبہ اتری تھی۔ کبھی اس کو بھولے جانے کے خدشے سے زائد مرتبہ نزول ہوتا تھا۔ مثلاً" اس نے آیت الروح اور آیہ اقم الصلواۃ طرفی النہار کا ذکر کیا اور پھر کہا کہ سورہ بنی اسرائیل اور سورۂ ہود مکی ہیں لیکن ان کا شان نزول دلالت کرتا ہے کہ

ان کو مدنی ہونا چاہیے۔ اس ہی وجہ سے بہت سے لوگوں کو اس میں شبہ ہوا ہے۔ مگر شبہے کی وجہ کوئی نہیں کیونکہ وہ مکہ میں بھی نازل ہوئی ہے اور مدینے میں بھی پھر اس نے کہا اس طرح سورہ اخلاص کے متعلق ہے کہ وہ مشرکین مکہ کا بھی جواب ہے اور مدینہ کے اہل کتاب کا بھی جواب ہے۔ اسی طرح یہ آیت ماکان النبی ہے۔ اس تکرار نزول میں یہ حکمت تھی کہ کسی کافر یا اہل کتاب کے سوال یا کسی واقعہ کی وجہ سے ایک آیت اتری ہوئی ہے پھر اس کے بعد تقریباً" ویسا ہی سوال کیا گیا یا اسی طرح کا واقعہ در پیش آیا تو خداوند تعالیٰ اس سے پہلے واقعہ پر نازل شدہ آیت کو پھر حضورؐ کیطرف وحی کر دیتا تھا کہ یاد دلایا جائے کہ تمہارے اس سوال یا اس واقعہ کا جواب پہلے بھی نازل ہو چکا ہے۔

(الاتقان فی علوم القرآن النوع الحاوی عشر ما تکرر نزولہ ص ۳۵)

علامہ سیوطی کی یہ بحث اعتراض کا شافی جواب ہے

تیسرا اعتراض

چونکہ آیت سال سائل .... صرف دہرائی گئی ہے جدید تنزیل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کہنے میں کوئی امر مانع نہیں کہ الیوم اکملت لکم دینکم ..... کے بعد کوئی نئی آیت نازل نہیں ہوئی۔

خطبہ غدیر میں الفاظ "خلیفہ" "وصی" اور "وارث" کا استعمال

احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روز غدیر امام علی مرتضیٰ علیہ السلام کی خلافت و نیابت اور وصایت و امامت کا اعلان اتنے اہتمام سے کیا ہے کہ ابہام کی کسی بھی صورت کے پیدا ہونے کا احتمال باقی نہیں رہ جاتا گو آپؐ نے "مولا" جیسا وسیع المعنی لفظ کا استعمال کر کے حجت تمام فرمائی لیکن اپنے لافانی

خطبے میں مترادف الفاظ مثلاً" خلیفہ اور وصی بھی فرمائے ہیں۔ چنانچہ جب اعلان ولایت کے بعد آیہ مبارکہ "الیوم اکملت لکم دینکم" کا نزول ہوا تو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسرور ہوکر نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اس موقع پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر عرض کیا یا رسولؐ اللہ! کیا یہ آیت علیؑ کی شان میں اتری ہے؟ تو جواباً" ارشاد فرمایا۔ "بے شک علیؑ اور میرے قیامت تک کے اوصیاء کی شان میں نازل ہوئی ہے"۔ پس سلمانؓ نے عرض کیا کہ آپؐ ہمیں ان سے آگاہ فرما دیجئے تو حضورؐ نے فرمایا "ان کا پہلا علیؑ ہے اور وہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وارث اور میرا خلیفہ ہے۔ پھر حسنؑ اور پھر حسینؑ اور پھر حسینؑ کی اولاد میں سے نو ہوں گے۔"

(ینابیع المودۃ جلد نمبرا صفحہ ۱۱۵) لفظ وصی کے استعمال کیلئے دیکھئے مروج الذہب مسعودی برحاشیہ تاریخ کامل جلد نمبر۶ صفحہ ۷۵ اور شواہد النبوۃ ملا جامی صفحہ ۱۶۴ وغیرہ)

خطبتہ الغدیر

روز غدیر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد باری کے بعد ارشاد فرمایا

"میں اللہ کی عبودیت کا اقرار کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں اس کی ربوبیت کی۔ اس کو پہنچاتا ہوں جو مجھ پر وحی کی گئی ہے اس بات سے بچتے ہوئے کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو کسی ایسی بلا میں گرفتار نہ ہو جاؤں کہ کوئی اسے دفع نہ کرسکے خواہ کتنی ہی تدبیر کیوں نہ کی جائے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے چنانچہ بلاشبہ اس نے مجھے مطلع کیا ہے کہ اگر میں نے اس کو نہ پہنچایا جو مجھ پر نازل کیا گیا ہے تو گویا میں نے اس کی رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہ دیا۔ اور بے شک اس بزرگ و برتر نے میری حفاظت کی ضمانت بھی کرلی ہے اور اللہ ہی کافی اور کریم ہے۔ پس اللہ نے مجھ پر یہ وحی کی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہ اے رسول پہنچا دو جو کچھ نازل ہوا ہے تم پر تمہارے رب کیطرف سے علیؑ کے بارے میں اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا اس کی رسالت ہی نہ پہنچائی اور اللہ تمہیں لوگوں سے محفوظ رکھے گا

اے گروہ انسان! میں نے اس (پیغام) کے پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی جو مجھ پر نازل کیا گیا۔ میں تم پر اس آیت کا سبب بھی ظاہر کیے دیتا ہوں۔ بے شک جبرائیل میرے پاس تین مرتبہ آئے اور میرے خدا کے سلام کے ذریعے پیغام دیا۔ وہ سلام پیغامی یہ ہے کہ میں اس مقام (غدیر) پر ٹھہروں اور ہر سیاہ و سفید کو آگاہ کردوں کہ بالتحقیق علیؑ ابن ابیطالب میرے بھائی اور میرے وصی اور میرے خلیفہ اور امام ہیں میرے بعد جنہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو نسبت ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور وہ (علیؑ) اللہ اور رسولؐ اللہ کے بعد تمہارے ولی ہیں۔ بے شک

ان کے متعلق اللہ نے اس آیت کو نازل فرمایا ہے کہ بتحقیق تمہارا ولی اللہ ہے، اور اس کا رسولؐ ہے اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور علی ابن ابیطالب نے نماز کو قائم کیا اور رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دی ہے۔

علیؑ خدائے عزوجل کی خوشنودی کو پیش نظر رکھنے والے ہیں۔ میں نے جبرائیل سے اظہار معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت لوگوں کو یہ پیغام پہنچانے سے مجھے معاف رکھا جائے کہ میں متقیوں کی قلت اور منافقوں کی کثرت کو جانتا ہوں۔ مجھے گناہگاروں کے فساد اور اسلام کا مذاق اڑانے والوں کا علم ہے۔ جن کی بدصفات کو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان فرما دیا ہے۔ اس میں ہرگز شک نہیں کہ ایسے لوگ زبان سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے وہ اسے معمولی بات سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات ہے۔ اور مجھے اکثر بار بار ستایا گیا مجھے یاد ہے کہ (از راہ تمسخر) میرا نام بڑے کان والا رکھا گیا۔ اور ان لوگوں کا یہ گمان اس لئے ہے کہ میں گوش بر آواز اور جملہ باتوں سے باخبر ہوں پوشیدہ باتوں سے واقف ہوں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی کہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان والا ہے۔ (اے رسولؐ) کہہ دے ان سے جو تمہیں کان والا گمان کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ کان تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر میں چاہوں کہ ان کے نام لوں تو میں ان کے ناموں کو بتا سکتا ہوں اور اگر میں ان کی ذات کی طرف اشارہ کرنا چاہوں تو اشارہ کرسکتا ہوں اور اگر ان کا پتہ بتانا چاہوں تو بتا سکتا ہوں مگر خدا کی قسم ان کے بارے میں میں تکرم کرتا ہوں الغرض ان تمام باتوں کے باوجود اللہ کی مرضی یہی ہے کہ میں اس کے پیغام کو پہنچا دوں جو اس نے مجھ پر نازل فرمایا ہے کہ اے رسولؐ! پہنچا دو اسے جو تم پر نازل کیا گیا ہے تمہارے رب کی طرف سے علیؑ کے

بارے میں اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا اس کی رسالت ہی کو نہ پہنچایا اور اللہ تمہیں لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

پس خبردار اے معاشر الناس! تحقیق اللہ نے معین کیا ہے علیؑ کو تمہارے لیے ولی اور ایسا امام جس کی اطاعت واجب ہے تمام مہاجرین و انصار اور تابعین پر اور ان کیلئے اسی میں بہتری ہے۔ پس تمام اہل دیہات پر اہل شہر پر، ہر عربی اور عجمی پر، ہر آقا و غلام پر، ہر چھوٹے بڑے پر، ہر کالے گورے پر اور تمام موحدین پر علیؑ کا حکم جاری ان کا قول جائز اور امر نافذ ہے۔ پس ملعون ہے وہ جو علیؑ کی مخالفت کرے۔ رحمت ہے اس پر جو علیؑ کا اتباع کرے۔ اور تصدیق کرے۔ لہٰذا بخش دے گا اللہ اس کو جو علیؑ کے احکام سن کر ان کی اطاعت کرے گا۔

لوگو! اس مقام پر یہ میرا آخری قیام ہے۔ پس سنو اور اطاعت و پیروی کرو اپنے پروردگار کے احکام کی۔ تحقیق اللہ تمہارا ولی اور معبود ہے پھر اسی کے حکم سے اس کا رسول محمدؐ تمہارا ولی ہے جو تم سے کھڑے ہو کر مخاطب ہے پھر میرے بعد علیؑ تمہارے ولی اور امام ہیں اللہ کے حکم کے مطابق اور پھر امامت میری اولاد میں جو علیؑ سے ہوگی قیامت تک رہے گی اللہ اور رسول کی بارگاہ میں کوئی شے حلال نہیں ہے لیکن وہی جسے اللہ نے حلال قرار دیا۔ اور کوئی چیز حرام نہیں ہے مگر وہ جسے خدا نے حرام کر دیا۔ میں نے وہ سب پہنچا دیا جس کی تعلیم میرے رب نے دی اپنی کتاب کے ذریعے۔

اے گروہ مردم! کوئی علم ایسا نہیں جس کا اللہ نے مجھ میں احصا نہ کر دیا ہو۔ اور جو علم مجھے ملا میں نے اسے امام المتقین علیؑ میں احصا کر دیا۔ اور کوئی علم ایسا نہیں ہے جو علیؑ کو نہ دیا گیا ہو۔ اور وہ ہی امام المبین ہیں۔

لوگو! علیؑ سے برگشتہ ہونا نہ ان سے متنفر ہونا۔ ان کی ولایت سے انکار نہ

کرنا کیونکہ یہ حق کی طرف ہدایت کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔ یہ باطل کو مٹانے والے اور اس سے روکنے والے ہیں۔ اور یہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ اول مومن خدا اور رسولؐ ہیں۔ انہوں نے اپنی جان سے خدا کے رسول کی مدد کی۔ اور ہمیشہ اللہ کے رسولؐ کے ساتھ رہے۔ اور ان سے پہلے کسی مرد نے اللہ کے رسولؐ کے ساتھ اللہ کی عبادت نہیں کی ہے۔

اے گروہ انسان! علیؑ کی فضیلت کو مانو۔ بلاشبہ اللہ نے ان کو فضیلت دی ہے اور انہیں تسلیم کرو کہ بے شک خدا نے ان کو نصب و معین فرمایا ہے۔

لوگو! بے شک یہ اللہ کیطرف سے امام ہیں۔ جو بھی ان کی ولایت کا منکر ہوگا اللہ ہرگز اس کی توبہ قبول نہیں کرے گا نہ کبھی اس کو بخشے گا۔ یہ اللہ کیلئے حتمی ہے کہ جو بھی اس کے حکم کی اس معاملہ میں مخالفت کرے وہ اسے دردناک عذاب دے جس میں وہ ہمیشہ رہے اور ہر زمانے میں رہے۔ پس ان کی مخالفت سے بچو ورنہ اس آگ میں ڈال دیئے جاؤ گے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

ایہا الناس! اللہ کی قسم میری بشارت تمام گزشتہ نبیوں' مرسلوں نے دی ہے کہ میں خاتم الانبیاء و المرسلین ہوں اور حجت ہوں تمام مخلوق پر خواہ وہ آسمان کے رہنے والے ہوں یا زمینوں کے پس جس نے شک کیا اس میں وہ کافر ہے مثل گزشتہ کفار جاہلیت کے اور جس نے میرے اس قول (غدیر) میں شک کیا گویا اس نے کل میں شک کیا اور جس نے کل میں شک کیا اس کیلئے جہنم ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر علیؑ سے حاصل کرو

معاشر الناس! اللہ نے ہمیں یہ فضیلت عطا فرمائی ہے جس کیلئے ہم اس

کے شکر گزار اور احسان مند ہیں اور نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا جبکہ ہماری جانب سے تمام تعریفیں ہر حال و زمانہ میں ہمیشہ کیلئے اسی اللہ کیلئے ہیں۔

اے انسانو! علیؑ کی فضیلت کو مانو۔ بتحقیق وہ میرے بعد ہر مرد و عورت سے افضل ہیں۔ اللہ ہمارے ہی سبب سے رزق نازل کرتا ہے اور باقی ہے خلق ملعون ہے ملعون ہے خدا کا غضب ہے خدا کا غضب ہے اس پر جو رد کرے میرے اس قول کو چاہے اس کے موافق نہ بھی ہو۔ بے شک خدا کی طرف سے جبرئیل نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ جو علیؑ سے عداوت رکھے اور ان کو دوست نہ رکھے پس اس پر میری لعنت اور غضب ہے۔ پس ہر نفس کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے کہ کل کیلئے کیا چھوڑا ہے۔ لہٰذا ان کی مخالفت کرنے میں اللہ سے ڈرو۔ ورنہ جمنے کے بعد تمہارے قدم اکھڑ جائیں گے۔ بے شک اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔

لوگو! یہ جنب اللہ ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ منافق کہیں گے کہ ہائے افسوس کہ ہم نے کمی کی جنب اللہ کے بارے میں۔

لوگو! غور کرو قران میں، اس کی آیتوں کو سمجھو اس کے محکمات میں فکر کرو۔ متشابہات کا اتباع مت کرو۔ پس خدا کی قسم ہرگز بیان نہ کر سکے گا۔ کوئی آیات اور واضح کر سکے گا اس کی تفسیر سوائے اس کے جس کا میں ہاتھ پکڑے ہوں اور اٹھائے ہوں جس کا شانہ پکڑ کر تم کو مطلع کرتا ہوں کہ بتحقیق جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ مولا ہیں۔ اور یہ علیؑ ابن ابی طالب میرے بھائی اور میرے وصی ہیں جن کی ولایت کے اعلان کا حکم مجھے اللہ عزوجل کیطرف سے نازل ہوا ہے"

بلاغت رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نقل کرنے کے بعد اس کی شرح میں کچھ کہنا دخل در معقولات ہو گا۔

دستار بندی اور قصیدہ خوانی

اگر مدعائے رسولؐ علیؑ کو صرف دوست بنانا ہی ہوتا تو قصیدہ خوانی، دستار بندی، مبارک بادی کی محافل کا انعقاد بالکل بے مقصد ہوتا۔ چنانچہ "مولا" کے اعزاز کا تقریری اعلان ایک طولانی خطبہ کے ذریعے فرمانے کے بعد سید کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے رسم دستار بندی کو ادا فرمایا۔ آپ نے حضرت امیر علیہ السلام کے سر پر اپنا عمامہ باندھ کر اپنا ولی عہد مقرر فرمایا یہ دستار بندی ثابت کرتی ہے کہ صحابہ کے ایک لاکھ سے زائد مجمع میں آپ نے اللہ کے حکم کے مطابق علیؑ کی وصایت کا اعلان عام فرمایا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے کنز العمال جلد نمبر ۸ ص ۶۰، ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ جلد نمبر ۲ ص ۱۶۷ وغیرہ

دربار نبوت کے ممتاز شاعر صحابی رسولؐ حضرت حسان بن ثابت نے اس موقع پر قصیدہ نظم کیا اور بارگارہ رسالت ماب میں پیش کیا۔ آپ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے حسان کو داد و تحسین سے نوازا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بنا دیھم یوم الغدیر خم بینھم   نجم و اسمع بالرسول منادیا

یقول فمن مولا کم و ولیکم   فقالوا ولم یبدو ھناک التطامیا

الھک مولانا و انت ولینا   و لم تومنا فی الولایتہ عاصیا

فقال قم یا علی فاننی   رضینک من بعدی اماما دھادیا

فمن کنت مولاہ فھذا و لیہ   فکونو الہ انصار صدق موالیا

ھناکٔ دعا اللھم وال ولیہ   وکن للذی عادا علیا معادیا

روز غدیر ان کے نبی نے منادی کی   بس سنو رسولؐ کیا کہتے ہیں

وہ فرماتے ہیں کہ تمہارا کون مولا اور آقا ہے   لوگوں نے بغیر دیر کئے جواب دیا

کہ اے رسولؐ تمہارا خدا ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے آقا ہیں   اور آپ

ہماری اطاعت میں کوتاہی نہیں دیکھیں گے

پس حضورؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ اٹھو کیونکہ میں نے تم کو اپنے بعد امام و ہادی منتخب کیا لیا ہے

لہٰذا جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے صدق دل سے اس کی اطاعت کرو

پھر دعا فرمئی الٰہی دوست رکھ اسے جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو اس کو دشمن رکھے

(تاریخ حبیب السیر۔ روضۃ الاحباب)

حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ بھی دیگر شاعر اصحاب رسولؐ نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے۔ مثلاً "صحابی بن صحابی حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کے مشہور اشعار ہیں جو انہوں نے روز صفین امام علیؑ کے سامنے پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ۔

"جب دشمن نے ہمارے خلاف بغاوت کی تو میں نے کہا اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اور ہمارے امام علیؑ ہمارے لئے کافی ہیں جو ایسے ہادی و امام ہیں جن کی صفت و مدح میں قرآن مجید نازل ہوا۔ اس دن (روز غدیر) کہ جس دن رسولؐ خدا نے فرمایا۔ جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ بے شک نبی کریم نے یہ بات ساری امت کو سنائی اور ساری امت کو یہ حکم دیا۔ یہ قطعی اور ہر طرح کے شک و شبہ سے پاک ہے۔"

(تذکرۃ الخواص الامتہ سبط ابن الجوزی باب دوم ص ۲۰)

خود حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اشعار میں اس واقعہ کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے اس پر احتجاج کیا ہے۔

زوال کی گھٹائیں

صد افسوس! ہزار حیف! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والوں نے اپنے نبی کے اس حکم سے روگردانی کرتے ہوئے سرتابی کی۔ حالانکہ اللہ اس سلسلے میں متعدد بار متنبہ' مطلع اور آگاہ کر چکا تھا لیکن خدا اور رسول کی پکار پر کان نہ دھرے گئے۔ غیر قدرتی' نامحمود' خلاف فطرت اور لادینی طریقوں کی آزمائش کا بھوت مسلمانوں کے سروں پر سوار ہو گیا جس کے نتیجے میں "آنا" فانا" زوال کی گھٹاؤں نے مسلمانوں کی زمین کے آسمان پر چھانا شروع کر دیا۔ اور ذلت و خواری کی بوندا باندی رفتہ رفتہ مہلک طوفانی بارش کی شکل اختیار کر گئی اسلام جیسا اچھا نام بھی ان کی بدنامی کا انسداد نہ کر سکا اربوں کی نفری میں ہونے کے باوجود مسلمان کی شیرازہ بندی ممکن نہ ہو سکی۔ حالانکہ "اسلام" کا فطری نتیجہ تو یہ ہے کہ تقدیر امم دست مسلم میں ہوتی ہے مگر دولت و ثروت' ریاست و حکومت' افواج و حربی آلات' افرادی قوت اور علمی و فنی بے مثال صلاحیت' اور دیگر وسائل و ذرائع میسر ہونے کے باوجود آج مسلمان غیر مسلم اقوام کا دست نگر نظر آتا ہے۔ دین بھی برباد ہو رہا ہے اور دنیا بھی خراب ہوئی جا رہی ہے۔ سکون میسر ہے نہ قرار' تحفظ نصیب ہے نہ امن' بھائی بھائی کا دشمن ہے عصبیت' بغض انتشار نے زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔

اطاعت و اتباع رسولؐ سے انحراف

اس ساری آفت کا پرکالہ' بدبختی کا سبب اول اور کسمپرسی کی جڑ وہی انحراف ہے جو خدا اور رسولؐ خدا کے حکم کے خلاف کیا گیا۔ اگر اطاعت رسولؐ سے روگردانی کی سازش نہ کی جاتی اور پیغمبر کے اعلان کردہ حکم پر عمل کر لیا جاتا تو لازما" اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق "تمکین دین" اور بلا خوف و خطر "امن و سلامتی" جیسے انعامات کی نوازش کرتا رہتا بربادی، امت' فساد ملت اور انتشار قوم جیسے عبرت ناک

عذاب یقینی طور پر حکم رسولؐ کی خلاف ورزی کرنے کا فطری نتیجہ ہیں۔ چنانچہ امام غزالی نے اس حقیقت کا اعتراف بڑے جرات مندانہ انداز میں کیا ہے جسے ہم ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

امام غزالی کا جرات مندانہ اعتراف

اجمع الجماهير على متن الحديث عن خطبته يوم غدير خم با تفاق الجميع و هو يقول من كنت مولاه فعلى مولاه فقال عمر بخ بخ لك يا اباالحسن لقد اصبحت مولانى و مولا كل مومن و مومنته هذا تسليم و رضى و تحكيم ثم بعد هذا اغلب الهوى لحب الرياست و حمل عمود الخلافته و عقود النبود و خفقان الهوى قعقعته الريات و اشتباك ازدهام الخيل وفتح الامصار سقا ،هم كاس الهوى فعادوا الى الخلاف الاول فنبذوه و ر ا ظهور هم و اشتروا به ثمنا قليلا فبئس ما يشترون

"یعنی رسولؐ کریم کے خم غدیر والے خطبے کے اس متن پر جمہور امت کا اجماعی اتفاق ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس کا میں مولا اس کا علیؑ مولا۔ حضرت عمر نے کہا مبارک ہو! مبارک ہو! اے ابوالحسن (علیؑ) تم نے کیسی اچھی صبح کی کہ تم میرے اور تمام مومنوں اور مومنات کے مولا ہوئے۔ اس طرح حضرت عمر نے علیؑ کی امامت کو تسلیم کر لیا۔ پھر اس کے بعد ریاست کی محبت' خلافت کے عمود' بڑے بڑے علموں کے پھریروں کی لہروں' گھوڑوں کے اژدھام اور فتوحات ممالک کی نمود نے ان لوگوں کو ہواو ہوس کا جام پلا دیا۔ پس انہوں نے اپنے اقرار کی خلاف ورزی کی اور اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اس سے بہت ہی سستی چیز خریدی اور وہ بری شے ہے جو انہوں نے خریدی ہے"

(سر العالمین امام ابوحامد محمد الغزالی ص ۸ مطبوعہ بمبئی) ؎

؎ یہ اس نسخے کی مطبوعہ نقل ہے جو خود امام غزالی نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے جو مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں محفوظ ہے عبدالعظیم وقانی نے ۱۳۱۴ھ میں اسے نقل کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور سبط ابن الجوزی نے تذکرۃ الخواص الامہ میں اس کتاب کو امام غزالی سے نسبت دے کر حوالے اخذ کئے ہیں۔

جلسہ غدیر میں امین وحی حضرت جبرئیل کی شرکت

آج تکمیل دین اور اتمام نعمت کا روز سعید ہے میدان غدیر میں میلے کا سا سماں ہے۔ سخت گرمی کے باوجود اس جشن کے انعقاد کی سرگرمیوں میں کوئی سردمہری کا نشان نظر نہیں آتا۔ چونکہ دین کائنات کی ہر شے کے لئے ایک مشترکہ نعمت ہے لہٰذا رب العالمین کی ساری خدائی میں گرم جوشی ہے ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے مخلوقات پر شادمانی طاری ہے، عرشی، فرشی، ارضی، سماوی ہر چیز مسرور ہے۔ اور اپنے اپنے انداز میں مالک یوم الدین کی بارگاہ میں ہدیہ تشکر ادا کر رہی ہے۔ رسولؐ اسلام کو نذرانہ تہنیت پیش کیا جا رہا ہے اور جانشین رسولؐ کو تبریک کے پیغامات موصول ہو رہے ہیں نوری مخلوق ملائکہ کی نمائندگی کا اعزاز امین وحی حضرت جبرائیل کو حاصل ہوا۔ وہ اس متبرک جشن کی مسرتوں میں شرکت کرنے کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ پورے انہماک سے ساری کارروائی ملاحظہ کرتے ہیں آدم زادوں کو مولا کے معنی و تشریح سمجھاتے ہیں۔

علیؑ سے بغض منافقت کی علامت ہے

جبرائیلؑ نے فرمایا! آنحضرتؐ کی ولایت کی لگائی ہوئی اس گرہ کو سوائے منافق کوئی نہ کھولے گا

"چنانچہ حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ کو کھڑا کر کے ارشاد فرمایا۔ جس کا میں مولا ہوں اس اس کا علیؑ مولا ہے۔ اے اللہ دوست رکھ اسے جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اسے جو اس کو دشمن رکھے اور چھوڑ دے اسے جو اس کو چھوڑ دے۔ نصرت دے اس کو جو اس کو نصرت دے پروردگار! تو میرا ان پر گواہ ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہی کہ میرے پہلو میں ایک خوبصورت نوجوان سہانی طیب خوشبو والا کھڑا تھا۔ مجھے کہنے لگا اے عمر!

سرور دین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسی گرہ لگائی ہے کہ منافق کے سوا کوئی اسے نہ کھولے گا۔ پس (خبردار) تو اس کو کھولنے سے ڈرتا رہ۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ پھر میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! جب کہ حضورؐ نے علیؑ کے حق میں ارشاد فرمایا! تو میرے پہلو میں ایک سوندھی خوشبو والا نوجوان موجود تھا اس نے مجھ سے ایسا کہا تھا پیغمبر دو جہاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جواب دیا۔ اے عمر! وہ شخص آدم کی اولاد میں سے نہیں تھا بلکہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ اور میرے کہنے کی تاکید کرنے کے لئے آئے تھے جو کچھ میں نے تم لوگوں سے علیؑ کی نسبت کہا تھا"

(مودۃ القربی علامہ شہاب الدین ہمدانی)

حضرت عمر ولایت علویہؑ کو تسلیم کرتے تھے

مولا کا مطلب بیان عمر کی روشنی میں: حضرت عمر کے اس بیان کی روشنی میں "مولا" کے معنی بڑے واضح اور روشن ہو جاتے ہیں کوئی بھی یہ نہ کہے گا کہ حضرت علیؑ اور حضرت عمر اس وقت آپس میں دوست نہ تھے۔ ایک دوسرے کے ناصر یا مددگار نہ تھے بلکہ حضرت عمر کا اس وقت فرط جذبات میں طمطراق کے ساتھ مبارک باد پیش کرنا اور گرم جوشی کا اظہار فرمانا ان کی دوستی کا واضح نشان ہے۔ اگر "مولا" کے مقصودی معنی دوست ہوتے تو پھر حضرت جبرئیلؑ کو حضرت عمر سے ایسا مکالمہ کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ وہ پہلے ہی پکے دوست تھے یا پھر یہ کہا جائے کہ عمر علیؑ سے دشمنی رکھتے تھے۔ اسی لیے جبرئیل نے تاکید کی جبکہ یہ مفروضہ ناقابل تسلیم ہوگا۔ پس "مولا" کے وہی معنی مراد ہیں جن معنی میں رسولؐ اللہ امت کے مولا تھے یعنی سید المطاع۔ حاکم بالتصرف۔

روحانی دنیا کا جلسہ عام

دین "دنیوی زندگی" اور "روحانی حیات" دونوں پر یکساں حاوی ہے۔ کثیف دنیا کے تقاضوں کے مطابق دین مرحلہ وار بتدریج نازل ہوا جو روز غدیر پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ کرۂ ارض کے میدان غدیر خم میں عظیم الشان اور روح پرور اجلاس کا انعقاد ہوا جس کی صدارت سید البشر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی اور نوع انسان کو اتمام نعمت کا مژدہ سنا دیا۔

روحانی دنیا جو لطیف ہے، وہاں بھی ایسا جلسہ عام بڑے لطیف انداز میں منعقد ہوا۔ خلیفۃ الارض حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل خلاق عالم نے عالم ارواح میں تمام روحوں کو اکٹھا کر کے اپنے لطف خاص سے ہر روح سے امارت علویہؑ کا عہد واقرار حاصل کیا"حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ اکرم نے فرمایا اگر لوگ جان لیتے کہ کب سے علیؑ امیرالمومنین ہیں تو ہرگز ان کی فضیلت کا انکار نہ کرتے۔ علیؑ اس وقت امیرالمومنین بنے جبکہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی روح خاص جسم میں داخل نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "میں تمہارا رب ہوں، محمدؐ تمہارا نبی ہے، علیؑ تمہارا امیر ہے۔"

(فردوس الاخبار۔ دیلمی)

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، خاتم النبینؐ کی نبوت اور علیؑ کی امارت کا اقرار ارواح سے لیا گیا یعنی بعد از رسولؐ علیؑ تمام اہل ایمان کے امیر ہیں۔ پس یہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت بلا فصل کا روحانی ثبوت ہے۔

میثاق رسالت محمدیہؐ

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ۔

"(اے محمدؐ یاد کرو) جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ ہم تم کو جو کچھ کتاب و حکمت عطا کریں اور اس کے بعد وہ رسولؐ آئے جو تمہاری رسالت کی تصدیق کرنے والا ہو گا تو تم سب اس پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا اور نصرت کرنا اور پھر ان (انبیاءؑ) سے پوچھا کہ کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور میری رسالت کو اس شرط کے ساتھ لیتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اقرار کرتے ہیں۔ اب خدا نے فرمایا کہ تم سب اس کے گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ اس کا شاہد ہوں پس اس کے بعد جو اپنے اقرار سے پھر جائیگا وہ فاسقین میں سے ہوگا"

(سورۂ آل عمران آیت۔ ۸۱۔۔۸۲)

یہ امر متفق علیہ ہے کہ یہ آیتیں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ہیں۔ حضورؐ ہی کی تصدیق رسالت کا عہد تمام انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا۔ احادیث متواترہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح انبیاء سے ولایت علویہ کی تصدیق کا عہد لیا گیا۔ مثلاً"

"حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جب میں شب معراج آسمانوں پر گیا تو وہاں تمام انبیاءؑ جمع ہوئے خدا کی طرف سے میری جانب وحی ہوئی کہ اے محمدؐ ان سے پوچھو کہ تم کن امور پر مبعوث ہوئے تھے۔ پس انہوں نے جواب دیا کہ ہم مبعوث ہوئے تھے اس شہادت پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپؐ کی نبوت اور علی ابن ابیطالب کی ولایت کے عہد و اقرار پر (قرآن مجید کی آیت ہے۔ وسئل من ارسلنا من رسولنا یہ اسی سلسلے کی آیت ہے۔) حدیث کا ذکر شیخ مرتضیٰ عارف ربانی علی الہمدانی نے اپنی کئی تصانیف میں کیا ہے۔ حافظ نعیم نے اس کو نقل کیا ہے"

(توضیح الدلائل۔ علامہ شہاب الدین احمد)

میثاق ولایت علویہ

"النبی اولی بالمومنین من انفسهم و ازواجه امهتهم○ و اولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتب الله من المومنین والمهاجرین الا ان تفعلوا الی اولیئکم معروفا کان ذلک فی الکتب مسطورا○ و اذ اخذنا من النبین میثاقهم و منک و من نوح و ابراہیم و موسی و عیسی ابن مریم و اخذنا منهم میثاقا" غلیظا"○ یسئل الصدقین عن صدقهم و اعد للکفرین عذابا" الیما"○

(الاحزاب۔ آیت۔ ۶، ۷، ۸)

نبیؐ مومنین کیلئے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے۔ اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ مگر اللہ کے نوشتے کے مطابق مومنین اور مہاجرین کی نسبت بعض قرابت دار بعضوں سے زیادہ حقدار ہیں (اولیٰ ہیں) البتہ اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی کرو (تو یہ الگ بات ہے) اور یہ بات کتاب میں تحریر شدہ ہے۔

اور جب ہم نے نبیوںؑ سے ان کا میثاق (پکا عہد) لیا۔ اور (اے رسولؐ) تجھ سے۔ اور نوحؑ سے اور ابراہیمؑ سے اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ سے اور ہم نے ان کا پکا عہد لیا۔

تاکہ وہ (اللہ) سچ کے امانت داروں سے ان کی سچائی (کی حفاظت) کے متعلق سوال کرے اور اس نے انکار کرنے والوں (ناشکر گذاروں) کیلئے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ان آیات کو خطبۃ الغدیر سے متصل کرکے دیکھئے کہ نفس مضمون میں کس قدر مماثلت ہے۔ روز غدیر حضورؐ کا حاضرین سے **الست اولی بکم منکم بانفسکم؟** کا سوال تین مرتبہ دہرانا۔ پھر اپنے رشتوں میں سے عترت اہل بیتؑ کو مخصوص فرما کر انہیں ثقل ثانی قرار دینا اور ولایت علویہؑ کا اعلان فرمانا۔ ان آیات کی تعبیر نہیں تو پھر کیا تھا؟ تمام نبیوںؑ سے میثاق رسالت محمدیہؐ لیکر اب سب

نبیوں اور خود سید النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی میثاق حاصل فرمانا از خود بتاتا ہے کہ یہ "میثاق ولایت" ہے تمام صاحبان شریعت رسولوں کا نام بنام ذکر فرمانا اس امانت سچ کی حفاظت کے متعلق سوال پوچھا جانے کے بارے میں مطلع کرنا اور انکار کرنے والوں کو عذاب الیم کی سزا سنانا تمام ثابت کرتا ہے کہ یہ میثاق "تکملہ دین" سے لاینفک سے تعلق رکھتا ہے جو ولایت امیرالمومنین علیہ السلام ہے۔ چنانچہ حدیث رسولؐ مقبول ہے کہ۔

"عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس فرشتہ آیا اور پیغام لایا کہ اے محمدؐ پوچھو کہ ہم نے رسولان سلف (نوحؑ ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسیٰ علیہم السلام) کو کس امر پر مبعوث کیا تھا میں نے عرض کیا کہ ارشاد ہو۔ جواب ملا کہ وہ تیری رسالت اور علیؑ بن ابی طالب کی ولایت کے اقرار پر"

(تفسیر ثعلبی، تفسیر انوری، کتاب المناقب اخطب خوارزم)

المختصر تمام عالمین میں غدیر کے جلسے دھوم دھام سے ہوئے۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلے کا احترام کرے۔ قدرت نے فطری طور پر نفس انسانی پر اس کی بدکاریاں اور پرہیزگاری الہام کر دی ہے۔[1] اسے چاہیے کہ اپنے محدود اختیارات کو اطاعت دین میں استعمال کرکے اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا عملی ثبوت پیش کرے اور نافرمانی کرکے امانت میں خیانت کا ارتکاب نہ کرے کیونکہ اس کی سزا جہنم ہے۔ پس اللہ نے دو ٹوک الفاظ میں فرما دیا ہے کہ

[1] فالھمھا فجورھا و تقوھا (الشمس ۔ ۸)

"اور کسی مومن یا مومنہ کیلئے یہ مناسب نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو پھر اس امر میں ان کی کوئی رائے رہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرتا ہے "ضل ضلالا مبینا" (صریحا" گمراہی ہے" (الاحزاب۔ ۳۶)

خلقت انسان کے دو مقاصد

قرآن مجید میں تخلیق انسان کے دو مقصد واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ اول یہ کہ۔

مقصد اول عبادت

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذاریت۔ ۵۶) اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے خلق کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اس ارشاد ربانی کی رو سے مقصد خلقت انسان اللہ کی عبادت ہے۔

عبادت کیا ہے؟

چنانچہ پہلا مقصد تخلیق انسان "عبادت" ہے۔ عبادت کامفہوم جس سے ہمارے ذہن مانوس ہیں وہ نماز' روزہ' ذکر الٰہی' زکوٰۃ' حج' جہاد یا پھر دیگر نیک کام ہیں۔ لیکن سورۂ یٰس میں ارشاد ہوتا ہے کہ۔

یعنی اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا' وہ یقیناً" تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری عبادت کرنا کیونکہ یہی صراط مستقیم ہے۔

(سورۂ یٰس آیت ۶۰ اور ۶۱)

آیت سے واضح ہوتا ہے کہ بنی آدم کی اکثریت شیطان کی عبادت میں مشغول ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو کوئی شیطان کی نماز پڑھتا ہے۔ نہ اس کا روزہ رکھتا ہے۔ نہ اس کے نام کی خیرات کرتا ہے۔ نہ اس کی خوشنودی کیلئے حج پر جاتا ہے۔ یہ سب کچھ جو عبادات ہیں وہ تو انسان صرف اللہ کیلئے کرتے ہیں۔ پھر شیطان کی عبادت کیا ہے؟ یعنی مفہوم عبادت مشکوک قرار پایا۔

دراصل لفظ عبادت "عبد" سے مشتق ہے۔ عبد کے معنی بندہ یا غلام ہیں۔ اب جو عمل بھی بندہ اپنے مالک کی خوشنودی اور اطاعت کیلئے سرانجام دے گا وہ اس عبد کی عبادت ہوگی۔ یا یوں کہیے کہ۔

عبد کا آقا کیلئے آقا کی نیابت میں آقا کے کاموں کا سرانجام دینا عبادت ہے۔ یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ غلام کی ڈیوٹی کیا ہے؟ غلامی، عبدیت یا بندگی میں کیا کیا کام داخل ہیں اسے ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

مثلاً "ایک تن تنہا عمر رسیدہ شریف آدمی کسی مکان میں رہائش پذیر ہے۔ اس کو اپنی تمام ضروریات زندگی خود مہیا کرنا پڑتی ہیں۔ بازار سے سودا سلف لانا، کھانا پکانا، گھر کی صفائی کرنا، محلے کے نل سے پانی بھر کر لانا، کپڑے دھونا وغیرہ وغیرہ تمام کام جو زندگی بسر کرنے کیلئے ضروری ہوتے ہیں اسے خود ہی کرنے پڑتے ہیں ایک روز اس کا ایک دوست مہمان آتا ہے اور اسے بہت زحمت میں مبتلا پاتا ہے۔ لہٰذا ازراہ رحم وہ اس کو ایک غلام خرید کر دے دیتا ہے۔ یہ تنہا شخص اب ایک غلام کا آقا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ کام جو پہلے آقا خود بنفس نفیس کیا کرتا تھا اب اس کے غلام کے ذمے ہوں گے۔ آقا حکم کرے گا غلام تعمیل۔ لہٰذا یہی اطاعت مندی اس غلام کی بندگی یا عبادت ہوگی۔

مقصد دوم خلافت و نیابت الٰہیہ

دوسرا مقصد خلقت انسان یہ ہے کہ۔

"و اذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ" (البقرہ۔ ۳۰) یعنی اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا

ہوں۔

اس آیت کے مطابق مقصد تخلیق انسان نیابت خدائے بزرگ ہے۔ یعنی انسان اس قدر بلند مرتبت ہے کہ وہ اللہ سبحانہٗ کا اس زمین پر نائب یا قائم مقام یعنی خلیفہ ہے۔

عبادت و خلافت کا باہمی رشتہ

حقیقی بندگی و عبادت اور خلافت و نیابت دونوں مقاصد کے باہمی رشتے کی وضاحت اوپر بیان کردہ مثل سے ہوجاتی ہے کہ تخلیق انسان کی غرض و غایت مالک حقیقی کے کاموں کو اس کی نیابت و اطاعت میں اسی کے منشاء کے مطابق سرانجام دینا ہے۔ انسان کو اللہ نے اپنا خلیفہ یا نائب قرار دیا ہے۔ اللہ کے کام جو وہ اپنی جلالت قدر کے سبب خود سرانجام نہیں دیتا اللہ کی نیابت میں، اللہ کیلئے، اللہ کی مرضی کے مطابق سرانجام دینا ہی اللہ کی عبادت ہے اور یہی اس کی خلقت کا مقصد ہے۔

ان دونوں مقاصد کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ انسانوں کو خدا نے جب اپنی بندگی کیلئے خلق کیا تو ان پر ایک نائب بھی مقرر کیا جو انسانوں کی عبادت کے سلسلے میں ان کی اصلاح کا ذمہ دار ہے اور ان کو صراط مستقیم پر قائم رہنے کی ہدایت و تلقین کرتا ہے۔ شیطان کی عبادت سے روکتا ہے۔ خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ یا نائب میں نیابت الٰہی کے فرائض بجالانے کیلئے ضروری ہے کہ اس میں کسی قدر وہ صفات بھی موجود ہوں جو اس ہستی میں ہیں جس کا وہ نائب ہے یعنی اسے مظہر خدا ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آدمؑ کو اللہ نے خلیفہ بنایا تو اسے اپنی روح خاص سے نواز کر مسجود ملائک بنایا۔

خلافت آدمؑ

جس طرح یوم غدیر اللہ کے رسولؐ نے اپنا نائب مقرر کرنے کا اعلان عام مجمع ناس میں فرمایا تھا روز الست اسی طرح کا ایک پر ہجوم جلسہ عام اللہ نے فرشتوں کا طلب کیا تھا اور اپنے خلیفہ آدمؑ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا تھا۔

ملائکہ کے ایک وڈیرے نے اس سے سرتابی کی تو شیطان لعین بنا دیا گیا۔ عقل ناقص کی رو سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ فتنہ کو سر اٹھانے سے پہلے کچل دیا جاتا اور اس سرکش کو موقع واردات پر ہی اس کی سرکشی کی سزا دے دی جاتی اور اسے کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا۔ لیکن رحمان نے شیطان کو مہلت دی۔ طویل عمر کے ساتھ قوت، غلبہ اور اقتدار بھی دیئے تاکہ مالک اپنے بندوں کو آزما سکے۔ لہٰذا شیطانی قوتوں کی زور آزمائیوں، نام نہاد ترقیوں، مادی عروجوں اور عارضی خوشحالیوں کو دیکھ کر دین پسند حلقوں کو مرعوب ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں کیونکہ یہ اسی ازلی ڈھیل کا نتیجہ ہے جو خدا نے ایک باغی کو وقت مقررہ تک دے رکھی ہے۔ ناری خلقت شیطان کے پیروکاروں کی روشن کردہ یہ ایک آگ ہے جو وہ اپنے گرد جلائے ہوئے ہیں مگر عنقریب وہ اپنی ہی لگائی ہوئی اس آگ میں خود بھی بھسم ہو جائیں گے۔

منصب خلافت

خلافت کے معنی ایک کام میں کسی جگہ پر ہونا، کسی کے بعد باقی رہنا یا کسی کے بعد آنا یعنی کسی کا جانشین بننا یا ولی عہد ہونا۔ خلیفہ مقرر ہونا ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا نے جب سلسلہ استخلاف جاری فرمایا تو اس کی غرض و غایت خالق حقیقی کے کاموں کو اس کی نیابت و اطاعت میں اس کی منشاء کے مطابق سرانجام دینا ہے۔
یعنی نیابت خدا کی یہ اعلیٰ وارفع منزل محض دنیا کے چار روزہ اقتدار تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے خلیفے تو ہماری دنیا کو دین کی دنیا بنانے کیلئے فائز ہوتے ہیں۔

اس لئے اللہ، کلام اللہ، دین اللہ جس رسولؐ اللہ کی اطاعت کا تقاضا کرتے ہیں۔
اس کی حقیقت کو تو فطری، واضح اور ہر طرح کے شک و شبہ اور نقص سے پاک ہونا
قدرتاً" لازمی ہے۔ کیونکہ دین خدا کو جو تمام انسانیت اور پوری کائنات کا دین ہے
فطرۃ اللہ سے موسوم کیا گیا ہے لہٰذا ایسے نائب خدا کو کسی ارضی حدود یا قید زمانہ
سے قطعی بے نیازی حاصل ہے۔ اسی لیے آیت استخلاف میں آپ ملاحظہ کر سکتے
ہیں کہ دنیا کی بادشاہی کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا ہے بلکہ دین کی تمکین
قدرت اور اقتدار کا اظہار کیا گیا ہے۔ پس خلیفہ خدا کا بنیادی مقصد منصب استحکام
دین ہے۔ البتہ اقتدار ارضی دین ہی کا ذیلی شعبہ ضرور ہے اس لیے جو بھی اللہ کا
حقیقی خلیفہ ہوگا اصولی طور پر اسے مسند نشینی کا حق حاصل ہے۔

استخلاف بمطابق سنت الہیہ

سورۂ نور کی پرنور آیت استخلاف وعد اللہ الذین امنو منکم ــــ الخ میں خلاق عالم نے مومنین میں کے بعض افراد کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ مومن اعمال صالحہ بجالاتے ہوں تو انہیں اسی طرح خلیفہ بنا دیا جائیگا جس طرح کہ ان سے پہلے بنائے گئے تھے۔ اس عطائے خلافت کے بعد باری تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ ان کے پسندیدہ دین (اسلام) کو مستحکم کر کے ان کے ہر طرح کے خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ وہ اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد جو کوئی کفر کرے گا تو وہی نافرمان ہے۔

شرائط خلافت

یعنی رب العزت نے استخلاف کیلئے مندرجہ ذیل شرائط مقرر فرمائے۔

(ا) وعدہ صاحب ایمان سے ہے۔

(ب) وہ مومن صالح ہو۔

(ج) منصب خلافت اسی طریقے سے عطا کیا جائیگا جو پہلے سے رائج ہے اور اللہ کی سنت میں تبدیلی محال ہے۔

(د) دین کو تمکین بخشے گا۔

(ر) خوف کی جگہ امن طاری ہو گا۔

(س) خلیفہ اللہ کی عبادت کرے گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا۔

(ص) ایسے خلیفے کا منکر فاسق ہو گا۔

ایمان کل

چنانچہ خدائے بزرگ نے جو ہرگز وعدہ خلاف نہیں امت محمدؐ میں حضورؐ کے بعد اپنا پہلا خلیفہ امیرالمومنین علی علیہ السلام کو مقرر کیا۔ اور اپنے رسولؐ کے ذریعے روز غدیر اس کا اعلان عام کرایا۔ اللہ کا منتخب کردہ یہ خلیفہ اس کی اول شرط "ایمانداری" میں بینظیر ہے کہ لقب اس کا امیرالمومنین ہے اور رسول صادق نے اس خلیفہ کے بارے میں گواہی دی ہے کہ "ایمان مجسم" بلکہ "ایمان کل" فضل اللہ بن روز بہان کشف الغمہ میں تحریر کرتے ہیں کہ جمہور اہل سیر روایت کرتے ہیں کہ (روز خندق) جناب امیرؑ جب عمرو بن عبدود کے مقابلے میں نکلے تو سید الانبیاءؐ نے فرمایا "پورا ایمان" "پورے کفر" کے مقابلے کو نکلا ہے۔ اور یہ ایسا اعزاز ہے کہ کسی بھی دوسرے بزرگ کو حاصل نہیں۔ اسلامی سرمایہ علمی میں ایسی کوئی کمزور یا ضعیف روایت کسی بھی دوسرے کے لئے بزبان رسولؐ دستیاب نہیں ہے۔ لہٰذا خدا نے معیار ایمان کی شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے امت کے ایماندار ترین فرد کو خلعت خلافت سے نوازا۔

صالح المومنینؑ

شرط دوم یہ کہ وہ مومن فاضل ترین ہونے کے ساتھ صالح ہو۔ چنانچہ امیرالمومنین کے صالح المومنین ہونے کی گواہی خود پروردگار عالم قرآن مجید میں دیتا ہے۔

"ھو مولاہ جبرئیل و صلح المئومنین" (التحریم۔ ۴)

"ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس قول پرودگار میں صالح المومنین سے علیؑ ابن ابی طالب مراد ہیں" (ابن عساکر۔ ابن مردویہ بحوالہ تفسیر در منثور سیوطی)

پھر کون کہہ سکتا ہے کہ یا علیؑ مدد کہنا بدعت ہے جب کہ رسولؐ کے مدد گار خدا۔

امام فخرالدین رازی تحریر کرتے ہیں کہ مفسرین کہتے ہیں کہ صالح المومنین سے مراد علیؑ بن ابیطالب ہیں جو مولیٰ کے معنی ناصر کے ہیں کیونکہ اللہ اور جبرئیل اور صالح المومنین کے درمیان لفظ مولیٰ کا مفہوم مشترک ناصر کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا"

(اربعین امام رازی)

"حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خدائے پاک کی کلام میں صالح المومنین سے مراد علیؑ ہیں" (حلیتہ المتقین ابو نعیم ابن حاتم اور کنزالعمال علی متقی)

اللہ اور اس کے رسولؐ کی شہادتوں کے بل بوتے پر صالحیت کی شرط دوم پوری ہوئی۔ اس فضیلت" صالح المومنین" میں جناب امیرؑ کا منفرد ہونا ثابت ہے۔ کسی دوسرے کیلئے کسی جگہ ایسا اعزاز نظر سے نہیں گزرا۔

سنت سابقہ

شرط سوم یہ ہے کہ عطائے خلافت حسب سنت سابقہ ہوگی۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ اللہ نے اپنے خلیفے کس طرح بنائے ؟ چنانچہ ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے خلیفے منصوص ہوئے۔ کسی قوم کو یہ اختیار نہ دیا گیا کہ وہ جمہوری فیصلے سے کسی کو چن کر اپنا خلیفہ بنالیں بلکہ حالات انبیاءؑ سے ماخوذ ہے کہ نبی اپنے وصی کیلئے دعا کرتے اللہ قبول کرتا اور خلافت کا منصب اسے عطا کرتا۔

اپنے نبی کو اس تقرر کا اعلان کرنے کی ہدایت کر دیتا۔ جیسا کہ آدمؑ کے منصوص خلیفہ حضرت شیثؑ، حضرت نوحؑ کے حضرت سامؑ، حضرت موسیٰؑ کے منصوص خلیفہ جناب یوشعؑ، حضرت داؤدؑ کے خلیفہ حضرت سلیمانؑ، حضرت عیسیٰؑ کے خلیفہ حضرت شمعونؑ اور سرکار رسالت مابؐ کے منصوص خلیفہ حسب سنت

اہلیہ جناب امام المتقین علی علیہ السلام ہوئے۔ حضورؐ نے بحکم خدا میدان غدیر میں اس کا اعلان عام فرمایا۔

تمکین دین

چوتھی شرط یہ ہے کہ خلیفہ دین کو مستحکم کرے گا۔ تمکین و استحکام کا مدار علمی استعداد پر ہوتا ہے چنانچہ حکیم الامت علامہ اقبال نے فرمایا۔

ذات او دروازۂ شہر علوم　　زیر فرمائش حجاز و چین و روم

مسند شاہی شرط خلافت نہیں

ارشاد خداوندی میں یہ بات ہرگز نہیں پائی جاتی ہے کہ اللہ کا بنایا ہوا خلیفہ بزور تلوار و تفنگ ملک گیری کرے گا اور مفتوحہ علاقہ جات میں دھونس و خوف کے ذریعے غیر قوموں کو زبردستی مسلمان بنائے گا۔ بلکہ سرے سے اقتدار ارضی شرط خلافت ہے ہی نہیں۔ معیار خلافت یہ ہے کہ دین کی نشرواشاعت، تبلیغ و ترویج، دعوت و ارتغاب کے علمی و عملی طریقوں کے ساتھ لوگوں میں تعلیمات دین کی ذہنی طور پر راسخ، قلبی طور پر مقبول اور عملی طور پر موثر اور فعال بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گا۔ امیرالمومنین علیہ السلام کی اس سلسلے میں عالم طفولیت سے آخری ضربت تک کے کارہائے نمایاں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ خطبات میں، رقعات میں، مراسلات میں، دین کے مستحکم کر دینے میں وہ کمال پایا ہے کہ "سلونی سلونی" گفتگو کو سن کر منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ اور پتھر دلوں میں اسلام اپنا مقام بنالینے میں کامیابی سے ہم کنار ہوجاتا ہے۔ علیؑ جہاں چاہتے ہیں پورے علم کو سمیٹ کر نقطہ میں محفوظ فرمالیتے ہیں جوش خطابت میں تفصیل کرتے ہیں تو علمی جواہر پاروں کا بوجھ اٹھانے کیلئے ستر اونٹ بھی یہ بار گراں برداشت کرنے سے قاصر نظر

آنے لگتے ہیں۔

استحکام دین

تمکین دین اور استحکام اسلام کیلئے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی عملی جدوجہد فقید المثال حیثیت کی حامل ہے۔ جہاد بالدعوت ایسی ہے کہ وعظ و نصیحت اور ترغیب و ترتیب سے محکم دلائل قائم فرما کر مخالفین کے تمام شبہات کو رفع کرنے میں پوری مہارت رکھتے ہیں اور ان کے دل کو اسلام کا گرویدہ بنا لینے میں کامل دسترس رکھتے ہیں۔ اور فی الحقیقت اسی قسم کا جہاد منشاء خدا کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے نہایت افضل و اعلیٰ ہے۔ روایت میں ہے کہ۔

"براء بن عازب سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے ایک مرتبہ خالد بن ولید کو یمن روانہ فرمایا تاکہ اہل یمن کو اسلام کی طرف دعوت دیں میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ خالد چھ ماہ تک دعوت اسلام کرتے رہے مگر لوگوں نے ان کی کسی بات کو قبول نہ کیا۔ چنانچہ حضورؐ نے ان کی جانب علیؑ کو بھیجا۔ جب جناب علیؑ حدود یمن میں وارد ہوئے تو سب لوگ ان کی خدمت میں جمع ہوئے۔ علیؑ نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سب لوگ علیؑ کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ آپؑ ہمارے سامنے تشریف لائے اور خدائے لایزال کی صفت و ثنا کے بعد سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خط پڑھکر سنایا۔ اس کے اثر سے ہمدان کے تمام باشندے ایک ہی دن میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ یہ خبر بارگاہ رسالت میں لکھ کر بھیجی گئی تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سجدۂ شکر بجالائے۔

(الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب حافظ ابن عبدالبر)

دفاع دین

دفاع دین کی خاطر جناب امیرعلیہ السلام کا جہاد و بالسیف محتاج بیان نہیں ہے۔ شیر خدا کی شجاعت سے جس قدر نفع پہنچا ہے وہ کسی اور سے نہیں پہنچا۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"صحابہ میں مثل ابودجانہ اور خالد بن ولید کے ایسی جماعت تھی جو شجاعت میں مشہور تھی۔ مگر سب کی شجاعت سے جناب امیرعلیہ السلام کی شجاعت زیادہ تر نفع رساں تھی۔ تم نے نہیں دیکھا کہ جنگ احزاب کیدن حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ علیؑ کی ایک ضربت جن و انس کی عبادتوں سے افضل ہے۔"

(اربعین)

خوف کی جگہ امن

شرط پنجم خوف کی جگہ امن کا قائم کرنا ہے۔ ہر خوف کا سبب کوئی فتنہ ہوتا ہے۔ چنانچہ خود جناب امیرعلیہ اسلام نے فرمایا۔

"انا قبلب عین الفتنہ" (خصائص نسائی۔ ارجح المطالب)

یعنی میں فتنے کے چشمے سے محفوظ رکھنے والا ہوں۔

جب فتنہ نہیں ہوگا تو خوف از خود مفقود ہوجائیگا۔ آج تک محل خوف و ہراس میں "نعرۂ حیدری" "یا علیؑ" خطرات کو رفع کرنے کی یقینی ڈھال ہے۔

بندگی خدا

شرط ششم یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے مقرر کردہ خلیفہ اللہ کی بندگی کرے گا۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرے گا۔ امیرالمومنین علیہ السلام کی عبادت کسی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے حتیٰ کہ خود ان کا دیدار ' ذکر اور محبت عبادت بن گئے ہیں۔ پھر آپؑ کا "کرم اللہ وجہہ" کہلوانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ کی پیشانی کبھی غیر خدا کے آگے نہیں جھکی ہے۔

منکر نافرمان ہے: پس آخری شرط کی روشنی میں مندرجہ بالا معیار پر اترنے والے خلیفہ خدا کی تکفیر کرنے والا شخص نافرمان ہو گا۔

کیا خدا نے وعدہ استخلاف ارضی کو پورا کیا؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا نے آیت استخلاف میں خلافت فی الارض کا وعدہ پورا کیا یا نہیں؟ اس سلسلے میں اول غور طلب امر یہ ہے کہ آیت میں "وعد اللہ" بصیغہ ماضی مستعمل ہے۔ اور خطاب حضرت رسالتؐ مآب سے ہے اور "منکم" میں "من" تبعیضہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔ بظاہر خدا نے اپنا وعدہ عہد رسولؐ پاک میں پورا کیا جیسا کہ تفسیر خازن صفحہ ۳۴۷ اور معالم التنزیل جلد نمبر۳ صفحہ ۸۵ میں ہے کہ نزول وحی کے بعد حضورؐ صحابہ کیساتھ مکہ میں دس برس رہے اور بمطابق حکم آپؐ اپنے ساتھیوں سمیت کفار کی ایذاء ہی پر صبر کیے رہے حالانکہ مسلمانوں کی حالت خوف میں ہوتی پھر ان کو ہجرت کا حکم ملا کہ مدینہ کوچ کر جائیں وہاں ان کو حکم جہاد ملا حالانکہ وہ سب حالت خوف میں تھے ایسے کہ ان میں کوئی بھی اپنے حفاظتی ہتھیار کو جدا نہ کرتا تھا چنانچہ ایک صحابی نے کہا کاش! وہ دن بھی آئیں کہ ہم امن میں رہیں۔ ہتھیار جنگ اتار دیں تو خدا نے یہ آیت استخلاف نازل فرمائی جس سے مطلب یہ تھا کہ ہم ان کو کفار کی زمین کا وارث کریں گے خواہ عرب ہوں یا عجم چنانچہ وہ وعدہ ظاہری حیات پیغمبرؐ ہی میں پورا ہو گیا کہ بادشاہ سردار و باشندہ زمین مسلمانوں کو بنا دیا۔ فتح مکہ ہوا تو بعض صحابہ دوبارہ مکے میں آکر آباد ہوئے۔ حرم کعبہ جو کفار و مشرکین کے زیر تسلط تھا اب موحدین کی جائے امن و امان قرار پایا۔ کفار، مشرکین، یہود کا تسلط مکہ اور مدینہ سے ختم ہو گیا۔ اب مسلمان وہاں امن و سکون سے رہنے لگے چنانچہ وعدہ خدا مسلمانوں کیلئے زمانہ رسولؐ مقبول میں پورا ہو گیا۔ کہ وہ کل جزیرہ عرب میں سکھ کا سانس لینے لگے۔ یہ وعدہ خداوندی کے ایفا کا ایک عمومی پہلو تھا۔ اس وعدہ استخلاف میں اقتدار حکومت کا مروجہ معنی میں اطلاق ہرگز مقصود نہیں ہے کیونکہ خلیفہ خدا کیلئے یہ بات شرط نہیں ہے کہ کسی خطہ ارض کا حکمران یا بادشاہ بنے باوجود اس کے کہ خلیفہ خدا کا یہ

حق ہے کہ وہ ریاست کا سربراہ ہو لیکن سابقہ خلفاء خدا میں کی اکثریت اقتدار سے محروم رہی۔ اور یہ محرومی ان کے خلیفہ ہونے پر اثرانداز نہ ہوئی۔ تاہم اس آیت کی مکمل تعبیر اس وقت ہوگی جب سارے خطہ ارض پر دین کا پرچم لہرائے گا اور باطل نیست و نابود ہو جائے گا۔

خلیفہ خدا صراط مستقیم کی نگرانی کرتا ہے اور امانت الٰہی کا امین ہوتا ہے

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ بندگی دراصل اطاعت کامل ہے۔ یہ نورالسموت والارض کی عظیم امانت ہے جسے "دین" کہتے ہیں اور اسی کی حفاظت کرنا خدا کی منزلت نیابت پر فائز ہونا یعنی استخلاف ہے اور ایسے خلیفے کا نافرمان فاسق ہوتا ہے۔

زمین پر اللہ کا خلیفہ دراصل صراط مستقیم کی نگرانی کرتا ہے" اسے فتوحات ارضی، ہوس ملک گیری یا لشکر کشی سے کوئی بنیادی دلچسپی نہیں بلکہ اس کا فریضہ دینی حکومت الہیہ کی جہاں بانی ہے چونکہ دنیوی فرمانروائی دین سے خارج نہیں بلکہ اس کا جزو لاینفک ہے لہذا شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود بنفس نفیس عملاً" دس برس حقیقی اسلامی حکومت کا نمونہ پیش فرمایا۔۔ بحکم خدا اپنے بعد علیؑ کو اپنا ولی عہد بنانے کا اعلان فرما دیا۔ مگر لوگوں نے اس ۔سے انحراف کیا اور سیدھی راہ سے انکے پیر ڈگمگا گئے دراصل وہ آداب رسالت ہی سے ناآشنا تھے۔

آدابِ رسالتؐ

آوازِ رسولؐ پر اپنی آواز بلند کرنے کی ممانعت

ارشاد خداوندی ہے کہ۔

"یعنی اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسولؐ پر تقدم کرنے یعنی سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اے مومنو! اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اور نہ ہی نبیؐ سے اونچی آواز و لہجہ میں گفتگو کرو جس طرح کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو اس کا پتہ بھی نہ چل سکے۔

بے شک وہ لوگ جو اللہ کے رسولؐ کے حضور اپنی آوازوں کو دھیما رکھتے ہیں وہی تو ایسے لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کیلئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔"

(سورۃ الحجرات ۳، ۲، ۱)

بالصراحت یہ خطاب دعویداران ایمان سے ہے۔ اب جب اللہ اور رسولؐ پر تقدم کی ممانعت ہے تو اللہ کے حکم سے اللہ کے رسولؐ نے جو اعلان عام ایک لاکھ مجمع میں روز غدیر نشر کرکے علیؑ کو خلیفہ نصب فرمایا تو ہر صاحب ایمان کیلئے ضروری ہوا کہ وہ مولائے کائنات علی علیہ السلام کی اطاعت بسرو چشم قبول فرمالے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کے خلاف اپنی آواز کو بلند کرنے کی سزا یہ ہے کہ سارے اعمال اکارت کر دیئے جاتے ہیں اس احباط کا عامل کو پتہ بھی نہیں چلتا ہے۔ پس اپنے اعمال کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ

اعلان روز غدیر والی آواز رسولؐ کو ارفع رکھا جائے۔ اور اس سے انحراف کر کے کیے کرائے پر پانی پھر جانے سے بچاؤ اختیار کیا جائے۔

۔ حضرت ابوبکر کی نظر میں علیؑ کی منزلت صاحب ریاض النضرہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ حضورؐ کی رحلت کے چھ دن بعد حضرتؐ کی قبر مطہر پر زیارت کے لئے آئے۔ علیؑ نے ابوبکر سے فرمایا کہ وہ آگے بڑھیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا میں ایسے شخص پر ہرگز تقدم نہیں کر سکتا جس کی شان میں رسولؐ خدا کو فرماتے سنا ہے کہ علیؑ کی منزلت مجھ سے ایسی ہے جیسے میری خدا سے۔ (ریاض النضرہ فی الفضائل العشرہ محب الطبری)

حضرت ابوبکر صدیق کے قول صادق سے ثابت ہوا کہ جس طرح رسول اکرمؐ بعد از خدا بزرگ ہیں اسی طرح بعد از نبیؐ جناب علیؑ بزرگ ہیں اور ان پر سبقت کرنا روا نہیں۔

معرفت رسولؐ سے محرومی

اللہ نے قرآن مجید میں اپنے محبوب رسولؐ کی حیثیت کو اجاگر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور آپؐ کی اطاعت کلی اور اتباع کاملہ کی پر زور تاکید و تلقین کے جملہ تقاضوں کو پورا کیا ہے۔ لیکن انسان اپنی کم علمی' غفلت' بے شعوری اور نفس امارہ کی آواز کو آواز رسولؐ سے بلند کر کے اپنے اعمال کو باطل کرتا رہتا ہے خاص طور سے عربوں کی اکثریت نے نبوت و خلافت یا نبی و امام کے مفہوم و شخصیت کو کماحقہ کبھی نہیں سمجھا قرآن مجید جو ان کی اپنی زبان میں نازل ہوا وہ اس کی تاویل سے بھی محروم رہے۔ شروع ہی سے یہ لوگ پیغمبرؐ کو اپنے جیسا عاصی بشر سمجھتے رہے۔ ان کے ذہنوں میں یہ فاسد خیال سمایا رہا کہ نبی عام لوگوں کی مانند حرص و لالچ' حب جاہ و مال اور ہوس اقتدار و سلطنت کی دل آویزیوں میں گرفتار ہیں۔ اور تخت حکومت کو اپنے خاندان میں برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اپنے داماد کو ولی عہد بنا کر اپنی اس خواہش کی تکمیل چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک عصمت شرط نبوت نہیں ہے۔ جماعت مخالفین نے اپنے سیاسی مقصد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے اس خیال سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اسے ایک عقیدہ بنا کر لوگوں میں اس کی تشہیر کی جو آج تک جاری ہے کہ "نوری بشری" اور "خاکی" کے مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ اس عقیدے کے اختراع و اجراء کیے بغیر ان کی کامیابی کا امکان نہیں تھا۔ ویسے تو اہل عرب کی حب مال و منصب' فطری کینہ پروری' قبیلانہ رقابت' خاندانی حسد اور عصبیت جیسے خصائل بھی ناقابل نظر انداز ہیں مگر معرفت رسولؐ اور حیثیت نبویؐ میں رخنہ اندازی نے جو کردار ادا کیا ہے وہ سب سے کارگر ثابت ہوا ہے۔ ہم ان تفصیلات و تجزیات سے آنکھ چراتے ہوئے آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں اور صرف یہ عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک فطری عمل پیہم تھا اور اسی کشمکش کی وجہ تھی جو روز اول سے آدمؑ و ابلیس میں جاری ہے۔

انسان پر شیطان کو مسلط کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جب انسان اپنی عجیب و غریب خلقت پر غور کرتا ہے تو جہاں اسے اپنے اندر خالق کی عظیم امانت کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے وہاں اسے نفس امارہ کی کارستانیاں بھی واضح نظر آتی ہیں۔ یہ نفس امارہ یا شیطان اسے ہر لحظہ نور روحِ خداوندی کے خلاف بغاوت پر اکساتا رہتا ہے۔ ایک انگریز ادیب مسٹر آر۔ ایل۔ اسٹیفن نے اپنی کتاب "ڈاکٹر جیکال اینڈ مسٹر ہائڈ"

Dr. Jackle And Mr Hide

میں انسانوں کے یہ دونوں روپ بڑے دلکش انداز میں پیش کئے ہیں۔ ایک شخصیت ڈاکٹر جیکال کے کردار میں انتہائی مخلص اور ہمدرد ہے جبکہ مسٹر ہائڈ کی صورت میں ایک درندہ صفت وحشی نظر آتا ہے۔ قران شریف میں ہے کہ۔

"اور بے شک ہم نے انسان کو خلق کیا اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اس کا نفس (امارہ) اس کے دل میں کیسے کیسے وسوسے ڈالتا ہے اور ہم تو اس سے اس کی شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ جبکہ دو لینے والے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے لیتے جاتے ہیں۔ ایک بات بھی تو منہ سے نہیں نکالتا مگر یہ کہ اس کے قریب ہی ایک نگران (ریکارڈ کرنے کیلئے) تیار ہوتا ہے"

(سورۂ ق آیت ۱۶، ۱۷، ۱۸)

پھر اسی سورہ کی آیت نمبر۲۱ میں ہے کہ۔

"اور ہر نفس آئے گا (اس حالت میں کہ) اس کے ساتھ (اس کا) ہانکنے والا (نفس امارہ) اور اس پر چشم دید گواہ (نور رحمت للعالمینؐ) ہوگا۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ انسان کے اندر اس شیطان (نفس امارہ) کے رکھ دینے میں اللہ کی حکمت کیا ہے؟ چنانچہ خود خلاق کائنات کا ارشاد ہے کہ۔

"اور بے شک ہم نے تمہیں خلق کیا، پھر تمہاری صورتیں بنائیں، پھر ہم

نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پس انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو سجدہ کرنے والوں میں نہ ہوا۔

اس (اللہ) نے کہا "تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے باز رکھا۔ جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ اس (شیطان) نے کہا میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے (آدمؑ کو) تو نے مٹی سے بنایا ہے۔ اس (اللہ) نے کہا۔ اتر جا یہاں سے تمہارے لیے مناسب نہ تھا کہ اس میں (ہمارے حضور) تکبر کرتا۔ پس دفع ہو جا۔ بے شک تو پستوں میں سے ہے۔ اس (شیطان) نے کہا۔ مجھے اس دن تک کیلئے مہلت دے دے جب یہ اٹھائے جائیں گے۔ اس (اللہ) نے کہا بے شک تو مہلت یافتوں میں سے ہے۔

اس (شیطان) نے کہا اس کی وجہ سے تو نے میری غوایت کی ہے۔ میں ان کیلئے تیری صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا۔

پھر میں ان پر ان کے آگے سے ان کے پیچھے سے ان کے دائیں سے ان کے بائیں سے حملے کروں گا۔ تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

اس (اللہ) نے کہا۔ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا۔ ان میں جو بھی تیری پیروی کریں گے تو میں ضرور تم سب سے جہنم بھر دوں گا۔

(سورۂ اعراف آیت ۱۱ تا ۱۸)

اسی طرح کا بیان سورۂ حجر کی آیت ۲۶ تا ۴۳ میں نازل کیا گیا ہے۔ اور سورۂ ص میں انسانی تخلیق کے نورانی اور تاریک یعنی ناری دونوں پہلو پیش نظر رکھ کر وضاحت فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

"کہہ دے (اے رسولؐ) میں تو بس منذر (تنبیہہ کرنے والا۔ آگاہی دینے والا۔ خبردار رکھنے والا) ہوں اور خداوند قہار کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں موجود ہے اس کا پروردگار

ہے۔ صاحب عزت اور بخشنے والا ہے۔ (اے رسول!) کہہ دو وہی تو خبر عظیم ہے جس سے تم اعراض (روگردانی) کرنے والے ہو۔ اور مجھے (ذاتی طور پر) عالم بالا میں جھگڑنے والوں کے بارے میں علم نہ تھا۔ مجھ پر تو بس یہ وحی کی گئی ہے کہ میں ایک واضح تنبیہہ کرنے والا ہوں۔

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں پس جب میں اسے سنوار دوں اور اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدے میں پڑ جانا۔ چنانچہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جس نے تکبر کیا اور کافروں (انکار کرنے والوں) میں کا ہوگیا۔ کہا اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو نے تکبر کیا یا تو عالین (عالی مرتبت) میں سے ہے؟ اس نے کہا میں اس (آدمؑ) سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے خلق کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ اس (اللہ) نے فرمایا۔ نکل جا یہاں سے بے شک تو رجیم ہے اور بے شک یوم الدین تک تجھ پر لعنت ہے۔ اس (شیطان) نے عرض کیا اے میرے رب مجھے اس دن تک کیلئے مہلت عطا کر دے جس دن یہ اٹھائے جائیں گے۔ اس (اللہ) نے کہا بے شک تو مہلت یافتوں میں سے ہے۔ وقت معلوم کے دن تک۔ اس (شیطان) نے کہا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے چند مخلص بندوں کے۔ (اللہ) نے فرمایا۔ یہ بالکل حق ہے اور میں حق کہے دیتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان سب سے جو بھی تیری پیروی کریں گے جہنم کو بھر دوں گا۔

(اے رسول!) کہہ دو کہ میں (رسالت) کیلئے تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا اور نہ میں تمہیں کسی تکلیف میں مبتلا کرنے والا ہوں۔ یہ تو بس تمام جہانوں کیلئے ذکر و نصیحت" ہے۔ اور جلد ہی تم اس (حقیقت) سے واقف ہو جاؤ گے"

(سورۂ ص — آیات ۶۵ تا ۶۸)

منقولہ بالا آیات کسی تشریح مزید کی احتیاج نہیں رکھتیں۔ عبادت رب (بندگی و اطاعت) اور نیابت رب (خلافت الٰہیہ) کے دونوں مقاصد خلقت انسان موجود ہیں۔ یعنی جہاں انسان کو روح خاص یعنی نور محمدؐ کی امانت سے نوازا گیا وہاں اس کے اندر ناری شیطان (نفس امارہ) رکھ دیا گیا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم انسانی کو اسی ناری (نفس امارہ) کے تسلط میں دے دیا گیا۔ اس حقیقت کو سورۂ بلد میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ۔

"بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت کیلئے خلق کیا۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کسی کا قابو نہیں؟ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا ؟ کیا ہم نے اسے دو آنکھیں' ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور ہم نے دونوں نجد (راستے) (خیرو شر) نہیں دکھا دیئے ؟
مگر وہ دشوار گزار گھاٹی کو پاٹ نہ سکا۔

(سورۂ بلد آیات ۴ تا ۱۰)

اس کے بعد چند آیات میں اس دشوار گزار گھاٹی کی شرح کی جاتی ہے کہ۔

"کسی کی گلو خلاصی کرنا' کسی بھوکے قریبی یتیم' افلاس زدہ مسکین کو کھانا کھلانا' مومن' صابر' رحمدل' شفیق ہوجانا۔ یعنی اتباع نبویؐ کرنا" چنانچہ ان صفات سے متصف لوگوں کو اصحاب یمین یعنی خوش بخت (دائیں ہاتھ والے) قرار دیا گیا ہے۔ تاہم ان اوصاف کے حامل ہونے کو ابتدائی آیت میں بڑی مشقت بتایا گیا۔ وہ اس لئے کہ انسان کے اندر جو شیطان (نفس امارہ) رکھ دیا گیا ہے وہ بڑی شدید مزاحمت کرنے والا ہے۔ وہ پوری کوشش سے ان پر عمل کرنے سے روکتا ہے اور انسان کو بندۂ ہویٰ' خود غرض' درندہ صفت اور غافل بنا دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس

شیطان کی قوت' طاقت' توانائی' تسلط' حیلہ' مکر' فریب اور غوایت کی تصویر کشی سید الساجدین' امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک دعا میں بڑے عارفانہ انداز میں کی ہے کہ۔

امام زین العابدینؑ کی حکمت آموز دعا

"یا اللہ! مجھے اور میری اولاد کو شیطان مردود سے پناہ دے۔ تو نے ہمیں خلق کیا اور ہم کو (نیکی کا) حکم دیا اور (برائی سے) منع کیا۔ اور جس کا تو نے ہمیں حکم دیا اس کے ثواب میں ہمیں رغبت دلائی اور (جس سے روکا) اس کے انجام سے تو نے ہمیں ڈرایا۔ اور تو نے ہمارا ایک دشمن بنا دیا۔ جو ہمیں اپنی چالوں میں الجھائے رکھتا ہے۔ تو نے اس دشمن کو ہم پر ان امور میں مسلط کر دیا جن میں ہمیں اس پر مسلط نہیں کیا۔ ہمارے سینوں میں تو نے اس کا مسکن قرار دیا۔ اور اسے ہمارے خون میں دوڑا دیا۔ ہم غافل ہوجائیں تو ہوجائیں وہ کبھی غافل نہیں ہوتا۔ ہم بھولیں تو بھول جائیں مگر وہ کبھی نہیں بھولتا۔ وہ ہمیں تیرے عذاب سے بے خوف بناتا رہتا ہے۔ اور تیرے غیر کا خوف دلاتا رہتا ہے۔ اگر ہم خواہش کا ارادہ کریں تو اس پر ہمیں جرات دلاتا ہے۔ اور اگر ہم کسی عمل صالح کی نیت کریں تو اس سے ہمیں روکتا ہے۔ نفسانی خواہشات کو دلکش بنا کر پیش کرتا رہتا ہے اور شکوک و شبہات کو ہمارے دل میں پیوست کرتا رہتا ہے۔ وہ جب ہم سے وعدہ کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ اور جب ہمیں امید دلاتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔ پس اگر تو اس کی چالوں کو ہم سے پھیر نہ دے گا تو وہ ضرور ہمیں گمراہ کر دے گا اور اگر تو اس کے دیوانہ کر دینے والے الجھاؤ سے نہیں بچائیگا تو وہ ہمیں ضرور لڑکھڑا دے گا۔ پس اے معبود! ہم پر اس کی حکومت کو نیچا دکھا۔ اپنی حکومت قائم کر کے تا آنکہ تیرے حضور ہماری کثرت دعا کے سبب تو ہماری جانب

اس کا راستہ بند کر دے۔ اور ہم اس کی چالوں سے محفوظ تیرے بندے ہوجائیں"

(صحیفہ کاملہ)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ شیطان تو اپنے فرائض منصبی میں مصروف ہے اور اس کی مستعدی کا یہ عالم ہے کہ وہ کسی لمحہ بھی غافل نہیں ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں شیطان مردود دشمن انسان ضرور ہے مگر وہ شیطانی بھی دائرہ انسانی میں کرتا ہے۔ مکار ہے مگر چھپ کر وار نہیں کرتا۔ بلکہ چوکس رہتے ہوئے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ چنانچہ سورۂ حشر میں ہے کہ۔

"منافقوں کی مثال شیطان جیسی ہے۔ جب وہ انسان سے کہتا ہے انکار کر دے۔ پس جب انسان انکار کر دیتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے میں تجھ سے بری الذمہ ہوں۔ میں تو رب العالمین سے ڈرتا ہوں"

(الحشر۱۶)

سورۂ ابراہیم میں ہے کہ۔

"جب معاملے کا فیصلہ ہوچکا (یعنی شیطان نے جو کچھ کروانا تھا کروا چکا) تو شیطان نے کہا۔ بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا۔ اور میں نے وعدہ خلافی کی۔ مگر میرا تم پر کوئی زور تو نہ تھا۔ میں نے تمہیں بس دعوت دی اور تم نے میری دعوت کو فوراً قبول کرلیا۔ بس اب مجھے الزام نہ دو۔ خود اپنے آپ کو الزام دو۔ اب میں تمہارا فریادرس نہیں ہوں۔ نہ ہی تم میرے فریادرس ہو۔ میں تو پہلے ہی سے اس کا انکاری ہوں۔ جس میں تم نے مجھے اس کا شریک بنالیا تھا۔ بے شک ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے۔"

(سورۂ ابراہیم آیت نمبر۲۲)

سورۂ انفال میں ہے کہ۔

"اور جب شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں زینت دی اور کہا آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا ہے۔ اور بے شک میں تمہارا یار ہوں۔ پس جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے مدمقابل ہوئے تو وہ الٹے پیروں یہ کہتے ہوئے بھاگا کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ بالتحقیق میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ بے شک میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تو بہت سخت سزا دینے والا ہے

(سورۂ انفال۔ ۴۸)

سورۂ حشر اور انفال کی آیات میں شیطان کہہ رہا ہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ یعنی تم جب میری اطاعت کرتے ہو تو اللہ سے بے خوف ہوجاتے ہو۔ اور یوں انسان کو خبردار کر کے اپنی اطاعت سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور سورہ ابراہیم کی آیت میں اپنی وعدہ خلافیوں اور اللہ کے سچے وعدوں کی یاد دلا کر انسان کو آگاہ کرتا ہے کہ میں تمہارا دوست یا فریادرس نہیں ہوں۔ اپنے حقیقی فریادرس کو پہچانو۔ ورنہ ظالم بن کر عذاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی دعا سے ماخوذ ہوتا ہے کہ شیطان کی آزمائش سے عہدہ براء ہونا امر محال نہیں تو قریب امر محال ضرور ہے۔ خود خدائے بزرگ و برتر نے بھی سورۂ بلد میں اسے ایک دشوار گزار گھاٹی قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ انسان نے اسے سر نہ کیا۔ اسے سر کرنا تو اللہ کے چند مخلص بندوں ہی کا کام ہے۔ شیطان نے بھی بڑے اعتماد سے اعلان کیا تھا کہ میں سوائے تیرے چند مخلص بندوں کے سب ہی کو گمراہ کر دوں گا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ آخر اس ظالم' طاقتور اور سفاک دشمن کو اس قدر قوت دے کر انسان پر مسلط کیوں کر دیا گیا؟ ہم اس کا جواب یہی پاتے ہیں کہ امتحان بقدر رفعت' مرتبہ و درجہ ہی ہونا چاہیے۔ انسان کو اللہ نے اپنے محبوبؐ

کے نور سے نواز کر اشرف المخلوقات کا اعزاز بخشا۔ اسے اپنا خلیفہ قرار دیا۔ اتنے جلیل القدر مرتبے کیلئے امتحان بھی اتنا ہی سخت ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ اس کیلئے شرط اول خدا نے اپنی بندگی کو قرار دیا۔ یہ شرط بظاہر معمولی لگتی ہے۔ مگر درحقیقت ایک ناقابل تسخیر گھاٹی ہے۔ جسے شیطان اپنی گوناگوں چالوں اور فریب سے دشوار ترین بنا دیتا ہے۔ شیطان کے طریق کار کی وضاحت انسان کی ہدایت کیلئے قرآن مجید میں جابجا ملتی ہے۔ مثلاً "میں مادی چیزوں کو دلکش انداز میں آراستہ کر کے ان کے سامنے پیش کروں گا۔" اور ان سب کو گمراہ کروں گا۔ میں تیری صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا۔ اور ان پر ان کے آگے سے پیچھے سے ان کے دائیں اور بائیں سے حملہ کروں گا۔ اور تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ میں ان سے جھوٹے وعدے کروں گا۔ میں ان کی امیدوں کو دراز کروں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

فریب کاری کے متذکرہ بالا تمام حربے کسی ایسے غافل پر جو اپنی منفعت اور نقصان کے احساس و صحیح تصور سے بے نیاز ہو انتہائی موثر ثابت ہوتے ہیں۔ شیطان انسان کی عجلت پسند طبع کے مدنظر عارضی و فانی دنیا کو بنا سنوار کر اس کے سامنے پیش کرنے کے منصوبے بناتا رہتا ہے۔ اور غافل انسان چند بے حقیقت غیر مستقل مفادات کے پیش نظر انمول ابدی اور غیرفانی نعمات الہیہ کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ حالانکہ خدائے رحیم نے انسانوں کو شیطان کے فریب سے بچانے اور محفوظ رکھنے کیلئے دنیائے فانی کی حقیقت کو کھول کر بیان کیا ہے۔

شیطانی جارحیت کا مرکزی نشانہ صراط مستقیم ہے

شیطان کی جارحیت کا مرکزی نشانہ "صراط مستقیم" ہے۔ اعلان غدیر کے بعد جب اللہ نے دین کی تکمیل اور نعمت کے اتمام کا مژدہ نازل کر کے اس جلسے کی

کارروائی کو منظور و مقبول فرمالیا تو ارشاد پیغمبرؐ کے مطابق جنبہ بشری میں ذات وصی رسول' ولی اللہ' امیرالمومنین علی علیہ السلام "صراط مستقیم" قرار پائے۔ لہذا شیطان نے اس محاذ پر اپنی پوری شدت کے ساتھ تابڑ توڑ حملے کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور انسان کو اس راہ سے دور رکھنے میں اپنی استطاعت اور قوت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ جس کے سبب دعویداران ایمان خدا کی تنبیہہ کے باوجود شیطانی دام فریب میں پھنس گئے۔ جس کا خمیازہ بھگتنا ایک ناگریز امر تھا۔ اللہ نے فرما دیا تھا کہ مسلمان (مطیع کامل) بنے رہنا مگر لوگ بہک گئے۔

صراط مستقیم اہل بیتؑ کا راستہ ہے

قرآن مجید میں ہے کہ۔

"اور تم لوگ کیوں کر انکار کرتے ہو۔ جب کہ تم وہی ہو جن پر اللہ کی آیتوں کو پڑھا جاتا ہے۔ اور تمہارے اندر اس (اللہ) کا رسول موجود ہے۔ پس جس نے اللہ کی پناہ چاہی بے شک وہی صراط مستقیم کی طرف ہدایت کیا گیا۔ اللہ سے ڈرو۔ اس طرح کہ جس طرح ڈرنے کا حق ہوتا ہے۔ اور (دیکھو) اس حال میں نہ مرجانا کہ تم مطیع کامل نہ بن چکے ہو"

(سورۂ آل عمران۔ آیات ۱۰۱ اور ۱۰۲)

المختصر "صراط مستقیم" کی معرفت و ہدایت وہ انعام خاص ہے جو اللہ کے مخلص بندوں پر ہوتا ہے۔ اور جس سے اعراض و انحراف کرنے والے نعمت الٰہی سے محروم ہی رہتے ہیں۔

رحمتہ للعالمین' شفیع المذنبین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر امت کا خیر اندیش' بہی خواہ' ہمدرد اور نصیر کون ہوسکتا ہے۔ اسی لیے سرکارؐ نے گاہے بگاہے امت کو "صراط مستقیم" کی نشاندہی ہر ممکن طریقے سے

کروانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ کبھی تلقین فرمائی۔

"انا صراط المستقیم الذی امر کم باتباعہ ثم علی من بعدی ثم ولدی من صلبہ"

میں ہوں صراط مستقیم کہ جس کی اتباع کا تم کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر میرے بعد علیؑ ہیں پھر ان کی صلب سے میری اولاد (صراط مستقیم) ہے۔

(تفسیر ثعلبی تفسیر معالم التنزیل بغوی، انوار الفرقان صفحہ ۶۸)

اکثر خبردار فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

"اگر تم نے علیؑ کو اپنا امیر و رہبر بنایا تو تم اسے ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والا پاؤ گے۔ اور وہ تمہیں "صراط مستقیم" پر لے جائیگا۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسا نہیں کرو گے"

(مشکواۃ باب مناقب عشرہ مبشرہ اور مسند احمد حنبل)

متعدد فرمودات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ "صراط مستقیم" ہادی اعظم، سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیت طاہرین علیہم السلام کا راستہ ہے۔ جس نے حضورؐ کے بعد آپؐ کے اہل بیتؑ کو اپنا رہبر اور مرکز ہدایت مانا وہی صراط مستقیم پر ہے۔

صراط مستقیم جو دراصل "اتباع و اطاعت محمد و آل محمد علیہم السلام ہے"۔ ایسا راستہ ہے جس پر چلنے والے ہر راہی کو رب العالمین نے خصوصی انعامات سے نوازا ہے۔ یعنی ان خوش نصیبوں کو اللہ نے تمام صفات فاضلہ سے آراستہ فرمایا ہے۔ مادی دنیا کی نعمتیں اور اخروی انعام اس راستے پر گامزن رہنے کا صلہ یا فطری نتیجہ ہیں۔

پیغمبرؐ غیب دان نے ارشاد فرمایا کہ۔

"روز قیامت جب خدا اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور جہنم پر ایک پل نصب

کرے گا تو اس پل پر سے وہی گذر سکے گا۔ جس کے پاس علیؑ بن ابیطالب کا پروانہ (نجات) ہو گا۔

(ریاض النضرہ۔ محب الطبری)

اسی طرح حضرت ابوبکر کا قول ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

"لا یجوز احد الصراط الا من کتب لہ علی الجواز"۔

کوئی ایک بھی صراط سے نہ گزر سکے گا مگر وہ کہ جسے علیؑ پروانہ راہداری لکھ دیں گے۔

(صواعق محرقہ ابن حجر مکی)

مگر افسوس! شیطان جو کبھی غافل نہیں ہوتا۔ "صراط مستقیم" پر تاک لگائے بیٹھ گیا اور لوگوں کو دنیا کی زینتوں سے گمراہ کرنے لگا۔ اور ہر طرف سے حملہ آور ہو رہا ہے۔ اللہ کی پناہ کے طلب گار ہیں۔

۔ لایجوز احد" کے الفاظ میں خود راوی حدیث بھی شامل ہیں کہ استثنٰی نہیں ہے

واقعہ عید غدیر کا امت پر معکوس اثر

عید غدیر کا سعید روز جہاں اسلام کی پسندیدگی، تکمیل دین اور اتمام نعمت کا مبارک ترین دن قرار پاتا ہے۔ دوسری طرف غافل مسلمانوں کیلئے مصیبت عظمیٰ اور اذیت کبریٰ کا یوم اول ٹھہرتا ہے اس دن ملت اسلامی میں ایسا بڑا رخنہ پیدا ہو گیا جس کا اثر بد قیامت تک باقی رہے گا۔ اسلام اور اسلام والوں پر گذشتہ ڈیڑھ ہزار برس میں ہر طرح کی مصیبتیں اور آفتیں آتی رہیں۔ اسلام اپنے خون میں غوطے کھاتا رہا۔ سلطنتیں قائم ہوتی رہیں اور ملیامیٹ ہوتی گئیں۔ فتنوں کے اس سیلاب میں روز افزوں تیزی ہو رہی ہے۔ اور رسول غیب دان نے **"کتاب الفتن"** میں امت کو قبل از وقت ان فتنوں سے آگاہ فرما دیا تھا۔ مگر ان فتنوں کا سبب اول

اعلان غدیر ہی بنتا ہے اس کا سرچشمہ میدان غدیر میں ملتا ہے۔

میدان غدیر میں چالاک شیطان کا شب خون مارنا

"تکمیل دین" کے ساتھ ہی دین کا راستہ "صراط مستقیم" پائیہ تکمیل کو پہنچا۔ تو شیطان کے لئے یہ محاذ طویل و مضبوط ہوگیا۔ مگر اسنے جی چھوٹا نہ کیا۔ صورت حال کا بغور جائزہ لینے میں مشغول ہوا اور جلد ہی اسے ایک تدبیر سوجھی۔ چنانچہ میدان غدیر میں اچانک شب خون مارا۔ بڑی پھرتی سے حملہ آور ہوکر اکثریت کو مغلوب و محکوم بنانے میں کامیابی حاصل کرلی۔ یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ خود پیغمبرؐ وادی عقبہ میں بال بال بچے۔ امت کا رخ دین صراط مستقیم اتباع رسولؐ اور اطاعت وصی رسولؐ سے پھیر کر جاہ پرستی اور مادی اقتدار کی جانب موڑ دیا گیا تفریق، اختلاف اور فرقہ بندی کی راہیں جاری ہوگئیں۔ صراط مستقیم پر چلنے والوں کی تعداد میں تخفیف ہوتی گئی لہٰذا اسلام جو گروہ بندی کو مٹانے کے لیے آیا تھا خود جماعت بندی کا شکار ہوگیا۔ اللہ نے جو اتمام نعمت اور تمکین کا وعدہ فرمایا تھا وہ بوجہ کفران نعمت کے مکمل طور سے نتیجہ خیز نہ ہوسکا بلکہ اس کا ایفائے کلی اس وقت تک کے لئے ملتوی کردیا گیا کہ جب تک امت کفران نعمت کی عادت کو ترک کرکے صراط مستقیم کی جانب اپنا رخ موڑ لے۔ اور خدا کی بندگی جو دراصل اطاعت رسولؐ خدا ہے کو نیک نیتی سے عملاً" اختیار کرلے۔

خلاصہ بیان بزبان مسٹر جان ڈیون پورٹ

مسٹر جان ڈیون پورٹ کے منقولہ ذیل اقتباس پر ہم اپنی اس بحث کو سمیٹ کر آگے بڑھیں گے۔

"ان ہر دو فرقوں سنی اور شیعہ میں سے ایک نے رسولؐ کے سسر حضرت

ابوبکر کو جانشین مانا اور دوسرے فرقے نے آپؐ کے عمزاد اور داماد علیؑ سے جیسا کہ مقتضائے مزید انصاف اور حمیت ہے تولّا رکھی بایں نظر کہ آپؐ ان سے (علیؑ سے) ہمیشہ محبت اور الفت علانیہ رکھتے تھے اور چند مرتبہ ان کو جانشین بھی مقرر کیا تھا۔ بالخصوص دو موقعوں پر (اول) جب حضور نے اپنے گھر میں نبی ہاشم کی دعوت کی تھی اور علیؑ نے اظہار ایمان کیا حضرتؐ نے اپنی باہیں اس کے گلے میں ڈال کر، چھاتی سے لگا کر با آواز بلند اعلان کیا۔

"دیکھو میرے بھائی، میرے وصی اور میرے خلیفے کو"۔

۔ دعوت ذوالعشیرہ

(دوم) جب رسولؐ نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر خطبہ پڑھا تھا بحکم خدا جس کو جبرئیل حضورؐ کے پاس لائے تھے اور یوں کہا تھا کہ اے پیغمبرؐ آپؐ پر صلوٰۃ و رحمت خدا کی طرف سے لایا ہوں اور اس کا حکم آپ کے پیروؤں کے نام جس کو آپؐ بغیر تاخیر کے سنا دیں۔ اور شریروں سے کچھ خوف نہ کیجئے۔ اس واسطے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے اور آپؐ کو لوگوں سے بچائے گا۔ اس حکم کے مطابق حضورؐ نے حضرت انس بن مالک سے فرمایا کہ لوگوں کو جمع کرے جس میں حضورؐ کے پیروکار اور یہودی و نصرانی اور مختلف باشندے بھی حاضر ہوئے۔ یہ جمعیت مقام خم غدیر پر ہوئی جو شہر جحفہ میں مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ اس مقام کو صاف کیا گیا۔ ۱۰ اپریل ۶۳۲ء کو حضرت ایک بلند منبر پر گئے جو وہاں ان کیلئے نصب کیا گیا تھا۔ اور جبکہ ہزاروں حاضرین نہایت توجہ سے سنتے تھے۔ ایک خطبہ حضورؐ نے بڑی شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت سے پڑھا.......

حضورؐ نے فرمایا۔

"اے لوگو! میں صرف بندۂ محکوم ہوں۔ اور مجھے حکم الٰہی ملا ہے۔ میں اس کی تعمیل میں سر نیاز بکمال خشوع و خضوع ادب جھکاتا ہوں۔ تین مرتبہ

جبرئیل میرے اوپر نازل ہوئے اور تینوں دفعہ انہوں نے مجھے حکم پہنچایا کہ میں اپنے پیروکاروں سے خواہ وہ گورے ہوں یا کالے یہ ظاہر کر دوں کہ علی میرا خلیفہ اور وصی اور امام ہے۔ اور وہ میرا گوشت میرا خون ہے۔ مجھ سے ایسے ہے جیسے ہارون موسیٰ سے تھے اور میرے بعد وہ تمہارا ہادی ہوگا۔ اور جب میں اس دنیا سے رحلت کر جاؤں تو میری امت کو اس کی اطاعت و فرمانبرداری ویسے ہی کرنا چاہیے جس طرح کہ میری جبکہ میں زندہ ہوں۔ جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اس نے خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کی۔ اے دوستو! یہ خدا کے احکام ہیں علیؑ نے مجھ سے تمام وحی سیکھی ہے جو مجھ پر وقتاً" فوقتاً" نازل ہوئی۔ جو اس حکم کو نہ مانے گا اللہ کی دائمی لعنت اس کے سر پر سوار رہے گی۔

خدا نے قرآن کے ہر سورے میں علیؑ کی تعریف کی ہے۔ میں بار دیگر کہتا ہوں کہ علیؑ میرا عم زاد ہے' میرا دوست ہے' میرا خون ہے' اور خدا نے اسے بہت نادر خوبیاں عطا کی ہیں۔ بعد ان کے انکے فرزند حسنؑ اور حسینؑ ان کے جانشین ہوں گے۔ اس خطبے کے تمام ہونے پر ابوبکر' عمر' عثمان' ابوسفیان اور دوسرے لوگوں نے علیؑ کے ہاتھ چومے اور ان کو جانشین پیغمبرؐ ہونے کی مبارکباد پیش کی۔ اور اقرار کیا کہ ان کے تمام احکامات کو سچے طور پر بجا لائیں گے۔"

(ایسے ان دی کیلافت بحوالہ تاریخ اسلام جلد نمبر ۳ باب نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۴)

اللہ نے صراط مستقیم کی حفاظت کا دائمی بندوبست کر دیا

ملحوظ رہے کہ نعمات دنیا کم و بیش فانی زندگی میں ہر ذی حیات کو حاصل ہیں۔ کافر ہو یا مومن' فاسق و جاجر ہو یا زاہد و متقی نعمات حیات سے ہر کوئی فیض یاب ہے۔ لیکن وہ خصوصی انعامات جو اس راہ مستقیم پر چلنے سے مشروط ہیں ان کے خواص و کمالات اپنی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ یقیناً" وہ ایسے محیر العقول نعمات ہیں جو مادی و روحانی دونوں زندگیوں میں کلی تسکین کا سبب ہوتے ہیں۔

"عقل" انسان کی فطری ہدایت کا ایک مرحلہ ہے۔ جس نے انسان کے سامنے غیر محدود ترقی کا ایک راستہ کھول دیا ہے۔ اسی کی بدولت وہ ارضی و سماوی کائنات کی مخلوقات کا خلاصہ قرار پایا ہے۔ عقل کی یہ قدرتی ہدایت حواس کے ادراک کی اصلاح کرتی ہے۔ اور ان کے اسباب کی تصحیح کرتی ہے۔ لیکن حواس کے مانند عقل بھی خطا کرتی ہے۔ جو ایسی ہدایت کی محتاج ہے جو اسے نفسیاتی خواہشات کی تاریکیوں سے نکال کر جذباتی غلبوں سے محفوظ رکھے۔ اور اعتدال کی راہ پر متوازن لائحہ عمل اختیار کرنے کے قابل بنائے رکھے تاکہ ظلم و فساد کا خدشہ نہ رہے۔ اور امن و سلامتی اور سکون کو کسی قدم پر ٹھیس نہ لگے۔ بس یہی کام "دین" کا ہے۔ دین فطرت و معرفت کی ہدایت کا انتظام خلاق کائنات رب العالمین نے اپنے ذمے لیا ہے جس طرح کہ نظام ربوبیت کا بندوبست اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ وجدان طبعی کی ہدایت کے ساتھ .حواس کی ہدایت ضروری ہوتی ہے کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص مقام سے آگے نہیں بڑھ سکتی اس طرح حواس کی ہدایت بھی محدود ہوتی ہے لہذا عقل کو

بطور ہادی ودیعت کیا گیا ہے مگر اس کو بعض شرائط کا پابند بنا کر چراغ راہ کا مقام تو عطا کر دیا گیا مگر منزل مقصود قرار نہ دیا گیا۔ عقل کی فطری خامی کو ہدایت وحی سے دور کیا گیا۔ چنانچہ وحی و نبوت کی ہدایت نے انسان کو اس کے مقصد حیات سے درجہ بدرجہ متعارف کرایا۔ خود شناسی اور خود سازی کے تقاضوں سے آگاہ کیا۔ آغاز و انجام سے مطلع کیا۔ خالق و مخلوق کے فرق کو واضح کرتے ہوئے معرفت الٰہی سے روشناس کرایا چنانچہ جب انسان نے اپنے خالق حقیقی کی ربوبیت و رحمت و قدرت و حاکیت کا اعتراف کر لیا۔ رشد و غیّ میں امتیاز کرنا سیکھ گیا تو اب نبوی ہدایت کا دروازہ بند کر دینے سے پہلے اللہ نے اپنے دین کے راستے یعنی "صراط مستقیم" کی حفاظت کا بندوبست کرنا ضروری سمجھا جو ہدایت کے سلسلے کا آخری مرحلہ تھا۔ چنانچہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو روز غدیر یہ اعلان کرنے کی ہدایت جاری کی گئی کہ اب چونکہ سلسلہ نبوت اختتام پذیر ہو رہا ہے لہٰذا میرے بعد صراط مستقیم کے نگہبان میرے اہل بیت ہیں جن کا قائد میرا بھائی، میرا وصی، میرا خلیفہ اور میرا وارث علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے۔ جیسے ہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم خدا کی تعلیم میں اعلان غدیر نشر فرمایا۔ اللہ نے فورا دین کی تکمیل اور نعمت کے اتمام کا اعلان کر کے دین اسلام کو پسند فرمایا۔ لہٰذا اب ہر مسلمان کے لئے لازم ہو گیا کہ وہ "صراط مستقیم" پر ثابت قدم رہنے کے لئے اطاعت رسولؐ سے کنارہ کشی اختیار نہ کرے اور راہ حق پر گامزن رہنے کی خاطر ہر طرح کے سیاسی، نسلی، لسانی، قلبی اور ذہنی تعصب کو چھوڑ کر مطیع کامل یعنی مسلم کی مانند غور و فکر اور عقل سلیم سے کام لے کر عاقبت اندیشی کا ثبوت دے۔

مکتب اہل بیتؑ کی امتیازی خصوصیات

"مسلم" مطیع کامل کو کہتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی نظریات کی اساس اطاعت" ہے اطاعت سے روگردانی انکار ہے جو "کفر" کہلاتا ہے۔ ادیان عالم اور مذاہب اسلامی میں مکتب اہل بیتؑ رسولؐ کی امتیازی خصوصیات ہیں کیونکہ اس مکتب کی پوری عمارت ستون اطاعت و اتباع پر قائم ہے جب تقابلی جائزہ لیا جائے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس مکتب کے جس قدر بھی امور ہیں وہ اتنے مناسب اور معقول ہیں کہ بلالحاظ زمان و مکاں تمام حالات میں موزوں قرار پاتے ہیں ہر بات ایسی نپی تلی ہے کہ صاحب عقل سلیم کو انگشت نمائی کا موقعہ نہیں ملتا۔ اس کے تمام مسلمات خرد و ادراک کے عین مطابق اور فطرت کے ہم نوا ہیں اور یہ خاصیت اسے جملہ مذاہب و مسالک سے ممتاز کرتی ہے بے شک اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا مذہب مہذب اور لائق تقلید نہیں ہے۔ یہی اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے۔ یہ دعویٰ اپنی جگہ سر آنکھوں پر۔ مگر عبادات ' معاملات اور اخلاقیات کی بیشتر اقدار پر مذہبی دنیا کا اتفاق ہے۔ عقیدوں یا طریقوں کا فرق تو ضرور ہے۔ مگر انسانی معاشرت میں نیکی بلا تفریق مذہب و ملت ایک پسندیدہ شے ہے اور بدی متفقہ طور پر ایک ناپسندیدہ چیز ہے۔ آج کی اصطلاح میں لوگ اس کو انسانیت کا مذہب کہتے ہیں جسے لا دین اور بے مذہب اقوام بھی تسلیم کرتی ہیں۔ پھر آخر اسلام کو قبول کرنا کیوں ضروری ہے؟ جب کہ دنیا میں مسلمانوں کی حالت غیر مسلموں سے ابتر بھی ہو؟

اسلام قبول کرنا کیوں ضروری ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ اسلام انسان کی فطری ضرورت ہے۔ لہٰذا اسے قبول کرنا ضروری ہے مثلاً" یہ کہ انسان فطرةً" حریت پسند ہے وہ چاہتا ہے کہ جو وہ چاہے ویسا ہو جائے۔ اور مادی دنیا میں خصوصاً" ہر شخص خواہش کرتا ہے کہ اسے

تمام دنیوی نعمتیں حاصل ہوں اور وہ اپنی زندگی آرام و راحت اور سکون سے بسر کرے۔ اسلام چونکہ از خود فطرت بھی ہے اور فطرت شناس بھی لہٰذا وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کی ضمانت دیتا ہے صرف ایک شرط کے ساتھ۔ جب کہ کوئی غیر اسلامی نظریہ انسان کی اس آرزو کو پورا کرنے کا چیلنج قبول نہیں کرتا۔ اب چونکہ اسلام کے سوا کسی اور نظریئے میں اتنا بڑا چیلنج قبول کرنے کی اہلیت نہیں۔ لہٰذا فاطر فطرت نے صرف اسلام کو ہی پسندیدہ دین قرار دیا۔ پس' یہی قابل قبول دین ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا واقعی اسلام کو قبول کر کے بندہ مسلم ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ جو چاہے وہ ہو جائے۔

کیا مسلم جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے؟

کم سے کم ایسا ظاہری آنکھوں کو تو نظر نہیں آتا کیونکہ دنیا میں مسلمان کشکول لئے مارے مارے پھر رہے ہیں البتہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ یقیناً" بندہ مسلم اس بلند مقام پر فائز ہوتا ہے کہ جہاں ہر تقدیر سے پہلے خدا اپنے بندے کی رضا پوچھتا ہے اور اس کی دلیل ہم آئندہ پیش کر رہے ہیں۔

اکائی کا نقطہ

ہم اس امر کی جانب متوجہ کرانا ضروری سمجھتے ہیں کہ بعض فطری اقدار مشترکہ کا سطحی مطالعہ کر کے یہ نظریہ قائم کرلینا کہ اسلام کی طرح دیگر مذاہب بھی نیکی کا حکم کرتے اور بدی پر ممانعت وارد کرتے ہیں لہٰذا دین اسلام کی کوئی مخصوص نظریاتی اساس نہیں' غیر پختہ تحقیق کا ناقص نتیجہ ہے۔ حالانکہ اسلام کا یک مخصوص طریقہ ہے جو اسے دیگر طریقوں کے مقابلے میں ممتاز حیثیت دیتا ہے۔ کہ تمام ادیان و مذاہب میں اسلام واحد دین ہے جو سو فی صد اجتماعی ہے سلامی تعلیمات مروجہ نصرانی تعلیمات کی طرح فقط اخروی بھلائی کی فکر مند نہیں لکہ اسلام ڈنکے کی چوٹ پر مادی خوش بختی کا طالب و ضامن بھی ہے [illegible]

موجودہ مذہب اپنی تربیتی و تعلیمی سرگرمیاں فقط ایک قوم تک محدود رکھتا ہے جب
کہ اسلامی تعلیمات پوری انسانیت پر محیط ہیں اسی طرح آتش پرستوں، مجوسیوں
اور اہل یہود کے نظریات اخلاقیات و عملیات پر مبنی کچھ موضوعات تک محدود رہتی
ہے۔ جب کہ اسلامی دائرہ ساری کائنات کے گرد حلقہ باندھتا ہے اسلام میں دائمی
طور پر ہمہ وقت اور ہر جگہ تمام لوگوں کی تعلیم و تربیت اور دونوں جہانوں کی
زندگی میں خوش بختی کو مد نظر رکھا گیا ہے چنانچہ کائنات اور انسان کی تخلیق کے
بارے میں جن خیالات کا انسانی دماغ میں پیدا ہونا ممکن ہے اسلام کی تعلیمات
میں ان سب کا مطالعہ سیر حاصل طریقے سے کیا گیا ہے اور جو اخلاق نفس انسان
میں جاگزیں ہو سکتے ہیں یا جو افعال حیات بشری میں وقوع پذیر ہو سکتے ہیں ان
سب کو زیر غور لایا گیا ہے اسلام خیالات کا تجزیہ اپنے مخصوص حقیقت پسندانہ
پہلو کی روشنی میں کرتا ہے اس میں عقل سلیم کی کارکردگی خصوصی اہمیت کی حامل
ہوتی ہے۔ چنانچہ حق جو اسلام کے اصول معارف، اخلاقیات، فقہ اور عملیات پر
جب تحقیقی نظر ڈالتا ہے تو اسے ایسے ناپیدا کنار سمندر کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جس کی
گہرائی اور وسعت کا اندازہ لگانے سے انسانی عقل عاجز ہے اسلام کا ہر جزو اپنے
دوسرے اجزا سے اس قدر مربوط ہے اور متناسب ہے کہ سمٹ کر اکائی کا ایک نقطہ
بن جاتا ہے۔ وہی نقطہ جس کے بارے میں خدا نے اپنے جلیل القدر پیغمبرؐ کو و
فرمائی۔

سکھ کی سانس

اگر ہم دور حاضر کی دنیا کے نام نہاد ترقی یافتہ معاشروں کے طور طریقو
کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان سماجوں نے بے مثال علمی،
اور صنعتی کامیابیاں حاصل کر لی ہیں مگر عالم انسانیت کے لئے سکھ کی ایک سان

بھی کسی تجربہ گاہ ' رصد گاہ یا کارخانے میں تیار نہیں کی جا سکی ہے۔ اس کے برعکس بد بختی' عدم تحفظ' غیر یقینی کیفیت اور بے قراری کے اتنے لمبے دروازے کھل گئے ہیں کہ گزشتہ نصف صدی سے بھی کم مدت میں دو مرتبہ عالم گیر جنگوں نے لاکھوں بے گناہ انسانوں کی جانیں لے لی ہیں۔ اور اب تیسری عالمی لڑائی کا خطرہ لاحق ہے۔ جس کے نتیجے میں عین ممکن ہے کہ انسانی نسل ہی نیست و نابود ہو جائے۔ یہی وہ ایں جنہوں نے اپنی پیدائش کے روز اول ہی سے انسان دوستی اور آزادی کا نام بلند کر کے دنیا کی بیشتر اقوام کے گلے میں غلامی کا طوق لٹکا دیا ہے۔ دنیا کی متعدد قوموں کو استعمار کی زنجیروں سے باندھ کر غیر مشروط طور پر مغرب کے ماتحت کردیا ہے۔ اور ایک چھوٹے سے گروہ کو کروڑوں بے گناہ انسانوں کے ماحول' جان اور آبرو کا مطلق العنان حاکم بنا دیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ترقی یافتہ قومیں اپنے اپنے ماحول میں مادی نعمتوں اور دنیوی لذتوں سے بہرہ ور ہیں ان کی بیشتر سماجی انصاف تعلیمی ' صنعتی ترقی جیسی انسانی آرزوئیں پوری ہوئی ہیں لیکن اس کے برعکس وہ جن مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہیں وہ ان کی محصولہ خوشیوں سے کہیں زیادہ غم ناک اور کربناک ہیں۔ بین الاقوامی تضادات اور خون انسانی کی ارزانی' ڈرگ مافیا کی تباہی اور وبائی امراض و ناگہانی آفات و حادثات دنیا کو آئندہ بد تر حالات سے خبردار کرتے رہتے ہیں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ یہ تمام کڑوے اور میٹھے پھل اسی تہذیب کے درخت سے حاصل ہوئے ہیں اور ان قوموں اور معاشروں کے طرز زندگی کا براہ راست نتیجہ ہیں۔ جو بظاہر ترقی کے راستے پر گامزن ہیں۔ مگر جن میٹھے میووں سے لطف اندوز ہو کر ان قوموں نے معاشرے کو خوش حالی سے ہم کنار کیا ہے ان کے درختوں کی جڑیں محنت ' سچائی ' دیانتداری' ایثار ' فرض شناسی جیسے پسندیدہ اخلاق کا ایک سلسلہ ہے۔

دین اسلام کے جزوی سبق "پسندیدہ اخلاق" کی بدولت غیر مسلم اقوام ثمرات وصول کر رہی ہیں۔

یہ "پسندیدہ اخلاق" تمام مذاہب کا یکساں سرمایہ ہیں حتی کہ ملحد و زندیق بھی انہیں پسند کرتے ہیں پسماندہ قوموں نے بھی ان سے کبھی انکار نہیں کیا۔ لیکن ایشیا اور افریقہ کی غریب قومیں بدستور بدنصیبی کا شکار ہیں۔ "دین فطرت" کی تعلیمات کے اس جزوی سبق کی بدولت پروردگار عالم کی صفات ربانی اور رحیمی کے طفیل بلالحاظ مسلم و غیر مسلم ترقی یافتہ قومیں اس کا ثمرہ وصول کر رہی ہیں۔

دوسری طرف اس درخت کے کڑوے پھل جو انسان کے منہ کا مزا خراب کرتے ہیں اور اس کی بدبختی اور بدنصیبی کا موجب بنتے ہیں۔ اور خود ان ترقی یافتہ قوموں کو دوسروں کی طرح بربادی کی طرف کھینچتے ہیں ان کا سرچشمہ ' حرص ' طمع ' بے رحمی ' غرور ' سرکشی ' نافرمانی جیسے ناپسندیدہ اخلاق ہوتے ہیں۔

مقدس دین اسلام اگرچہ ہمیں پہلی قسم کی صفات اپنانے کا حکم دیتا ہے اور دوسری قسم کی صفات سے منع کرتا ہے مگر عملاً" ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری صفت کا اثر تو فوری ظاہر ہو جاتا ہے جب کہ پہلی صفت کے ثمرات سے محرومی ہمارا مقدر بنتی رہتی ہے۔ اس احساس محرومی کا بہت قلق ہے ہمیں اسی الجھن کو دور کرنا مقصود ہے۔

مکتب اہل بیتؑ احساس محرومی کا صحیح علاج تجویز کرتا ہے۔

خطہ ارض پر رائج جتنے بھی نظام ہمارے مطالعے میں آتے ہیں کسی میں یہ اہلیت نہیں کہ وہ اس پریشانی کا علاج بتا سکے۔ البتہ مکتب اہل بیتؑ وہ واحد مدرسہ ہے جہاں اس مشکل کو رفع کرنے کے اسباق دیئے گئے ہیں۔ مکتب اہل بیتؑ جو اسلام کی حقیقی درسگاہ ہے اس مسئلہ کا حل بڑے متوازن طریقوں سے تعلیم دیتا

ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہم آئندہ گفتگو میں ہدیہ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔۔

مکتب اہل بیتؑ کے مطابق اسلام نوع انسان کو "صراط مستقیم" جیسے روشن راستے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ تاکہ اس روشنی کے ذریعے اسے منزل مقصود تک پہنچا دے۔ لازماً" یہ راستہ وہی ہے جو انسان کی فطری خواہشات اور حقیقی ضروریات کو پورا کرنے کا ضامن ہے۔ اور عقل سلیم جو بھی نظریہ رکھے وہ اس سے فطرۃ" ہم آہنگ اور مربوط ہو گا مگر وہ طریقہ جس کی بنیاد ہوا و ہوس اور معاشرے کے بااثر افراد کی شہوت اور غصے کی جبلت کی تسکین پر ہو اور اس طرح وہ طریقہ جو آباؤ اجداد کی اندھی عقیدت کے طور پر اپنایا گیا ہو یا وہ اطوار جو ایک پس ماندہ اور کمزور قوم طاقتور قوموں کی نقالی کر کے اختیار کرتی ہے اور جو کچھ وہ قومیں کر رہی ہوتی ہیں اسے بغیر سوچے سمجھے محض ان قوموں کی مشابہت کی خاطر اپنا لیتی ہین گمراہی کا نتیجہ ہیں اور یہ روش ایسی ہے جو شیطان کو مطلوب ہے۔ اور ہمیشہ صراط مستقیم سے دور رکھتی ہے لہذا اس ڈگر پر چلنے والا انسان منزل مقصود سے محروم رہتا ہے قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے کہ۔

"کیا وہ شخص جو مردہ تھا اور ہم نے اسے زندہ کر دیا (یعنی اس کو فہم دین عطا کیا) اور اسے روشنی دی جس کے ذریعے وہ زندگی بسر کرتا ہے۔ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو مختلف قسم کی تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہے جن میں سے کسی طرح بھی نہیں نکل سکتا" (سورہ انعام آیت نمبر ۱۲۲)

ہر محرومی کا واحد علاج اطاعت رسولؐ ہے

آدمی جب دنیا میں آیا ہے تو اس کا دنیا دار ہونا ایک ناگزیر امر ہے۔ مگر دنیا کی زندگی قلیل اور عارضی ہے اسلام اس مختصر زندگی کی خوشگواری کے ساتھ

ساتھ اس کی ابدی روحانی زندگی کی فلاح پر بھی متوجہ رہتا ہے اور ایک چھوٹے حصے کی خاطر بڑے حصے سے غفلت اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے وہ انسان کو ایزدہ لمبی چوڑی سوچ میں گرفتار نہیں کرتا۔ اس کی فطری خواہش کو جائز قرار دے دیتے ہوئے صرف اتنی خواہش کرتا ہے کہ" اے انسان! میں تجھ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس چھوٹی سی دنیا کی مختصر عمر میں تو جو چاہے حاصل کرے مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر تمہاری حرکت کا اثر تمہاری ابدی اور طولانی زندگی پر پڑے گا۔ جس کا تجھے بالکل شعور نہیں ہے۔ اس لئے تمہاری دائمی حیات کو خوشگوار بنانے کے لئے اس کی ضرورت درپیش ہے کہ اپنی تمام خواہشوں' تمناؤں' آرزوؤں کی یقینی تکمیل کے بدلے میں تم میری صرف ایک خواہش کو پورا کر کے "مسلم" ہونے کا ثبوت دے دو۔ میری وہ واحد آرزو محض یہ ہے کہ میرے رسول رحمت للعالمینؐ کی اطاعت کرو۔ جس درجہ پر تم میری اس خواہش کا احترام کرو گے اس درجہ پر میں تمہاری حاجت روائی کا ذمہ قبول کرتا ہوں۔ پس ہر طرح کے احساس محرومی کا واحد شافی علاج اطاعت رسولؐ حکیم ہے۔

؎ اطاعت رسولؐ ہی خدا کی اطاعت ہے (قرآن)

اسلام سے کنارہ کشی کا نتیجہ

چنانچہ محترم قارئین! جو لوگ اسلام سے کنارہ کش ہوئے شیطان نے دنیا کی چمک سے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ شیطان نے جو کہ صاحب طاقت و اختیار بھی ہے ان کو صراط مستقیم سے دور رکھا اور ہوس دنیا میں مبتلا کر دیا۔ وہ دنیا حاصل کرنے میں مصروف عمل ہوئے اور اپنے دنیوی مقاصد کے حصول کے لئے ان کی جدوجہد بظاہر بار آور ثابت ہوئی۔ لہٰذا غیر مسلم اقوام کی ترقی ہمارے

نزدیک شیطانی طاقت کا مظاہرہ ہے جو عموماً غلبہ و تسلط بھی اختیار کر جاتا ہے۔ مگر یہ غلبہ ان کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں۔ کیونکہ ان کی ترقی حقیقت میں ان کی بے چینی ' بے قراری، بے سکونی ' بے اطمینانی اور بے آرامی میں دن وگنی رات چوگنی ترقی بن چکی ہے۔ حتی کہ سکون و آرام کی خاطر وہ منشیات کا سہارا لینے پر مجبور نظر آنے لگے ہیں یعنی خود کشی کرنے میں مصروف ہیں۔

مسلمان کی خطا

لیکن اصل بات ہے مسلمان کی۔ اس بیچارے نے آخر کیا خطا کی ہے کہ غیر مسلم اقوام کے مقابلے میں اس کی جدوجہد مطلوبہ معیار کے مطابق ہونے کے باوجود ثمرات سے خالی ہے جب ہم یہ سوال لے کر مکتب اہل بیتؑ کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ وہاں سے جواب ملتا ہے کہ اللہ کے اس ارشاد کو غور سے پڑھو۔

یعنی "جو کوئی ایمان لانے کے بعد (مسلمان ہو کر) کفر کرے ماسوائے مجبور کے کہ اس کا دل اندر سے ایمان سے مطمئن ہو۔ (تقیہ میں ہو) لیکن جنھوں نے اپنے سینے کو کفر (انکار) کے لئے کھول دیا۔ تو بس ان پر اللہ کا غضب ہے۔ اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے حیات دنیا کو حیات آخرت سے محبوب بنا لیا ہے اور بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔ (یہ دنیا پرست جو مادی حیات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں) ایسے لوگ ہیں جن کے قلوب، سماعت اور بصارت پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہی تو ہیں جو غافل ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ لوگ بالاخر نقصان میں ہوں گے۔

(السورۃ النحل آیات ۱۰۶ تا ۱۰۹)

معلوم ہوا کہ شیطان کی سجائی ہوئی دلفریب دنیا کی حب جس میں انسان کو مبتلا کرنا ابلیس کا ہدف ہے ایسی خطرناک بلکہ مہلک چیز ہے جو مومن مسلمان ہونے کے باوجود مسلم کے درجے سے گرا کر مسلمان رہتے ہوئے بھی کافر بنا دیتی ہے۔ حب دنیا کی خاطر ہی انسان چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم نا فرمانی یعنی انکار جسے کفر کہا گیا ہے کرتا ہے۔ یعنی اطاعت سے تخلف کر جاتا ہے۔ اسلام کی فطرت شناسی اور حکمت آموزی ملاحظہ فرمایئے۔ سبحان اللہ! مجبور کو مستثنیٰ کر کے چاک گریبان کو گرفت میں لے رہا ہے۔ اور اس اجازت تقیہ کی حکمت عملی سے جو فوائد

موصول ہوتے ہیں ان کی سیاسی اور سماجی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ان صفحات میں گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ مفید عنوان بھی درس ہائے مکتب اہل بیتؑ کے سوا کہیں اور نہ ملے گا۔

اطاعت رسولؐ شیطانی حملوں کو پسپا کرنے کا موثر ہتھیار ہے

پس ثابت ہوا کہ اسلام کی مادی و روحانی فلاح کے لئے ضمانت دہی اس شرط سے مشروط ہے کہ مسلمان اپنے دامن کو "اطاعت رسولؐ" کی روگردانی سے پاک رکھے کیونکہ اسے "کفر" کہا گیا ہے لہذا رسول کی فرمانبرداری کا ہر لحہ اور ہر قدم پر لحاظ رکھنا اشد ضروری ہے تاکہ مسلمان "اسلام" کے ثمرات سے نفع اندوز ہوتے ہوئے مادی اور روحانی فلاح حاصل کر سکے۔ شیطانی حملوں کی صورت میں دشمن کا منہ توڑ جواب دینے اور اس پر غالب آنے کے لئے "اطاعت رسولؐ" بہت موثر اور کارگر ہتھیار ہے۔

صراط مستقیم پر قائم رہنے کے لئے رسول کریمؐ کا تعلیم کردہ راستہ

"صراط مستقیم" پر چلنے کی راہ میں شیطان کی نصب کردہ رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے ہادی اعظم سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک ضروری حکم صادر فرمایا ہے۔ جس کی اطاعت امت کے ہر فرد پر ضروری ہے تاکہ اس پر عمل کر کے خود کو ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھ سکے۔

صدیق صحابی رسول حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ جس نے

علیؑ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اسکی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"

(مستدرک ۔ امام حاکم نیشاپوری)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے فرمایا۔

یا علی من اتبعک نجا و من تخلف عنک ھلک و انت الطریق الواضح و الصراط المستقیم"

اے علیؑ! جس نے تیری پیروی کی وہ نجات پا گیا۔ اور جس نے تجھ سے انحراف کیا وہ ہلاک ہوا۔ تم واضح طریق اور صراط مستقیم ہو۔

(ینابیع المودۃ علامہ قندوزی)

پھر رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تلقین فرمائی۔

ان تولوا علیا تجدوہ ہادیا مھدیا یسلک بکم الطریق المستقیم"

(کنزالعمال)

اے مسلمانو! اگر تم علیؑ کو اپنا حاکم مانو گے تو اسے ہادی مہدی پاؤ گے وہ تمہیں صراط مستقیم پر چلائیں گے۔

اطاعت علیؑ ہر مومن پر واجب ہے۔

یہی وجہ تھی کہ بحکم خدا روز غدیر دربار عام میں شہنشاہ کونین نے اپنے جانشین امام علیؑ کی عملاً " عمامہ پوشی کر کے ان کو مولائے مومنین مقرر فرما دیا۔ اس رسم کی بخیر و خوبی انجام دہی کے بعد خدا نے دین کی تکمیل اور نعمت کے اتمام کا اعلان کیا اب ہر صاحب ایمان پر واجب ہے کہ وہ پیغمبرؐ کے اس عالی شان حکم کی تعمیل میں سر تسلیم خم کر کے اپنے "مسلم" یعنی "مطیع کامل" ہونے کا ثبوت دے۔

تاریخی المیہ

تاریخی المیہ یہ ہوا کہ اس حکم پیغمبرؐ کے بارے میں امت دو گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک طبقے نے اسے بدل و جان قبول کر لیا جب کہ اکثریت نے اس کو ماننے میں پس و پیش سے کام لیا۔ یعنی اطاعت رسولؐ سے عملاً" پہلو تہی اختیار کر کے انکار کیا ایسا انکار جسے کتاب خدا نے "کفر بعد الایمان" قرار دیا ہے۔ لامحالہ اس کا نتیجہ غضب خدا' عذاب خدا' عذاب عظیم' حب دنیا 'غفلت' قلوب پر سماعت پر اور بصارت پر مہر ثبتی' اور انجام کار نقصان ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

امت میں تفرقہ

تاریخ بین سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ رحلت رسول رحمت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فورا" بعد جب امت نے اپنے خیر اندیش نبیؐ کے حکم سے آنکھیں چرائیں تو دنیا کی نگاہ نے دیکھا کہ حضورؐ کی پیش گوئیوں کے عین مطابق غضب خدا کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے اور اس کا اول اثر اتحاد ملی پر پڑا۔ کہ امت دو پارٹیوں میں بٹ گئی۔ اتفاق کی برکت اٹھا لی گئی۔ فتنوں نے سر اٹھانا شروع کئے۔ حدیث کی کتابوں میں پیغمبرؐ کے ہزار سے زائد فرمودات دور فتن سے متعلق ہیں ان کا مطالعہ کرنے سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مسلمان مغضوب ہو گئے۔ دنیا کا سب سے بڑا عذاب بے سکونی ہے۔ امت اس دن سے سکون کے لئے ترس رہی ہے اور ایک لحہ بھی تاریخ میں ایسا پر سکون دکھائی نہیں دیتا جسے اجتماعی لحاظ سے خوف سے مبرا قرار دیا جا سکے۔ حب دنیا ایسی غالب آئی کہ بھائی نے بھائی کا گلا کاٹنے سے دریغ نہ کیا۔ حرص مال' زمین پر حربی فساد' عصبیت کے انتشار' داخلی خلفشار اور خارجی یلغار کے

عفریت وندنانے لگے۔ حرص مال' ہوس اقتدار' لوٹ مار اور غارت گری کے بازار گرم ہو گئے غفلت نے اسلامی سرزمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ذہن پراگندہ ہو گئے۔ سوچ تخریبی ہو گئی دلوں میں شقاوت پیدا ہوئی لشکر کشی کے غوغا نے حق کی آواز کو کانوں تک نہ پہنچنے دیا۔ طبل جنگ اور ہتھیاروں کی جھنکار کے غل سے علمی مواعظ سے قوت سماعت مستفیض ہونے سے قاصر رہی۔ آنکھوں پر غفلت کی پٹی بندھ گئی۔ خونی نگاہوں کو کشتوں کے پشتے بنانے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہوس نے اندھا کر دیا۔ آنکھوں پر ایسی مہر لگی کہ آج وہ تذکرے سنتے ہوئے بھی آنکھیں چرانی پڑتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ دن بدن مختلف ماحول و کیفیت کی مناسبت سے روز افزوں ترقی پر ہے اور اپنے طبعی انجام تک پہنچ کر دم لے گا۔

اگر پیغمبرؐ کے حکم سے انحراف نہ کیا جاتا تو یقیناً "اسلام اپنے "مسلم" کو حسب وعدہ دنیا و آخرت کی حسنات سے مالا مال کرتا۔ اب مسلمان تو اپنی نافرمانی کی سزا و پاداش میں گرفتار ہوئے اب وہ لاکھ جتن کریں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے جتنے مرضی اعمال بجا لائیں' نیکیاں کریں' روزانہ نظام اسلام کا ڈھنڈورا پیٹیں۔ تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہیں ان کا خاطر خواہ اثر ہرگز نہ ہو گا کیونکہ اللہ کے وعدے سچے اور اس کی پکڑ مضبوط ہوتی ہے۔

اعمال میں تاثیر کیوں نہیں؟

یہ حقائق ہیں لہٰذا کچھ تلخ اور کچھ ترش بھی ہیں۔ آپ خود احوال امت بنفس نفیس ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ مسلم امہ کی اکثریت جو آج تک حکم رسول مجریہ روز غدیر سے اعراض کیے ہوئے ہے اسلام کے حقیقی ثمرات سے بہرہ مند نہیں ہے حالانکہ وہ سارے کے سارے نہ سہی مگر ان کی خاصی تعداد شرعی احکام کی ظاہری پابند نظر آتی ہے۔ قیام صلواۃ' نظام زکواۃ اہتمام صوم' جذبہ جہاد اور عزم حج بیت اللہ کے علاوہ اپنی دانست میں اسلامی تعلیم کی روشنی میں مکارم اخلاق اور حسن معاملات میں انفرادی اور اجتماعی طور پر خلوص نیت کے ساتھ مسلمان مصروف اعمال ہیں۔ قرآن کے حافظوں اور قاریوں کی کمی نہیں۔ مگر دیکھتے ہیں ان نمائشی اعمال صالحہ کا موصولہ نتیجہ کچھ برآمد نہیں ہوتا۔ البتہ فطری قانون جو دینوی قانون بھی ہے۔ یہ ہے کہ ہر عمل کا ایک رد عمل ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اعمال صالحہ کا رد عمل از خود ضرور بر آمد ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر و بیشتر لوگوں کی حاجتیں بمطابق ترکیب و ترتیب کرنے سے پوری ہو جاتی ہیں۔ یا دعائیں منظور ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ میوہ لذید ہے لہٰذا اس کی لذت تو ہرایک کو محسوس ہو گی مگر اس کے اندر جو تاثیر' قوت شفا یا مضرت پوشیدہ ہے وہ کھانے والے کے مزاج کے مطابق ایک خود کار نظام قدرت کی زیر نگرانی اثر انداز ہو گی۔ جس کی کھانے والے کو خبر بھی نہ ہو گی۔ مثلاً " آم پھلوں کا بادشاہ ہے۔ بہت لذید پھل ہے۔ اسے ہندو کھائے یا مسلمان۔ دونوں کو مزہ آئے گا۔ یعنی اس کے ظاہری ذائقے سے ہر کوئی لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے اندر چھپے ہوئے جو خواص ہیں ان کے اثرات کھانے والے کی طبیعت پر منحصر ہوں گے۔ ایک نوجوان تنومند جب

آم کھائے گا۔ تو وہ اسے حرارت اور توانائی بخشے گا۔ لیکن وہی آم اگر ایک ذیابیطس کا مریض کھائے گا۔ تو وہ اس کی شکر میں اضافہ کر کے اس کی صحت پر برا اثر ڈالے گا۔ چنانچہ اسی مثال کی روشنی میں آپ اعمال صالحہ کو دیکھیں۔ ان کو بجالانے سے ان کی ظاہری لذت کا حاصل ہونا تو عین ممکن ہے مگر نافرمانی رسولؐ کے مریض کے لئے ان سے شفا کی امید رکھنا خود فریبی ہے۔ اس لئے آج کی نسل جب مذہب کی طرف راغب ہوتی ہے اور اعمال بجا لاتی ہے۔ مگر حسب پسند نتائج حاصل نہیں کرتی تو آمادہ بغاوت ہو جاتی ہے اور اصلی سبب کی طرف توجہ نہیں کرتی۔

فضائل قرآن

اللہ کا شکر ہے کہ اس کے فضل سے مسلمان کے ہاتھ اللہ کی کتاب ہے۔ اس کے حفاظ بھی خیر سے اچھی خاصی تعداد میں ہیں تلاوت بھی جاری رہتی ہے مگر "اسلام" اپنی کتاب کے فضائل میں دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں خشک و تر کا علم ہے۔ اس سے مردوں کو زندہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ شفا امراض ہے اس کو پڑھ کر پہاڑوں کو چلایا جا سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ ۔ مگر افسوس اندھے حافظ ساری عمر اس قرآن کو پڑھ پڑھ کر مرجاتے ہیں مگر اندھے ہی رہتے ہیں۔ بینائی نہیں پاتے۔ ہم نے کسی قاری قرآن کو اپنی ظاہری آنکھوں سے مردہ زندہ کرنا تو کجا ایک چیونٹی کو بھی زندہ کرتے دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ البتہ زندوں کے سرہانے اس کو پڑھ کر مرتے لوگوں کو اکثر دیکھا ہے۔ اس کو پڑھ کر پہاڑ چلانا تو درکنار کسی نے ایک کنکر بھی متحرک نہیں کی ہے۔ اب ایسے میں یا تو "اسلام" کا دعویٰ محتاج ثبوت ہے یا پھر مسلمان حافظ و قاری کی تلاوت بے اثر و بے تاثیر ہے۔ جب کہ خود قرآن ہی کا دعویٰ ہے کہ وہ بہتوں کو گمراہ کرتا

ہے۔

نماز کی فضیلت

نماز کے بہت سے فضائل ہیں۔ یہ مومن کی معراج ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ دین کا ستون ہے فحاشی و منکرات سے بچاتی ہے۔ دل کو سکون بخشتی ہے مگر آپ تجربہ کر سکتے ہیں کہ آج کل جتنا زیادہ نماز پڑھنے والا مسلمان ہو گا اتنا ہی ریاکار، منافق صفت، غاصب، ظالم، شقی القلب، اور غیبت گو ہو گا۔ نماز اور امام آپس میں رشتہ دار ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس کی نماز قبول اس کے تمام اعمال قبول۔ نماز پڑھ کر مسلمان اپنی مسلمانی کا امتحان خود کر سکتا ہے۔ نماز کا اول اثر یہ ہے کہ وہ برائیوں سے بچاتی اور فحاشی سے روکتی ہے اب اگر آپ نے نماز پڑھی اور واقعی صحیح و مطلوبہ نماز ادا کی تو آپ آزاد ہیں۔ اب یہ نماز کا فطری فریضہ عملی اور اس کی قدرتی ذمہ داری ہے کہ وہ آپ کو ہر طرح کی برائیوں سے محفوظ رکھے اور تمام منکرات سے روکے اگر تو آپ کی پڑھی ہوئی نماز نے یہ کام کر دکھایا کہ آپ کی برائیوں سے حفاظت کی اور نافرمانیوں سے روکا ٹوکا تو آپ کی نماز صحیح اور قبول ہے۔ ورنہ آپ کی نماز کا درجہ مطلوبہ معیار سے گرا ہوا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہم جیسے ہی نماز سے فراغت پاتے ہیں دنیا میں کھو کر خود کو گم کر دیتے ہیں۔ اور وہ کچھ کرتے ہیں کہ مجبوراً "شرمندہ ہو کر بطور طفل تسلی کہنا پڑتا ہے۔ کہ "نماز اپنی جگہ پر دنیاداری اپنی جگہ پر" اس روز مرہ کے تجربے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہماری نمازیں بے اثر ہیں۔ اگر نماز سچی نماز ہو تو یقیناً "ہمارا ضمیر اطاعت رسولؐ کی طرف رغبت پائے۔ اور ہم اس انحراف سے توبہ کر لیں جس کے نتیجے میں ہماری نماز میں تاثیر نہیں پائی جاتی ہے۔ شاید اس لئے اللہ نے قرآن مجید میں "فویل للمصلین" (الماعون ۴)"پس تف ہے ان نمازیوں پر" فرما کر

لوگوں کو خبردار فرمایا ہے۔

روزہ کا فائدہ روزہ کا یہ کام ہے کہ وہ روزہ دار میں تقویٰ پیدا کرتا ہے مگر آپ روزہ دار تو لاکھوں دیکھ سکتے ہیں مگر متقی کوئی ہی ہو گا۔ کیونکہ متقی وہی ہو سکتا ہے جس کا امام علیؑ ابن ابی طالب ہو۔ جسے آل رسولؐ اللہ نے "امام المتقین" سے ملقب فرمایا ہے۔

شدت سے عمل کرنے والے جہنم میں داخل ہوں گے اسی طرح آپ تمام عبادات و اعمال کا جائزہ لیجئے ان کے بجا لانے پر اسلام کے موعودہ ثمرات کو پیش نظر رکھ کر دیکھتے جایئے آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ سب کچھ یا تو محض عقیدت ہے یا پھر دعویٰ بلادلیل ہیں چنانچہ قرآن حکیم میں ہے۔ کہ "عاملتہ ناصبہ ○ تصلی نارا حامیہ" شدت سے عمل کرنے والے جہنم میں داخل ہوں گے۔ (الغاشیہ ۳، ۴)

حالات حاضرہ

چالیس برس سے زیادہ ہو گئے یہودیوں نے فلسطین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے ایک چھوٹی سی مملکت ہوتے ہوئے بھی اس نے پورے عالم اسلام کو لوہے کے چنے چبوا رکھے ہیں ہر سال حج کے موقع پر مسلمان لاکھوں کی تعداد میں عین حرم کعبہ میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر پورے خشوع و خضوع کے ساتھ رو رو کر' چیخ چیخ کر آزادی فلسطین اور اسرائیل کی نابودی کیلئے دعا مانگتے ہیں مگر اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ دن بدن یہودی سلطنت کو تقویت حاصل ہو رہی ہے اور فلسطینی مسلمان دربدری کے عالم میں بھی آپس میں دست و گریباں ہیں کیا ان کروڑہا مسلمانوں میں سے کسی ایک بھی مسلمان کی دعا میں اثر نہیں؟

ہم اپنے ملک پاکستان کی حالت بے بسی کا ذکر کیوں نہ کریں کہ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں جب سقوط ڈھاکا ہوا اور پاکستان اپنے ایک بازو سے محروم ہو گیا اس وقت تقریبا" ایک لاکھ کی فوج نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالے۔ اور یہ مسلمانوں کی ایک تاریخی شکست قرار پائی جب کہ پاکستان کے کروڑوں عوام نے خصوصی دعائیں مانگیں مگر اللہ نے ایک مسلمان کی دعا بھی قبول نہ کی۔ بلکہ دنیا میں نام مسلم کی رسوائی کا داغ برداشت کر لیا۔

آج ورلڈ گلوب پر ایک بھی مسلمان ملک ایسا نہیں ہے جس کی نزاع کسی دوسرے مسلمان ملک سے نہ ہو۔ یہ لڑائی چاہے حربی ہو یا نظریاتی۔ علانیہ ہو یا خفیہ بہر طور مسلمان ایک دوسرے سے برسرپیکار ضرور ہیں۔ اور حامل اقتدار حکومت و ریاست ہونے' کثیر آبادی اور وافر نفری رکھنے' بہترین قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے' فنی ماہرین اور علمی دانش مند رکھنے کے باوجود دنیا میں اسلام کا غلبۂ و اظہار قائم نہیں ہوا ہے اور ویسا جنت نظیر معاشرہ جس کی نوید اسلام نے سنائی ہے کرہ ارضی پر عملاً" کسی جگہ نظر نہیں آسکا۔ حالانکہ نیک شعاری اور بد

خصالی کا اس بدبختی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اچھا کام اسی وقت نیکی ہے جب خدا اسے قبول کرے

نیکوکاری اس وقت نیکی قرار پائے گی جب خدائے کریم اس نیکی کو قبول کرے اور اس کا اجر ثواب کی صورت میں عطا کرے جیسا کہ اس کا وعدہ ہے اس بات کا اللہ ہرگز پابند نہیں ہے کہ وہ کسی فاعل کے کسی فعل کو جو اس کی یا دیکھنے والے کسی دوسرے شخص کی نگاہ میں نیکی ہے' واقعی اسے نیکی شمار کرے۔ بلکہ اس پر مختار ہے کہ وہ کسی کے عمل کو قبول کرے یا ٹھکرا دے لیکن وہ ذات عادل ہے ظلم نہیں کرتی۔

آپ کسی بھی عمل کو لیجئے وہ اگر نیک عمل ہے کسی صورت میں یا حالت میں امکان ہے کہ وہی نیکی بدی قرار پائے مثلاً" نماز ایک نیکی ہے مگر ریاکاری سے پڑھی جانے والی نماز برائی ہے حالانکہ عمل میں یکسانیت ہے اسی طرح ہر برائی کسی مخصوص ماحول میں نیکی بھی ہے جیسے کسی کو قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے مگر جہاد میں یہی عمل عبادت کبیر اور موجب ثواب ہے لہذا بظاہر نظارہ کر کے بغیر تحقیق کے اس کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ عمل یا فعل اپنے محرک جذبے کی روشنی میں نیکی یا بدی کے کس زمرے میں شمار ہوتا ہے۔

"اطاعت رسول"" یقینی نیکی ہے۔ اور اس سے انحراف دیگر تمام نیکیوں پر پانی پھیرتا ہے

مگر نافرمانی رسولؐ، حکم عدولی پیغمبرؐ اور اطاعت نبوی سے انحراف ایسا بدترین اور مہلک فعل ہے جو آناً" فاناً" انسان کے لئے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے اور بدقسمتی سے امت کا کثیر حصہ اس مرض کا مریض ہے۔ لوگ اعمال پر توجہ دیتے ہوئے اسلام اسلام کرتے ہوئے اصلاحی سرگرمیوں میں تن من دھن سے ضرور مصروف ہیں

مگران کو بقول خدا اس کی خبر تک نہیں وہ جو کچھ بھی کر کرا رہے ہیں وہ سب کچھ اکارت ہوتا جا رہا ہے اسی لئے اس کا پورا ثواب مادی دنیا میں حسب وعدہ موصول نہیں ہو رہا ہے اللہ نے اس بات کو کھل کر بیان کرتے ہوئے اعلان فرمایا ہے۔

"یا ایھا الذین امنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و لا تبطلوا اعمالکم"

(سورہ محمد نمبر ۳۳)

اے ایمان کے دعویدارو! اللہ کی اطاعت کرو اور الرسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ اس سے قبل اللہ نے فرمایا۔

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا (پیغمبر کی نافرمانی کر کے) لوگوں کو سبیل خدا سے روکا اور "الرسولؐ" کی مخالفت کی (ایسا کیا جو حضورؐ پر شاق گذرا) بعد اس کے کہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی تھی۔ (حکم رسولؐ کا اعلان عام کیا جا چکا تھا) وہ ہرگز اللہ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ (پیغمبرؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) عنقریب ان کے تمام اعمال اکارت کر دیئے جائیں گے"

(سورہ محمد آیت ۳۲)

اور دوسرے مقام پر خبردار کیا ہے کہ:

"اے ایمان والو! اپنے بول کو نبیؐ کے بول سے بالا مت کرو اور اس سے اونچی آواز سے خطاب نہ کرو۔ جیسے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال غارت ہو جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہو"

سورہ حجرات آیت:۲

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو ایمان کے دعویدار ہیں خدا ان کو تاکید بلکہ تنبیہہ فرما رہا ہے اللہ اور الرسولؐ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کلی کرو۔ اور اس سے انحراف کر کے اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔ دوسری آیت میں خصوصی طور سے وہ مسلمان مخاطب ہیں جو نزول وحی کے عہد میں موجود تھے اور ان کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ "الرسولؐ" کے حکم کی مخالفت کر کے اپنے ماضی میں کیئے گئے اچھے کاموں کے اکارت ہو جانے کا خطرہ محسوس کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ "تخلف اطاعت الرسولؐ" کی پاداش میں تمہاری گزشتہ نیکیاں برباد ہو جائیں اور گناہ لازم آئے۔ پھر سورہ حجرات میں صاف طور پر آگاہ کر دیا کہ اس امر کو ہرگز فراموش نہ کرو کہ رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنا اعمال کی بربادی کا سبب ہے اور یہ بربادی تمہارے شعور کی رسائی سے بالا ہے۔ تم اپنے طور پر جتنے مرضی اعمال بجا لاتے رہو مگر تمہیں کیا خبر کہ وہ ساری محنت اور تکلیف جو تم نے اٹھائی ہے اس کا نتیجہ صفر ہے۔

تو گرامی قدر قارئین! ہم بد نصیبوں کی ساری عبادتیں، ریاضتیں، دعائیں، وظائف، عملیات، درود اور ذکر و اذکار، وعظ و مواعظ الغرض جو بھی ہم برائے خوشنودی خدا بجا لانے میں مصروف ہیں وہ سب کے سب احباط ہوتے جا رہے ہیں اور ان کا صلہ مادی ثواب کی صورت میں تو کماحقہ یقیناً "موصول نہیں ہو رہا ہے اخروی ثواب کی بھی توقع نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وہ ایک خود کار نظام قدرت کے تحت اکارت کی نذر ہوئے جا رہے ہیں اور اس تمام بربادی کی ذمہ داری کلیتہ ہم پر عائد ہوتی ہے کہ ہم نے شرط اطاعت رسولؐ کے تقاضوں کو ہرگز پورا نہیں کیا ہے۔

عہد روز غدیر سے تخلف کا انجام بزبان بشیرؐ و نذیرؐ بکلام جناب امیرؑ

خود مولائے کائنات امیرالمومنین امام علی علیہ السلام روایت فرماتے ہیں کہ

رسول بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اگر کوئی خدا کا بندہ اللہ کی اتنی عبادت کرے جس قدر حضرت نوحؑ علیہ السلام نے اپنی قوم میں قیام فرما کر کی ہے اور احد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کر دے۔ پھر اس کی عمر اتنی لمبی ہو کہ ایک ہزار حج پیدل کرے اور پھر صفا و مروہ کے درمیان مظلوم قتل کر دیا جائے مگر وہ تجھے اے علیؑ "مولا" تسلیم نہ کرتا ہو تو وہ جنت کی بو نہیں سونگھ سکے گا۔ اور نہ اس میں داخل ہو سکے گا۔

(ارجح المطالب بحوالہ فردوس الاخبار دیلمی)

نتیجہ جو مادہ پرست کے جارحانہ شکوہ کا جواب ہے

منقولہ بالا معروضات کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچ جانا بالکل دشوار نہیں ہے کہ عامتہ المسلمین کی دنیا میں بے وقعتی، پس ماندگی، محرومی اور مادی ترقی کی رکاوٹ کا سبب اول، رسول آخر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیغام آخر سے انحراف ہے۔ اگر مسلم امہ خلوص دل سے حکم پیغمبرؐ کو قبول کر کے اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا ثبوت دیتی تو آج امم و ملل زمانہ کی امامت کا اپنا حق بالضرور حاصل کر لیتی اور بے باک نسل کے مادہ پرست کے اس جارحانہ شکوہ کا کہ "مذہبی تعلیمات جو فطرت کی ہم نوا ہونے کا دعویٰ بھی رکھتی ہیں جو روحانی طریقے مشکلات کو رفع کرنے کے لئے مہیا کرتی ہیں عموماً" بے اثر ٹھہرتے ہیں" کا شافی جواب یہی ہے ان تعلیمات کو مکتب اہل بیتؑ سے سیکھنے کی زحمت نہیں اٹھائی جاتی ہے لہذا ان میں تاثیر نہیں ہوتی۔

فضائل اہل بیتؑ شکوہ کا رخ معکوس

اب ہم اس بحث کے دوسرے گوشے پر کچھ گفتگو کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے "اطاعت رسولؐ" سے اعراض نہ کیا۔ ان کو کیا سرخاب کے پر لگ گئے جب کہ حال امت تو یہ ہے کہ

"ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے"

لہٰذا آیئے اب اپنے چاک گریبان اور بند قبا کا نظارہ فرمایئے۔

ہم اپنی حالت بیان کرنے سے پہلے اپنے پیشواؤں کے سوانح پر کچھ عرض کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔ مکتب اہل بیتؑ کے مطابق امام کے لئے ضروری ہے کہ شجاعت، پاکدامنی، سخاوت اور عدالت جیسی اخلاقی خوبیوں کا مالک ہو۔ کیونکہ جو شخص گناہوں سے پاک ہو وہ تمام دینی قوانین پر عمل پیرا ہو گا اور "اچھے اخلاق" دین کے لوازمات سے ہیں۔ علاوہ ازیں امام کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ اخلاقی خوبیوں میں امت کے باقی تمام لوگوں سے بلند ترین مقام پر فائز ہو۔ کیونکہ کسی شخص کا اپنے سے بہتر اور برتر فرد کا پیشوا بن جانا عدل کے منافی ہے۔

ہمارے نظریئے میں امام دین کا سرپرست ہوتا ہے۔ اور چونکہ دین کی ریاست کی حدیں ساری کائنات تک پھیلی ہوئی ہیں اس لئے وقت کے تمام اہل علم سے امام کا علمی مرتبہ فوق ہوتا ہے لہٰذا وہ ان تمام مسائل کا مکمل علم رکھتا ہے جن سے لوگوں کو دنیا اور آخرت سے واسطہ پڑتا ہے یعنی جن سے حیات مادی اور روحانی کی نیک بختی وابستہ ہے۔ کیونکہ کسی جاہل کا عقل مندوں کا پیشوا بننا جائز نہیں ہے اور خدائی سلسلہ ہدایت یعنی سنت الہیہ کے منافی ہے۔

محمد الرسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد آپ کے جانشین اور امت کے دین و دنیا کے رہبر و پیشوا بارہ بزرگ ہیں جنہیں ائمہ اثنا عشر یعنی بارہ امام کہا جاتا ہے اور نوع نسوانی کی ہدایت کے لئے ہمارے اعتقاد میں رسول اکرمؐ کی جلیل القدر دختر معصومہ سیدہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا انتخاب کیا گیا ہے اور ان

سب کو ہم "چودہ معصومینؑ" کہتے ہیں۔ یہ سب افراد اہل بیتؑ رسولؐ مقبول کی تعلیم و تربیت کا کامل نمونہ ہیں۔ ان سب کی سیرت حضورؐ کی سیرت جیسی ہے اور اہل بیتؑ کی یہی فضلیت جملہ فضائل کو احاطہ کرلیتی ہے۔

تکمیل دین کے بعد ان رہنماؤں کی سیرت پر گفتگو کرنے سے پہلے ہم دین کے سابقہ پیشواؤں کا تذکرہ ثواباً" پیش خدمت کرنا اعتراف حقیقت سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم ابتدا میں عرض کر چکے ہیں کہ دین تو ابتدا سے ہے مگر اس کی تکمیل و تدوین بتدریج ہوتی رہی ہے۔ تخلیق آدمؑ سے قبل فطرۃ اللہ تھی اور اسی سے دین کو فطر کیا گیا ہے۔ آدم خلق کئے گئے تو دین کی راہ مستقیم کے دشمن ابلیس نے بغاوت کی اور سرکشوں کی فوج سے اس شاہراہ فلاح و بہبود پر حملے کرنے کا جرات مندانہ چیلنج دے کر خدا سے طاقت و تسلط اور مدت و مہلت حاصل کرلی۔ اب یہ ستیزہ کاری کا سلسلہ جاری ہوا۔ بندہ شیطان اور عبدرحمان کی جنگ جاری ہے اللہ شیطان کے مقابلے میں اپنی جانب سے اپنے خلیفے دفاع و جہاد کے لئے بھیجتا ہے۔ مکار دشمن لوگوں کو دنیا کی خوش فہمی اور عیش پسندی کا لالچ دے کر جہنم کا ایندھن تیار کرنے میں چابک دستی سے مصروف عمل رہا ہے۔ اس کے برعکس صراط مستقیم کے محافظوں نے دنیا کو محض عارضی قیام گاہ قرار دیا اور اپنا جھکاؤ اخروی دنیا کی بہتری کی جانب رکھا۔ سچا مسلم ہر زمانے میں دنیا پرست پر غالب رہا۔ بظاہر دنیوی نگاہوں میں وہ بڑا عاجز نظر آتا تھا مگر اسلام کی سچی قوت سے اس قدر مالا مال ہوتا تھا کہ دنیا والے اس کی طاقت کا مظاہرہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔ اس مسلم کامل کو اطاعت کاملہ کی بدولت مادی و روحانی دونوں حیاتوں پر حسب ضرورت تصرف حاصل ہوتا ہے لہذا وہ ہرگز دنیا کے کسی لالچ یا دبدبے سے مرعوب نہ ہوتا تھا اگر وہ نوحؑ کی شکل میں ہوتا تو طوفان نوحؑ طلب کر کے سرکشوں کی ساری کرتوتوں پر ایسا پانی پھیر دیتا کہ ان کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیتا۔ اگر وہ ابراہیمؑ کے روپ

میں مقابلہ پر آتا تو مغرور نمرود کی آگ کو گل گلزار کر کے اپنے تصرف کا بھرے دربار میں تماشہ دکھا دیتا۔ اگر وہ موسیٰؑ بن کر فرعون جیسے متکبر کے دربار میں آتا تو اپنے لکڑی کے عصاء کو اژدھا بنا کر جادوگروں کے جادو کو توڑ کر اپنے اور اپنے بھائی کے رب کا کلمہ پڑھوا لیتا۔ اپنی چھڑی سے پانی کو ٹکڑے کر کے اس میں راستہ بنا کر اپنے شیعوں سمیت دریا عبور کر جاتا اور فرعون مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا اور اسے مرنے کے لئے دریا میں چلو بھر پانی بھی لینے کی مہلت نہ ملتی کہ اس میں ڈوب مرے۔ اگر وہ عیسیٰؑ جیسا مسیحا ظاہر ہوتا تو اپنے مقدس پیر کی ٹھوکر سے مردے کو دنیا کی حیات بخش دیتا اور جب اپنے ہی ایک صحابی کی سازش سے گرفتار ہو کر مصلوب ہونے کے لئے لایا جاتا تو خود چرخ چہارم پر قیام کر لیتا اور اپنی جگہ غدار یہودہ عسکریوتی کو لٹکا دیتا۔ سلیمانؑ بنتا تو جنوں اور حیوانوں کو زیر نگین رکھتا۔ داؤدؑ ہوتا تو لوہے کو ہاتھ میں لے کر موم بنا دیتا۔ آصفؓ برخیا کی صورت میں ہوتا تو چشم زدن میں تخت بلقیس کو ملکہ سمیت دربار سلیمانؑ میں حاضر کر دیتا۔ اور جب محمدؐ کے بشری چہرے میں طلوع کرتا تو سورج کو پلٹا لیتا۔ اور جب شیاطین زمانہ دنیا کی حکومت' عورت' عزت' اقتدار اور شہرت کا چکمہ دینے آتے تو بے نیاز ہو کر کہتا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دو تو میں صراط مستقیم سے ایک شمہ بھی نہیں ہٹوں گا۔

ہم جب ان خاصان خدا کی ظاہری زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو بے شک ان کے ظاہری حالات سے کسمپرسی کی جھلکیاں دیکھتے ہیں مگر ہم چشم بینا نہیں رکھتے کہ ان کی باطنی حالت اور طاقت کا ادراک کر سکیں۔ دین اپنے ہر دعویٰ کی دلیل ہر طریقے سے پیش کرتا ہے اور یہی اس کی حقانیت کی بھی ایک دلیل ہے وہ بندہ مسلم سے جب وعدہ کرتا ہے تو ضرور پورا کرتا ہے۔ لہٰذا آپ دیکھیں کہ مسلم بندے جو آپ کو فقیر نظر آتے ہیں وہ ایسے بے نظیر ہیں کہ شاہ ان کی چوکھٹ پر

سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔ در اصل ان کو دنیا میں کوئی جاذبیت یا کشش یا رغبت ہی نظر نہیں آتی ہے۔ کیونکہ وہ آخرت شناس ہوتے ہیں اخروی حیات کے لوازمات دنیا کے عشرت کدوں سے اس قدر گراں قدر ہوتے ہیں کہ نگاہ مسلم میں جچتے ہی نہیں ہیں کیونکہ جس نے لندن جیسا پر رونق شہر دیکھا ہو اس کے سامنے شیخوپورہ جیسا شہر کوئی حیثیت نہ رکھے گا۔ لہذا چونکہ ان کو اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے اور اخروی نعمات کے مزوں سے آشنائی حاصل ہوتی ہے اس لئے وہ ان چند روزہ تعیشات میں کوئی رغبت پاتے ہیں نہ خواہش البتہ بوقت ضروری اظہار حق کی خاطر اتمام حجت کے لئے اور لوگوں میں رغبت و تبلیغ کے رجحان کو فروغ دینے کے بسا اوقات وہ اپنی حقیقی طاقت کا نمائشی مظاہرہ کرتے ہیں جسے ہم لوگ محیرالعقول ہونے کے باعث معجزہ یا کرامت سمجھتے ہیں۔ در اصل ایسے مظاہروں کے انعقاد کا مقصد دین کی طاقت کا لوہا منوانا اور وعدہ خدا کی سچائی کا ثبوت عملی طور سے پیش کرنا ہوتا ہے مگر جن کے دلوں، کانوں، آنکھوں پر مہریں منجانب الہی ثبت ہو چکی ہوتی ہیں وہ ان باتوں کو سمجھ سکتے نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں بلکہ الٹا جادو قرار دینے لگتے ہیں چنانچہ اس احساس محرومی کے مرض میں مبتلا ہو کر جاہلانہ انداز فکر اختیار کر کے یہ کہنا کہ مذہبی پارسا بزرگوں کی مادی حیات عسرت سے بھر پور ہے عدم معرفت کا نتیجہ ہے جب کہ حقیقی صورت حال یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرز زندگی اسی معیار کی مقتضی رہی جس حال میں انہوں نے گزاری چنانچہ امام المتقین امیر المومنین علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔

معاشرے میں حاکم کو (ظاہری) زندگی اس طرح بسر کرنی چاہیے کہ محتاج اور پریشان حال لوگوں کے لئے تسلی کا موجب بنے۔ نہ کہ اس طرح کہ ان کی حسرت اور امیدی کا سبب بنے۔

(نہج البلاغت)

عام "مسلم" پر انعام الٰہی

اگر یہ کہا جائے کہ یہ تذکرے تو معصوم ہستیوں کے ہیں عام دنیادار کو ایسی سعادت اور طاقت کیسے حاصل ہو سکتی ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ جب دین ببانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ وہ "مسلم" کو دارین کے حسنات سے بہرہ مند کرے گا تو عام مسلم بھی اپنی استطاعت' حیثیت' ظرف اور ضرورت کے مطابق اس انعام میں شریک ہے۔ انسانی ہدایت کا پورا بندوبست خدا نے اپنے ذمے لیا ہے چنانچہ وہ حسب منشاء جسے چاہے ہدایت دینے والا مقرر کرے اور جسے چاہے ہدایت لینے والا قرار دے۔ چنانچہ سورہ دہر میں اہل بیتؑ نبوی کی قصیدہ گوئی کرتے ہوئے پروردگار کی رحمت جوش میں آتی ہے اور فرماتا ہے کہ

ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذالی ربہ سبیلا ○ وما تشاءون الا یشاء اللہ ان اللہ کان علیما حکیما ○ یدخل من یشاء فی رحمتہ والظلمین اعد لھم عذابا الیما ○ (الدھر آیت ۲۹ تا ۳۱)

یعنی بے شک یہ (تذکرہ) نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے خدا کی سبیل کی طرف آ جائے۔ اور تم تو کچھ چاہتے ہی نہیں سوائے اس کے کہ جو اللہ چاہے بے شک اللہ جاننے والا اور صاحب حکمت ہے (وہ) جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔ اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سورہ دہر میں آل محمد علیہم السلام کی مدح سرائی کے بعد خدا ایک ہدایت نامہ جاری فرما رہا ہے اور دعوت عام دے رہا ہے جو بھی چاہے اس سبیل خدا صراط مستقیم کی جانب آ جائے۔ اور اس دعوت پر لبیک کہنے والوں کو سمیت صیغہ حاضر جمع میں کلام فرماتے ہوئے ارشاد کرتا ہے۔ اے وہ لوگو جو اس راہ مستقیم پر آ گئے ہو اب تمہاری شان یہ ہے کہ قدرتی طور پر تم کوئی خواہش ہی نہ کرو گے مگر وہ جو

اللہ چاہے گا۔ (بالکل اس طرح جس طرح فردوس میں انسان کوئی ایسی خواہش کرے گا ہی نہیں جو اس کے شایان شان نہ ہو) اور بے شک اللہ تو علیم ہے حکیم ہے مگر وہ اپنے علم و رحمت کی روشنی میں جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور یہ رحمت مجسم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات والی صفات ہے۔ جن کے سایہ رحمت کا ہر مسلمان متمنی ہے مگر ظالم لوگ ایسے بد نصیب ہیں کہ ان کے لئے اس سایہ رحمت کی بجائے درد ناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے جو صراط مستقیم کی جانب آئے گا اس میں یہ صفت قدرتاً" پیدا ہو جائے گی کہ وہ کچھ چاہے گا ہی نہیں مگر وہ جو خدا چاہے۔

اور میرے معزز قارئین! خدا جو چاہتا ہے وہ فوراً" ہو جاتا ہے

یہی انسان کا فطری تقاضا ہے کہ وہ جو چاہے ویسا ہو جائے۔ اور اسلام اس تقاضے کو بھی پورا کرنے کا دعویدار ہے اخروی زندگی میں بھی اور اس مادی حیات کے محدود عرصے میں بھی۔ مگر بندہ "مسلم" ہو مطیع کامل ہو۔ "اطاعت رسولؐ" کی شرط کو پورا کرنے میں اس کی عملی سرگرمیوں کا معیار ناقص نہ ہو۔ اب ہم تکمیل دین کے بعد بعض ان مبارک غیر معصوم "مسلم" بندگان خدا کا متبرک تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے یہ کمال حاصل کیا۔ اور اسلام کے حق ہونے کی زندہ دلیل قرار پائے۔

خوش قسمتی سے یہ سعادت مند مثالی مسلم مکتب اہل بیت رسولؐ سے وابستگی رکھتے تھے۔

مثالی مسلم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوذر غفاریؓ ایسی عظیم مسلم شخصیت ہیں جنہوں نے اسلامی نظریات کی ہر قدم پر جان جوکھوں میں ڈال کر نصرت اور حفاظت فرمائی۔ آپ دین حق کے نڈر سپاہی، بے باک مبلغ، عزم و استقلال کے پیکر، مظلوم صحابی رسولؐ تھے۔ رسول صادق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اس صدیق صحابی کے صدق کی ضمانت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ۔

"سایہ آسمان تلے اور زمین کے فرش کے اوپر ابوذرؓ سے زیادہ سچ بولنے والا کوئی نہیں"

(ازالتہ الخفا۔ جلد نمبر ۱ ص ۲۸۲ شاہ ولی اللہ دہلوی)

جناب ابوذرؓ نے کبھی لذت غم و شدائد کو عارضی خوشیوں کے ہاتھوں فروخت نہ فرمایا۔ آپؓ کے حوصلہ افزا اور جرات مندانہ جذبات ایمانی بڑی بڑی آزمائش میں غالب نظر آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس حق گو صدیق امت کو اشاعت حق کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ مگر ایک لمحے کے لئے بھی یہ سرفروش اسلام باطل کے سامنے سرنگوں نہ ہوا۔ ابوذرؓ اسلامی اقتصادیات کے مایہ ناز ماہر تھے۔ وہ مدینے کی گلیوں میں اور دمشق کے پر ہجوم بازاروں میں قرآن مجید کی ان آیات کی تلاوت کرتے تھے جن کا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی جمع کرنے والوں کو بشارت دے دو کہ جو دولت کو راہ خدا میں تقسیم نہیں کرتے ان کے لئے عذاب الیم تیار ہے۔ چنانچہ وہ حکومت وقت کی معاشی پالیسیوں پر کڑی تنقید فرمایا کرتے تھے جس کی پاداش میں وہ سرکاری عتاب کا نشانہ بنے رہے۔ تاریخی اعتبار سے ان کی ظاہری زندگی پریشان حالی میں گزری۔ لیکن در حقیقت وہ درویش۔ اتنا بڑا صاحب اقتدار مسلم تھا کہ جنگل کے درندوں پر بھی اس کی حکومت چلتی تھی۔ چنانچہ مروی ہے کہ

حیوانات پر حضرت ابوذرؓ کی حکومت

حضرت ابوذرؓ خاصان خدا اور مقربین اصحاب رسولؐ سے تھے۔ ایک دن بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہؐ! میرے پاس ساٹھ گوسفند ہیں۔ جن کی مجھے حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ مگر میرا دل یہ گوارہ نہیں کرتا کہ میرے یہ لمحات صحبت رسولؐ سے خالی رہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ابوذرؓ تم واپس اپنے مقام پر جا کر ان گوسفندوں کا بندوبست کرو۔ حکم رسولؐ ملتے ہی واپس آئے۔ ایک دن مشغول نماز تھے کہ ایک بھیڑیا آگیا۔ دل میں خیال آیا کہ نماز کو پورا کر لوں یا اپنے جانوروں کی حفاظت کروں۔ پس جی ہی میں فیصلہ کیا کہ گوسفند جاتے ہیں تو جائیں نماز تو پوری کر لو۔ مگر ساتھ ہی شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ اگر بھیڑیئے نے سارے جانور ہلاک کر دیئے تو پھر کیا بنے گا۔ مگر فوراً ہی جذبہ ایمان بولا کہ خدا کی توحید، محمدؐ کی رسالت اور علیؑ کی ولایت جیسی دولت جس کے پاس ہو اسے اور کیا چاہیئے؟ گوسفند جاتے ہیں تو جاتے رہیں۔ نماز کیوں جائے۔ لہٰذا صمیم قلبی سے نماز میں مشغول رہے۔ بھیڑیا لپکا اس نے پہلا حملہ کیا کہ ایک بچہ لے کر چلا۔ ابھی وہ چند قدم ہی گیا ہو گا کہ ایک شیر نمودار ہوا۔ اس نے بھیڑیئے کو ہلاک کر دیا اور گوسفند کے بچے کو اس سے چھین کر گلہ میں پہنچا دیا۔ پھر امر ربی سے گویا ہوا۔

"اے ابوذرؓ! تم اپنی نماز میں مشغول رہو، حق تعالیٰ نے مجھے تمہارے گوسفندوں پر موکل کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک تم نماز سے فارغ نہ ہو جاؤ۔ میں تمہارے گوسفندوں کی حفاظت کرتا رہوں۔"

پس جناب ابوذرؓ نے کمال آداب و شرائط سے نماز قائم کی۔ جب نماز سے فراغت پائی تو شیر حضرت ابوذرؓ کے قریب آیا۔ اور اس نے پیغام دیا کہ اے ابوذرؓ بارگاہ رسالتؐ مآب میں حاضر ہو کر اطلاع کر دو کہ اللہ نے ایک صحابی کے لئے اس کے

گوسفندوں کی حفاظت پر شیر کو مقرر کر دیا ہے۔ جناب ابوذرؓ خدمت رسولؐ میں آئے اور یہ واقعہ سنایا۔ حضور نے سن کر ارشاد فرمایا کہ اے ابوذرؓ تم بالکل سچ کہتے ہو۔ میں (محمدؐ) علیؑ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ تمہاری تصدیق کرتے ہیں اس کے بعد ابوذرؓ واپس ہوئے۔

محمد و آل محمدؐ کا وسیلہ درندوں کو مطیع مسلم بنا دیتا ہے

اس واقعہ پر کچھ کج عقیدہ اور ناقص للایمان مسلمانوں کو اعتبار نہ آیا۔ آپس میں چہ مے گوئیاں شروع کر دیں۔ بعض نے امتحان کی ٹھان لی ایک دن چپکے سے اس جگہ آ پہنچے جہاں ابوذرؓ اپنے جانوروں کو چرا رہے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ نماز کے وقت شیر ان گوسفندوں کی حفاظت کرتا تھا اور اگر کوئی جانور گلہ سے جدا ہوتا تو وہ شیر اسے اندر داخل کر لیتا۔ جب حضرت ابوذرؓ نماز ختم کر چکے تو شیر نے مخاطب ہو کر کہا کہ ابوذرؓ اپنے جانور پورے کر لو۔ میں نے ان کی حفاظت میں کوتاہی نہیں کی ہے۔ اس کے بعد وہ شیر ان چھپے ہوئے منافقوں سے متوجہ ہو کر بولا۔

اے گروہ منافقین! کیا تم اس امر سے انکار کرتے ہو کہ خدا نے مجھے اس شخص کے گوسفندوں کی حفاظت کے لئے موکل فرمایا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کی آلؑ پاک کا دوست اور تقرب خداوندی کے لئے ان ہی بزرگوں کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے میں اس اللہ کی قسم کھاتا ہوں جس نے محمدؐ اور آل محمدؐ کو گرامی کیا ہے کہ خداوند قدیر نے مجھے ابوذرؓ کا تابع فرماں اور مطیع قرار دیا ہے خبردار رہو! اگر ابوذر اس وقت مجھے حکم دیں کہ میں تم سب کو ہلاک کر دوں تو میں بالتحقیق تم لوگوں کو بلا تاخیر پھاڑ کھاؤں۔

یہ منظر دیکھ کر ان لوگوں کی جان حلق میں اٹک گئی مگر شیر غائب ہو گیا اور یہ

اپنا سامنہ لیکر واپس ہوئے۔ جب پھر ابوذرؓ بارگاہ رسولؐ میں حاضر ہوئے تو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

اے ابوذرؓ! تم نے اپنے خالق کی اطاعت کے سبب یہ شرف حاصل کر لیا ہے کہ جنگل کے جانور تک تمہارے مطیع کر دیئے گئے ہیں بے شک تم ان بندوں میں بڑا مقام رکھتے ہو جن کی تعریف قرآن مجید میں نماز کے قائم رکھنے کے متعلق کی گئی ہے"

(حیات القلوب۔ تفسیر امام حسن عسکریؑ)

مرد مسلم، مطیع کامل، سلمانؓ محمدی

اب دوسرے مرد مسلم، لقمان امت، سلمان محمدی الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسلامی طاقت کا ماجرا سنیئے۔

آل رسولؐ امت کے لئے وسیلہ اور ذریعہ شفاعت ہیں

علامہ مجلسیؒ نے حیات القلوب میں تفسیر امام حسن عسکریؑ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت سلمانؓ کا گزر ایک دن یہودیوں کی ایک جماعت کی طرف ہوا۔ ان لوگوں نے آپؓ سے خواہش کی کہ ان کے پاس تشریف رکھیں اور جو کچھ پیغمبرؐ اسلام سے سنا ہے ان سے بیان کریں جناب سلمانؓ ان کے پاس بیٹھ گئے اور ان کے اسلام قبول کر لینے کے انتہائی لالچ میں کہا کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے کہ اللہ فرماتا ہے اے میرے بندو! کیا ایسا نہیں ہے کہ ایک گروہ کو تم سے بڑی حاجتیں ہوئی ہیں اور تم ان کی حاجتیں پوری نہیں کرتے ہو مگر اس وقت جب کہ وہ اس سے سفارش کراتے ہیں جو خلق میں تم کو زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ جب وہ ان کو ان کی شان و منزلت کے سبب تمہارے نزدیک اپنا شفیع قرار دیتے ہیں تو تم ان کی حاجتیں بر لاتے ہو۔ بس اس طرح سمجھ لو کہ میرے نزدیک میری مخلوق میں سب سے زیادہ ذی قدر و ذی مرتبہ اور ان میں سب سے افضل و برتر محمدؐ اور ان کے بھائی علیؑ اور آئمہؑ جو ان کے بعد ہونے والے ہیں جو خلق کے وسیلہ اور ذریعہ میری بارگاہ میں ہیں۔ لہٰذا جس شخص کو حاجت درپیش ہو وہ ان کو جو مخلوق میں سب سے زیادہ نیک و پاک اور گناہوں سے معصوم ہیں شفیع اور وسیلہ قرار دے تاکہ میں اس کی حاجتیں بر لاؤں۔ اس شخص سے بہتر طریقہ سے جس کو کوئی اس کے محبوب ترین شخص کے شفیع قرار دینے سے بر لاتا ہے یہ سن کر ان یہودیوں نے بطور مذاق کہا کہ پھر آپ کیوں خدا سے ان کو وسیلہ قرار دے کر سوال نہیں کرتے تاکہ خدا

ان کے طفیل میں آپ کو اہل مدینہ میں سب سے زیادہ بے نیاز کر دے۔ سلمانؓ نے فرمایا کہ میں نے ان کو وسیلہ اور ذریعہ اور شفیع قرار دے کر اللہ سے اس چیز کا سوال کیا جو دنیا کے تمام ملک سے زیادہ عظیم اور نافع تر ہے کہ خدا مجھے ان کی عظمت و بزرگی اور مدح و ثنا بیان کرنے کے لئے زبان عطا فرمائے۔ اور ایسا دل کرامت فرمائے جو اس کی نعمتوں پر شکر کرنے والا ہو اور عظیم مصیبتوں پر صبر کرنے والا ہو۔ تو خدا نے میری دعا قبول فرمائی۔ اور جو کچھ میں نے طلب کیا تھا مجھے عطا فرمایا اور وہ تمام دنیا کی بادشاہی اور جو کچھ دنیا میں نعمتیں ہیں ان سے لاکھوں درجے بہتر و برتر ہے۔

مسلم ایک قوت باطنہ کا مالک ہوتا ہے

تو یہودیوں نے آپؓ کا مذاق اڑایا اور کہا اے سلمانؓ تم نے بلند و عظیم مرتبے کا دعویٰ کیا ہے۔ اب ہم مجبور ہیں کہ تمہارا امتحان کریں کہ تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو یا نہیں۔ لہٰذا پہلا امتحان تو یہ ہے کہ ہم اپنے تازیانوں سے تم کو مارتے ہیں تم اپنے خدا سے دعا کرو کہ ہمارے ہاتھ تم سے روک دے۔

سلمانؓ نے دعا کی پروردگار مجھ کو ہر بلا پر صبر کرنے والا قرار دے۔ وہ بار بار یہ دعا کرتے تھے اور وہ ملعون یہودی آپ کو تازیانے لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ تھک گئے اور رنجیدہ ہوئے اور سلمانؓ اس دعا کے علاوہ اور کچھ نہ کہتے تھے جب وہ تھک کر رکے تو کہنے لگے ہم کو گمان نہ تھا کہ کسی کے بدن میں روح باقی رہتی اس شدید عذاب کے سبب جو ہم نے تم پر وارد کیا ہے۔ تم نے خدا سے یہ دعا کیوں نہ کی ہم کو تمہاری ایذا رسانی سے روک دیتا۔ سلمانؓ نے فرمایا یہ دعا صبر کے خلاف تھی بلکہ میں نے قبول و منظور کیا اور اس مہلت پر راضی ہوا۔ جو خدا نے تم کو دے رکھی ہے اور میں نے دعا کی خدا سے کہ مجھے اس بلا پر صبر عطا فرمائے۔ چنانچہ ان

یہودیوں نے تھوڑی دیر کے لئے آرام کیا پھر اٹھے اور کہا اس مرتبہ تم کو اتنا ماریں گے کہ تمہاری جان نکل جائے یا محمدؐ کی رسالت سے انکار کرو۔ جب سلمانؓ نے فرمایا کہ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا بے شک اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمایا کہ "وہ لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں' اور یہ یقیناً" تمہاری اذیت رسانی پر میرا صبر کرنا اس لئے ہے کہ میں اس جماعت میں داخل ہو جاؤں جن کی خلاق عالم نے اس آیہ میں مدح فرمائی ہے اور یہ صبر میرے لئے سہل اور آسان ہے پھر ان ظالموں نے سلمانؓ کو مارنا شروع کیا۔ اور مارتے مارتے تھک گئے تو چھوڑ کر بیٹھے اور بولے کے اے سلمانؓ! اگر خدا کے نزدیک تمہاری کوئی قدر ہوتی اس ایمان کے سبب' جو تم محمدؐ پر لائے ہو تو وہ یقیناً" تمہاری دعا منظور کرتا اور ہم کو تم سے باز رکھتا۔

سلمانؓ نے فرمایا۔ تم لوگ کیسے جاہل ہو خدا میری دعا کیسے قبول کرتا۔ کیا میرے لئے اس کے خلاف کرتا جو کچھ میں نے اس سے طلب کیا ہے میں نے اس سے صبر مانگا ہے اس نے میری دعا قبول فرمائی ہے اور مجھے صبر کرامت فرمایا۔ اگر اس سے طلب کرتا کہ تم کو مجھ سے باز رکھے اور تم کو باز نہ رکھتا تو میری دعا کے خلاف ہوتا' جیسا کہ تم گمان کرتے ہو

پھر تیسری بار وہ ملاعین اٹھے اور تازیانے کھینچ کر جناب سلمانؓ کو مارنے لگے۔ آپؓ اس سے زیادہ نہیں فرماتے تھے کہ خداوند مجھے ان بلاؤں پر صبر عطا فرما جو مجھ پر تیرے برگزیدہ اور محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت میں نازل ہو رہی ہیں۔

مسلم کے صبر کی انتہا

تو ان کافروں نے کہا۔ اے سلمانؓ تم پر وائے ہو۔ کیا محمدؐ نے تمہیں تقیہ کے

لئے اجازت نہیں دی ہے کہ اپنے دشمنوں سے کفر کی باتیں کہہ دو ہم تم کو مجبور کر رہے ہیں سلمانؓ نے فرمایا(بے شک) خدا نے مجھے اس امر میں تقیہ کی اجازت دی لیکن واجب قرار نہیں دیا ہے بلکہ جائز کیا ہے کہ میں وہ بات کہہ دوں جس پر تم مجھے مجبور کرتے ہو۔ اور تمہاری ایذا رسانی اور تکلیف دینے پر صبر کروں تو یہ اس سے بہتر ہے میں اس کے سوا کچھ پسند نہیں کرتا غرض اشقیاء پھر اٹھے اور ان کو بے شمار تازیانے مارے کہ حضرتؓ کے جسم مبارک سے خون جاری ہو گیا اور مذاق کے طور پر کہتے تھے کہ خدا سے نہیں کہتے ہو کہ ہم کو تمہاری آزار دہی سے باز رکھے اور وہ بھی نہیں کہتے جو ہم تم سے چاہتے ہیں لہٰذا ہم پر نفرین کرو کہ خدا ہم کو ہلاک کر دے اگر تم اپنے اس دعوئی میں سچے ہو کہ خداوند عالم تمہاری دعا کو رد نہیں کرتا اگر محمدؐ و آل محمدؐ کے توسل سے کرو۔

سلمانؓ نے فرمایا میں کراہت رکھتا ہوں اس سے کہ خدا سے تمہاری ہلاکت کی دعا کرو۔ یہ سن کر ان کافروں نے کہا کہ اگر اس سے ڈرتے ہو تو پھر یوں دعا کرو کہ بارالٰہی ہلاک کر اس کو جس کے بارے میں تو جانتا ہے کہ وہ بغاوت اور سرکشی پر باقی رہے گا اگر اس طرح دعا کرو گے تو اس بات کا خوف نہ رہے گا جس کا تم کو خیال ہے۔

"مسلم" کے لئے رسولؐ کی مدد

اسی اثنا میں اس مکان کی دیوار شق ہوئی جس میں وہ لوگ تھے اور جناب سلمانؓ نے حضرت رسالتؐ مآب کو دیکھا آپؐ فرما رہے تھے۔

اے سلمانؓ! ان ظالموں کی ہلاکت کی بد دعا کرو کیونکہ ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ایمان لائے اور نیکی و ہدایت حاصل کرے۔ جس طرح حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی تھی جب کہ سمجھ لیا تھا کہ ان کی قوم ایمان نہ لائے گی

سوائے ان کے جو ایمان لا چکے ہیں یہ حکم پا کر سلمانؓ نے پوچھا اے یہودیو! تم کس طرح ہلاک ہونا چاہتے ہو؟ بتاؤ کہ اسی امر کے لئے خدا سے التجا کروں وہ بد نصیب بولے کہ یہ دعا مانگو کہ خدا ہم میں سے ہر شخص کے تازیانے کو ایک سانپ کی شکل میں بدل دے جو اپنا سر اٹھائے اور اپنے اپنے مالک کی ہڈیاں چبا ڈالے۔ چنانچہ حضرت سلمانؓ نے اسی طرح بد دعا کی تو ہر ایک کا تازیانہ سانپ بن گیا جن میں ہر ایک کے دو دو سر تھے۔ ایک سے اپنے مالک کا سرا اور دوسرے سے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا جس سے وہ تازیانہ لئے ہوئے تھا اور تمام ہڈیاں چور چور کر ڈالیں اور چبا کر کھا لیا۔

(دوسری طرف) عین اس وقت غایت کائنات' سرور دو جہاں' شفیع المذنبین' رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰؐ نے اپنی مجلس میں جہاں کہ تشریف فرما تھے اصحاب سے فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھی (ہمارے) سلمانؓ کی اس وقت ہیں یہودیوں اور منافقوں کے مقابلے میں مدد کی ہے اور ان کے تازیانوں کو سانپ بنا دیا ہے جنہوں نے ان کو چور چور کر کے کھا لیا ہے۔ للہذا چلو ان سانپوں کو چل کر دیکھیں جن کو خدا نے سلمانؓ کی مدد کے لئے تعینات فرمایا ہے غرض جناب رسولؐ خدا اور اصحاب اٹھے اور اس مکان کی طرف چلے اس وقت تک آس پڑوس میں مقیم منافق و یہودی ان کافروں کی چیخ و پکار کی آواز سن کر وہاں جمع ہو گئے تھے جب کہ سانپ ان کو کاٹ رہے تھے۔ جب ان لوگوں نے یہ حال دیکھا تو خوف زدہ ہو کر دور ہٹ گئے تھے جب حضورؐ وہاں تشریف آور ہوئے تو سب سانپ اس گھر سے نکل کر مدینے کی ایک گلی میں آ گئے جو بہت تنگ تھی۔ اللہ نے اس گلی کو دس گنا کشادہ فرما دیا۔ سید الانبیاءؐ کو دیکھ کر انہوں نے ندا دی۔

محمدؐ و آل محمدؐ کی خدمت میں سانپوں کا ہدیہ سلام پیش کرنا

السلام علیک یا سید الاولین و الاخرین پھر سید الاولیاء پر سلام بھیجا اور

کہا السلام علیک یا علیؑ یا سید الوصین "پھر حضورؐ کی ذریت طاہرہؑ پر سلام کیا اور کہا السلام علی ذریتک الطیبین الطاہرین جعلوا علی الخلائق قوامین یعنی اے رسولؐ سلام ہو آپؐ کی اولاد پر جو پاک و معصوم ہیں جن کو خدا نے امور خلق کے ساتھ قیام کرنے والا قرار دیا ہے۔

سلمان مثیل نوحؑ ہیں

پھر عرض کیا یا رسولؐ اللہ ہم ان منافقوں کے تازیانے ہیں۔ خدا نے ہم کو اس مومن (مسلم حقیقی) سلمانؓ کی دعا سے سانپ بنا دیا ہے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ الحمد اللہ کے جس نے میری امت میں سے اس (سلمانؓ) کو قرار دیا جو صبر کرنے والا اور بد دعا نہ دینے والا اور نہ نفرین کرنے والا مثل حضرت نوحؑ کے ہے پھر ان سانپوں نے آواز دی یا رسولؐ اللہ! ان کافروں پر ہمارا غضب و غصہ شدید ہو چکا ہے۔ آپ کا اور آپ کے وصی کا حکم خدا کے ملکوں میں جاری ہے۔ ہماری گذارش ہے کہ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ ہم کو جہنم کے ان سانپوں میں قرار دے دے جن کو ان ملاعین پر مسلط فرمائے گا تاکہ ہم ان پر جہنم میں بھی عذاب کرنے والے ہوں جس طرح دنیا میں ہم نے ان کو نیست و نابود کر دیا ہے حضورؐ نے فرمایا جو کچھ تمہاری تمنا تھی اللہ نے منظور فرما لی۔ لہذا جہنم کے سب سے نیچے طبقوں میں چلے جاؤ اور ان کافروں کی ہڈیاں جو تمہارے پیٹ میں ہیں اگل دو تاکہ ان کی ذلت و خواری کا تزکرہ زمانے میں زیادہ ہو اس سبب سے کہ لوگ ان کو دفن کر دیں تاکہ مومنین جو ان کی قبروں کی طرف سے گزریں تو عبرت حاصل کریں۔ اور کہیں کہ یہ ملعونوں کی اولاد میں سے ہیں جو محمدؐ کے دوست اور مومنوں میں سے برگزیدہ سلمان محمدیؓ کی بددعا سے غضب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ یہ سن کر ان سانپوں نے جو کچھ ان کے پیٹ میں ان کی ہڈیاں

تھیں اگل دیں۔ اور ان کافروں کے اعزاء و اقربا نے آ کر ان کو دفن کیا اور بہت سے کافروں اور منافقوں نے یہ معجزہ دیکھ کر اسلام قبول کر لیا مگر بہت سے کفار و منافق ایسے تھے جن پر شقاوت غالب ہوئی اور کہنے لگے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جناب سلمان سے فرمایا کہ۔

مدح سلمانؓ بزبان رسولؐ عالی شان

اے ابو عبداللہ! تم میرے مومن بھائیوں میں خاص ہو اور مقرب فرشتوں کے دلوں کے محبوب ہو بے شک تم آسمانوں' خدا کے حجابوں' عرش و کرسی اور جو کچھ عرش کے درمیان تحت الثریٰ تک ہے ان کے نزدیک فضیلت و کرامت میں مشہور و معروف ہو تم ایک آفتاب ہو جو طالع ہوئے ہو۔ اور ایک دن ہو جس پر گرد و غبار اور ہوا کی تیرگی نہیں اور اس آیہ کریمہ میں تمہاری مدح کی گئی ہے۔

الذین یومنون بالغیب

(حیات القلوب۔ تفسیر امام حسن عسکریؑ۔ چار یار)

آپ نے دو غیر معصوم مسلموں کے مثالی تذکرے مطالعہ فرما کر "مسلم" کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں ہو سکتا ہے شقاوت قلبی اور بغاوت ابلیسی کے اثر سے کوئی ان کو عقیدت کا سہانا سپنا' مذہبی جنون کی اختراع' قلم کا کرشمہ' افسانہ سازی یا خلاف عقل خامہ فرسائی قرار دے یا اس وقت کے حاضرین کی مانند ان واقعات کو سحر و جادو' شعبدہ بازی یا مسمریزم وہپناٹزم وغیرہ سے تعبیر کرے ہم کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے اگر یہ کرشمہ سازی ہے تو صرف "اطاعت" کی جادو ہے تو بندگی کا حصہ ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

امام منصوص کائنات میں بدرجہ روح و قلب ہے

مکتب اہل بیتؑ کی تعلیمات کے مطابق امام منصوص یعنی خدائی خلیفہ کا ہر وقت اور زمانے میں وجود ضروری ہے کیونکہ حجت خدا عالم امکان میں روح و قلب کا درجہ رکھتی ہے اس لئے وہ عالم میں متصرف ہوتا ہے اور سارا بندوبست اس کی زیر نگرانی ایک منظم طریقے اور قاعدے کے ساتھ جاری رہتا ہے اس بات کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

قوت انسانی روح کی قوت پر منحصر ہے

مشاہدے کے مطابق حرکت دو قسم کی ہوتی ہے (۱) حرکت طبعی (ذاتی) (۲) حرکت قسری (غیرذاتی) مثلاً" کسی انجن کو جو چیز حرکت دیتی ہے وہ اس انجن کی ذات میں داخل نہیں ہے بلکہ خارج از ذات ہے۔ اور وہ غیرذاتی و خارجی حرکت اس انجن کی محرک ہے۔ یہ انجن اگر ریل گاڑی کے سارے ڈبوں کا محرک ہے اور اگر جہاز کا ہے تو جہاز اپنے انجن کی حرکت کی بدولت متحرک ہے اب جس قدر یہ انجن طاقتور ہو گا اسی قوت سے ریل یا جہاز حرکت کریں گے یعنی محرک کی طاقت کے بل بوتے پر متحرک اشیاء حرکت میں آئے گی۔

اب انسانی بدن کی مثال لیجئے اس کی حرکت بھی ذاتی نہیں ہے بلکہ اس کا مدبر خارجی ہے جسے ہم روح کہتے ہیں اور وہ روح اس جسد پر تصرف رکھتی ہے۔ جیسے ہی روح نے بدن کا ساتھ چھوڑا۔ جسم بے جان ہو گیا۔ یعنی انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے۔ روح پرواز کر جائے تو جسم انسانی تو رہتا ہے مگر انسان مر جاتا ہے اب ایک شخص کسی دوسرے بے گناہ کو قتل کر کے خود بھی مارا جائے یا مر جائے اس مقتول کے قصاص میں اس مردہ قاتل کی گردن زنی نہیں کی جائے گی اس لئے وہ مردہ حالت میں انسان نہیں ہے بلکہ اصلی انسان اس کی روح تھی جو قفس عنصری سے آزاد ہو گئی ہے چنانچہ یہ روح پورے انسانی جسم پر ایسا تصرف رکھتی ہے کہ کہیں بھی ہو اپنے زیر تسلط پورے بدن کے ایک عضو سے باخبر رہتی ہے۔ جیسے خواب میں یہ لاکھوں کوس دور کی سیر کر رہی ہوتی ہے جب کہ اس کی مملکت بدن بستر پر ہوتی ہے مگر ذرا سا مچھر کاٹ لے تو اسے اتنی فاصلے پر فوراً" خبر ہو جاتی ہے اور اس کا دفعیہ کرتی ہے کیونکہ اس پر حاکم و متصرف ہے لہٰذا دوری نزدیکی اس کے سامنے برابر ہے۔

اسی طرح یہ سارا عالم ہست و بود جسم بندہ کی مانند ہے چنانچہ قرآن مجید میں خلاق عالمین نے جملہ موجودات ارضی و سماوی کو ایک "عبد" ہی قرار دیا ہے ایسے ہی تمام عالم امکان ایک کتاب وجودی ہے۔ جس میں حجت خدا روح و قلب کی حیثیت سے متصرف ہوتی ہے اب "روح و قلب" کے لئے ضروری نہیں آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو کر حکم چلائے وہ جہاں کہیں بھی ہے جس حال میں بھی ہے اپنے زیر تسلط مملکت سے باخبرو باتعلق ہے۔

جب روح بے چین ہو اور دل بے قرار ہو تو سارا بدن نڈھال ہوتا ہے کہ ایک موقع پر حضورؐ نے اپنے فرزند امام حسین علیہ السلام سے فرمایا کہ۔

"اے فرزند تجھ کو دشمن زبردستی عراق کی طرف گھیر کر لے جائیں گے اور تیرے ساتھ ایک جماعت ہو گی جو لوہے کے (ہتھیاروں کے) زخموں کو محسوس تک نہ کرے گی۔ یعنی تیرے صدمے میں ایسے مصروف ہوں گے کہ ان کو تلواریں لگتی ہوں گی۔ تیر لگتے ہوں گے۔ نیزے چبھتے ہوں گے مگر وہ متاثر نہ ہوں گے چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ اصحاب حسین علیہ السلام کا حال یہی تھا کہ جب وہ امام مظلوم کو اذیت میں دیکھتے تھے تو اپنے وجود سے غافل ہو جاتے تھے کیونکہ امام قلب کائنات ہے۔ جب دل بے قرار ہو تو دوسرے اعضاء کو سکون کیسے مل سکتا ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس پیش گوئی کے بعد آیہ مبارک "یا نار کونی بردا وسلاما" کی تلاوت فرمائی گویا سرورکونینؐ نے اصحاب حسینؑ کو درجہ ابراہیمؑ میں داخل فرمالیا۔ اور دنیا خوب جانتی ہے کہ اس خدائی جماعت کے چھوٹے بڑے مرد و زن نے روز عاشور کیسے کیسے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور ان اصحاب نے جن کے متعلق امام حسینؑ نے کھلے میدان میں اعلان فرمایا کہ۔

"جیسے اصحاب مجھے ملے ہیں ویسے اصحاب نہ میرے نانا کو، نہ میرے بابا کو اور نہ میرے بھائی کو ملے ہیں"

شہدائے کربلا نے معرکہ کربلا میں اپنے ایسے ذاتی جوہر دکھائے ہیں جن کی نظیر نہیں مل سکتی مورخین لکھتے ہیں کہ عابس ابن ابی شیب شاکری رحمت اللہ علیہ جس وقت میدان میں گئے تو لشکر اشقیا مین تہلکہ مچ گیا۔ عابس بار بار الرجل' الرجل پکارتے تھے مگر کوئی دشمن مقابلے کے لئے باہر نہیں آتا تھا۔ کیونکہ عابس کی شجاعت سے لوگ واقف تھے۔ لکھا ہے کہ ربیع ابن تمیم نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا اس کو جانتے ہو یہ کون ہے؟ میں نے اس کو جنگ آذربائیجان میں دیکھا ہے کہ اس شخص نے تنہا حملہ کر کے ساٹھ آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ سنکر تمام لوگ ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے لگے عمر ابن سعد نے جب یہ صورت دیکھی تو سنگ اندازوں کو حکم دیا کہ سنگ باری شروع کردیں۔ یہ سن کر عابس نے خود کو سر سے اتار دیا اور کمر تک اپنے بدن کو برہنہ کرلیا اور فرمانے لگے مجھے پتھروں کی دھمکی دیتے ہو۔ چھپٹے اور ادھر سے چار ہزار سنگ اندازوں نے اندھا دھند سنگ باری شروع کردی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان چار ہزار سنگ اندازوں کے پتھروں سے انکا کیا حال ہوگا۔ مگر وہ بکمال قوت قلب لڑتے رہے اور آخر کار جام شہادت نوش فرماکر زندہ جاوید ہوئے۔

(مواعظ حسنہ علامہ عبدالعلی ہروی)

اہل بیتؑ کی سیرت نبویؐ سیرت کا مکمل نمونہ ہے

حیات پر اسلامی آئیڈیالوجی کا اہل بیت رسولؐ کی تعلیمات کے مطابق یہ بڑا صریح اثر ہے کہ اگر ان میں کوئی فرد حجت خدا کی صورت میں قائم نہ ہو تو زندگی بے جان ہو جاتی ہے۔ اس مکتب کے روحانی نصاب تعلیم اور درجات ترقی کا اندازہ لگانے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ تصوف کے سارے سلسلے اس مکتب کی چوکھٹ پر اختتام پزیر ہوتے ہیں۔ لہٰذا معرفت و عرفان اور سیروسلوک جیسے عمیق سمندروں کی سیر کرنے کیلئے مطلوبہ معیار اہلیت مخصوص سعادت مندوں کے نصیب میں ہے ہمارے جیسے عاجز و قاصر صرف اظہار عجز کے ساتھ ان مقدس ہستیوں کی عظمت کو ہدیۂ سلام پیش کر سکتے ہیں۔ البتہ تبرکاً" اتنا کہنے کی جرات ضرور کر سکتے ہیں کہ اہل بیتؑ اسلامی تعلیم و تربیت کا کامل نمونہ ہیں انکی سیرت بالکل ویسی ہی ہے جیسی سیرت النبیؐ ہے۔

آل محمدؐ اطاعت اور اتباع رسولؐ کی معراج پر

حیات کے مادی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے تاریخی اعتبار سے بلاشبہ سنہ ۱۱ھ یعنی رحلت رسولؐ سے لیکر سنہ ۲۶۰ھ یعنی حضرت قائم آل محمدؐ کے غیبت تک کے ڈھائی سو سالہ زمانے میں ائمہ ھدیٰ نے زندگی کے مختلف طور طریقے دیکھے اور ہر طرح کے حالات سے ان کا سابقہ پڑا۔ انہوں نے اپنی بشری زندگیاں مختلف شکلوں اور انوکھے انقلابوں میں بسر فرمائیں۔ مگر اس سارے سلسلے کا مشترکہ ہدف صرف یہ رہا کہ روش رسولؐ مقبول کے اتباع میں سوت برابر بھی کمی بیشی نہ ہونے پائے۔ صراط مستقیم کی حفاظت میں ایک لمحہ بھی غفلت نہ برتی جائے۔ اسلامی شریعت کو تغیروتبدل اور تحریف سے ہر قیمت پر بچایا جائے۔ اور لوگوں کو اطاعت رسولؐ کی تعلیم سے بہرہ ور رکھنے میں کوئی کسرباقی نہ چھوڑی جائے۔ چنانچہ حتی المقدور اور تا

حد امکان انہوں نے اس نیک روش کو کبھی ترک نہیں کیا ہے۔

بعثت کے بعد پیغمبرؐ اسلام نے اپنی زندگی کے تیئس (۲۳) برس تین مرحلوں میں گزارے۔ پہلے تین سالوں میں حضورؐ نے لوگوں کو خفیہ طور پر دعوت اسلام دی۔ اس کے بعد دس سال آپؐ نے علانیہ دعوت دی۔ اس عشرے کے دوران آپؐ ۔کو معاشرے کے ہاتھوں سخت ترین تکالیف اٹھانی پڑیں۔ آپؐ کو سماج نے ایسی آزادی سے محروم رکھا جو اصلاح معاشرہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا بعد کے دس برس آپؐ کو ہجرت کر کے ایسے ماحول میں گزارنا نصیب ہوئے جس کا تقاضا سچائی اور حقیقت کو زندہ کرنا تھا۔ چنانچہ اس بابرکت عشرے میں اسلام خوب پھلا پھولا۔ او دن بدن عوام الناس کی توجہ کا مرکز بنتا گیا۔ ہر لحظہ ہر آن دنیا کے سامنے علم و دانش اور کمال کے جدید ابواب کھلتے گئے۔ ان تینوں ادوار کے اپنے اپنے مختلف حالات اور تقاضے تھے لہٰذا موقع و محل کی مناسبت اور ضرورت کے لحاظ سے سیرۃ النبیؐ مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوئی جبکہ مقصد و ہدف صرف ایک رہا۔ کہ حق کو زندگی اور تابندگی عطا کرنا ہے۔ جو بندگی کے بغیر شرمندگی ہے۔

مشکلات

ائمہ اہل بیتؑ کو جیسے حالات سے سابقہ پڑا وہ بالعموم رسولؐ اکرم کے اول مرحلے کے دور سے ملتے جلتے تھے۔ جبکہ حق کا اظہار ممکن نہ تھا۔ چنانچہ امام اپنا منصبی فریضہ بڑے محتاط انداز میں ادا فرماتے رہے۔ مثلاً" چوتھے امام علی بن حسین زین العابدینؑ اور چھٹے امام جعفر صادقؑ کے آخری زمانے کے معاشرتی ماحول کا تقاضا یہی تھا۔ بعض اوقات صورت حال ہجرت سے پہلے دس سالہ دور سے مشابہ ہوتی تھی۔ جب ائمہؑ لوگوں کو علانیہ دعوت دیتے تھے لیکن منکرین کی سختیوں کی وجہ سے آپ اور آپ کے پیروکاران آزادی سے کچھ نہ کرسکتے تھے۔ ایک طرف امام

علوم دین کی اشاعت و ترویج کی بھرپور کوشش کرتے تھے تو دوسری طرف وقت کے طاغوت اپنے اثرورسوخ کو بروئے کار لاکر ان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے اور نئی مشکلات حائل کردیتے تھے۔ البتہ مدنی زندگی کے دس سالوں جیسا دور جزوی حد تک ائمہ کو حاصل ہوا۔ مثلاً" حکومت علویہ" کا پانچ سالہ عہد سیدہ طاہرہؑ امام حسن اور امام حسینؑ کی زندگی کے ماحول کا تھوڑا سا حصہ کہ جس میں حق و حقیقت کا جلوہ بے حجاب دکھائی دیتا تھا اور ان ایام میں شیشے کی طرح صاف عہد رسالتؐ مآب کی جھلک نظر آتی ہے۔ مختصر یہ کہ تھوڑے دنوں کے سوا باقی مدت میں ائمہ طاہرین کو ایسی فضا دستیاب نہ تھی جو صاف ہوتی۔ وہ غاصب حکمرانوں سے ٹکر لینے یا علانیہ مخالفت کرنے میں مادی لحاظ سے مجبور تھے۔ چنانچہ زیادہ انہوں نے تقیہ کی ڈھال کا سہارا لیا تاکہ استبدادی حکومتوں کو بہانہ نہ مل سکے۔ مگر اس احتیاط کے باوجود دشمن شب و روز ان کے نور کو بجھا دینے کی مزموم کوشش میں مصروف عمل رہا۔ جیسا کہ قرآن آگاہ فرما چکا تھا کہ "لوگوں کی کوشش ہے کہ نور خدا کو پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا۔ (۸/۶۱)

گو اہل بیتؑ عظامؑ پر مسلسل سختیاں کی جاتی تھیں لیکن وہ بھی خدا کی طرف سے تفویض کردہ فرض کی ادائیگی میں لگے رہتے تھے۔ اور سچے دین اسلام کی دعوت اور صالح افراد کی تربیت میں کوئی دقیقہ فردگزاشت نہیں کرتے تھے۔ سنگین ترین اور انتہائی نامساعد حالات میں بھی انہوں نے علوم اسلامیہ کا انمول خزانہ امت کے حوالے فرمایا۔ زمانہ حاضر کی جملہ مادی و روحانی ضروریات کیلئے آئمہ طاہرین کا عطا کردہ علمی وفنی سرمایہ جو عام دسترس میں ہے کافی ہے۔ چنانچہ ہم اس سلسلے میں بارہ علوم جدیدہ کے مطالعہ کی روشنی میں چیدہ چیدہ نثرپارے اپنی تالیف "صرف ایک راستہ" میں بطور نمونہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرچکے ہیں۔ اگر ان آثار پر تحقیق و جستجو اور محنت و لگن کو بروئے کار لایا جائے تو مسلمان قوم

یقیناً" اپنا اعزاز قیادت ملل سربلندی و افتخار کے ساتھ یقیناً" حاصل کر سکتی ہے۔ کیونکہ فلاح و بہبود کا راز صرف اور صرف "علوم و فنون" میں مضمر ہے۔ علم حق ہے۔

حق کا دوسرا نام علیؑ ابن ابیطالب ہے

حق ہمیشہ سربلند ہوتا ہے۔ کبھی سرنگوں نہیں ہوتا۔ مگر حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہیں" حق مڑ جاتا ہے ادھر' جدھر علیؑ مڑ جاتے ہیں۔ یہی دعائے رسولؐ برحق ہے۔ اور روز غدیر اسی لیے پیغمبرؐ نے بحکم خدا امت کو علیؑ سے وابستہ رہنے کی تاکید فرمائی۔ روز غدیر اپنے خطبۂ غدیر میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "لوگو! بلاشبہ علیؑ اور میری اولاد طاہرہ ثقل اصغر ہیں اور قرآن ثقل اکبر ہے۔ پس ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی خبر دینے والا ہے۔ اور موافقت رکھنے والا ہے۔ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔ یہی اللہ کے امین ہیں۔ اس کی خلقت میں۔ آگاہ رہو کہ میں نے ادا کردیا۔۔ جان لو کہ میں نے پہنچا دیا۔ خبردار رہو کہ میں نے سنا دیا۔ سمجھ لو کہ میں نے واضح کردیا۔ آگاہ رہو کہ خدائے بزرگ و برتر نے حکم دیا اور میں نے اللہ عزوجل کی طرف سے بیان کردیا۔ جان جاؤ کہ بے شک کوئی اور امیرالمومنین نہیں ہے سوائے میرے اس بھائی (علیؑ) کے اور حلال نہیں ہے امارت مومنین سوائے ان کے کسی دوسرے کو۔ (پھر اپنے ہاتھ سے ان کا شانہ پکڑا کر اٹھایا اور جب ابتدا میں رسولؐ اللہ منبر پہ گئے تھے تو بھی اس قدر بلند کیا تھا کہ علیؑ کے پاؤں رسولؐ کے گھٹنے تک پہنچ گئے تھے) (پھر فرمایا)

اے گروہ مردم! یہ علیؑ میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا مرکز علم ہے۔ اور میرا خلیفہ ہے' میری امت پر۔ اور علیؑ کتاب خدا کی تفسیر اور اسکی طرف دعوت دینے

والے ہیں۔ اور ہر ایسا عمل کرنے والا جو اللہ کو پسند ہے اور جنگ کرنے والے ہیں اس کے دشمن سے اور محبت رکھنے والے ہیں اس کی اطاعت سے۔ روکنے والے ہیں اس کی معصیت سے رسولؐ خدا کے خلیفہ اور امیرالمومنین۔ ہدایت کرنے والے امام اور بیعت توڑنے والوں وعدے سے پھرنے والوں کو اللہ کے حکم سے قتل کرنے والے ہیں۔ میں جو کچھ بھی کہتا ہوں اللہ کے حکم سے بغیر کسی تبدیلی کے کہتا ہوں۔ لہٰذا اب میں یہ کہتا ہوں خداوند دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے ان کو اور دشمن رکھ اسے جو دشمن رکھے ان کو اور لعنت کر اس پر جو منکر ہو اور غضب نازل کر اس پر جو ان کے حق سے انکار کرے۔ خداوند! بتحقیق کہ تو نے نازل کیا ہے مجھ پر کہ بتحقیق امامت تیرے ولی علیؑ کیلئے ہے جبکہ میں نے اسے بیان کردیا اور جبکہ ان کی ولایت کا اعلان کردیا تو نے اپنے بندوں کے دین کو کامل کردیا۔ اور تمام کردی اپنی نعمت۔= اور راضی ہوا ان کے دین اسلام سے جیسا کہ تو نے کہہ دیا ہے۔ "کہ جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو پسند کریگا وہ قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں گھاٹے میں رہیگا۔" خداوند! بلاشبہ میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ بے شک میں نے تبلیغ کردی۔ اے گروہ انسان! بتحقیق کہ اللہ نے دین کو ان (علیؑ) کی امامت سے کامل کیا ہے۔ پس جو امام نہ مانے گا اس کو اور میری ان اولادوں کو جو ان کے صلب سے ان کے جانشین ہوں گے قیامت تک۔ جو بارگاہ خدا میں پیشی کا دن ہے پس وہی لوگ وہ ہیں جن کے اعمال سلب کر لئے جائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے نہ خدا ان کے عذاب میں کمی کرے گا اور نہ ان پر نظر (رحم) کی جائے گی۔

اے انسانو! یہ علیؑ سب سے زیادہ میرا مددگار ہے اور سب سے زیادہ میرا حق دار ہے اور سب سے زیادہ مجھ سے قریب ہے اور سب سے زیادہ مجھے عزیز ہے اللہ عزوجل اور میں ان سے راضی ہیں اور جو بھی آیت رضا نازل ہوتی ہے وہ ان

کی شان میں اور جہاں بھی لفظ "امنوا" سے خطاب کیا گیا ہے اس میں مقصد ایمان یہی ہے اور نہیں نازل ہوئی کوئی آیت مدح قرآن میں لیکن انہی کی شان میں۔ اور نہیں بشارت دی اللہ نے جنت کی سورہ ھل اتی میں مگر ان ہی کے لئے اور نہیں نازل کیا ہے اسکو ان کے کسی اور کے لئے اور نہیں مدح کی اس میں سوائے ان کے کسی دوسرے کی۔

اے لوگو! وہ ناصر دین خدا ہے اور رسولؐ کی طرف سے جنگ کرنے والا ہے۔ اور وہ صاحب تقویٰ پاک و پاکیزہ' ہدایت یافتہ ہادی ہے۔ تمہارا نبی ہر نبی سے بہتر ہے اور تمہارا وصی ہر وصی سے بہتر اور اس کی اولاد سب اوصیاء سے بہتر

اے معاشر الناس! ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے ہوئی ہے اور میری ذریت علیؑ کی صلب سے ہو گی (خطبہ الغدیر)

الغرض اہل بیتؑ اور طلاب مکتب اہل بیتؑ کے علمی کارنامے' نادر شاہکار ناقابل فراموش اور ترقی بخش ہیں۔ اگر خلوص نیت سے ان سے استفادہ کیا جائے تو کوئی وجہ ممکن نہیں کہ مسلم امہ احساس محرومی' پس ماندگی اور مفلسی سے نجات حاصل نہ کر سکے۔ چنانچہ صراط مستقیم جو کامیابی اور کامرانی کا راستہ ہے وہ اتباع اہل بیتؑ رسول ہی ہے۔ اس سے حقیقی سکون مل جاتا ہے تمام خوف رفع ہو جاتے ہیں مکمل تمکین نصیب ہوتی ہے دل کو قرار' روح کو فرحت ملتی ہے اور انسانیت اپنی منزل مقصود تک رسائی پا جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے "**نحن اهل البیت مفاتیح الرحمته و موضع الرسالته و معدن الحلم**"

ہم اہل بیت رحمت کی کنجیاں' رسالت کا مقام اور حلم کی کان ہیں۔

(فردوس الاخبار۔ دیلمی)

باب مدینۃ العلم، امیر المومنین علیہ السلام بارگاہ رب العزت میں ہدیہ تشکر بجا لاتے ہوئے عموماً" فرمایا کرتے تھے کہ

"الحمد للہ الذی جعل فینا الحکمت اھل البیت" (مسند احمد بن حنبل)

یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیتؑ کو حکمت سے نوازا ہے۔

مکتب اہل بیتؑ کے نصابی درسوں کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس مکتب نے تمام علوم کے بارے میں صدیوں قبل وہ اہم انکشافات کئے جنہیں آج کے مدبرین انتہائی ترقی کے مدارج پر پہنچ جانے کے باوجود بھی معلوم نہیں کر سکے۔ چنانچہ یہ مرتبہ علمی اہل بیتؑ کی عظمت و حقانیت کو پوری طرح ثابت کرتا ہے۔ ایسے لوگ جو مذہب کی مذمت اور بے دینی کی مدحت کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں اگر انہیں توفیق مل سکے تو اس "بحر علوم" کے کنارے پر کھڑے ہو کر بھی ایک نظر دیکھ لیں۔ ہمیں یقین ہے کہ صرف نظارہ آب ہی ان پر طاری مغربیت اور دہریت کا رعب زائل کر دے گا۔ اور آنکھیں پھر سے کھل جائیں گے۔

دانشگاہ اہل بیتؑ میں جو بھی آیا کچھ لے کر گیا

نظریہ ضرورت اور تقاضائے حالات و ماحول کے تناظر میں آئمہ اہل بیتؑ اور ان کے ہونہار شاگردوں نے ہر میدان علمی میں ہر دور میں اپنی علمی جلالت اور فنی شان منزلت کا لوہا منوایا ہے یہ مضبوط تاریخی ریکارڈ ہیں اور ان حقائق کا اعتراف کیا جاتا ہے لہذا اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کیا ضرورت ہے۔ جابر ابن حیان، صدر الدین شیرازی، فارابی، اور طوسی جیسی نابغہ روزگار شخصیات سے کون واقف نہیں ہے یہ اسی دسترخوان کے خوشہ چیں تھے ہمیں علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النعمان میں تحریر کردہ یہ بات بڑی معقول لگی ہے کہ کہ ابو حنیفہ لاکھ مجتہد سہی مگر علم و عرفان

میں امام جعفر صادقؑ سے ان کی کیا نسبت علوم تو سارے اہل بیتؑ کے گھر سے نکلتے ہیں۔

الغرض آئمہ اہل بیتؑ اور انکے پیروکاروں نے بقدر ضرورت اپنے اپنے عہد میں عوام الناس کی علمی پیاس کو بجھانے کے لئے کافی مقدار میں آب حیات مہیا کیا۔ اور تشنگاں اس سے خوب سیر ہوئے۔ تھیوری اور پریکٹیکل دونوں طرح تدریس و تربیت کا اہتمام کیا گیا۔ اپنے اپنے ظرف کے مطابق دانش جو دانش مند ہوتے گئے۔ مادی میدان ہو یا روحانی فضا دونوں کو ہاتھوں میں رکھا اور کوئی غیر سبقت نہ لے جا سکا۔ جو بھی اس دانشگاہ میں آیا کچھ لے کر گیا۔ اسی مکتب میں ایسے مسلم تیار ہوئے جو بوقت ضرورت "دین" کی حقانیت کا ثبوت ثابت ہوئے۔

علماء امت مسلمہ بدرجہ انبیاء بنی اسرائیل ہیں

عباسی دور حکومت میں ایک یہودی علما کی جماعت نے مسلمانوں کو عجیب مشکل میں مبتلا کیا انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان کہ "میری امت کے علماء کا درجہ بنی اسرائیل کے نبیوں کے برابر ہے" کا مذاق اڑایا۔ اور حاکم وقت پر دباؤ ڈالا کہ اگر یہ دعویٰ سچا ہے تو پھر عالم اسلام میں سے کوئی ایسا عالم پیش کیا جائے جو مصداق بن کر اس حدیث کو عملاً" صحیح ثابت کر سکے۔ مسلمان سخت پریشان تھے۔ کہ ایسا عالم کہاں سے لائیں۔ عبدالکریم نامی ایک جنگل نشین تک اس کا چرچا پہنچا۔ بندہ مسلم، مطیع کامل، متمسک بالثقلین تھا۔ او اسی جرم کی سزا میں دربدری کے ایام گزار رہا تھا۔ جب اسلام پر آنچ کو محسوس کیا نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ جذبات ایمانیہ سے معمور بے خوف شہر آ گیا اور یہودیوں کے چیلنج کو قبول کرنے پر آمادگی کا اعلان کیا مسلمانوں کی جان میں جان آئی۔ شہر میں خوشی کی لہر دوڑی۔ مگر اندر سے دل دھک دھک کر رہے تھے ایمان کمزور تھا لہذا یقین

نہ کیا تیور بھانپ کر ان بزرگ "مسلم" نے فرمایا۔ خوف مت کھایئے اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اگر میں اپنے رسولؐ کے بول کو بالا کر کے سرفراز نہ ہوا تو یہ سر خمیدہ کر کے کٹوا دوں گا اب کچھ کچھ مسلمانوں کی سانس میں سانس آنا شروع ہوئی اور سوچا کہ جو شخص جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ جوئے شیر لانے کا عازم ہے اس کے پیچھے کچھ نہ کچھ تو ضرور ہے۔ چنانچہ پروگرام مرتب ہوا۔ منادی کرا دی گئی' لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ میدان میں جمع ہو گئے۔ دین کے ناموس' اسلام کی صداقت' اور مسلم کی عزت کا امتحان ہونے کا وقت آ گیا۔ اہل یہود نے عبدالکریم رحمت اللہ علیہ کے سامنے منقولہ بالا حدیث رسولؐ دہرائی اور مطالبہ کیا اس کی علمی تفسیر پیش کریں۔ حضرت نے یہودیوں سے دریافت فرمایا

"کہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے آپ کے نزدیک افضل ترین نبی کون ہیں؟

یہودی نے جواب دیا کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام

آپ نے فرمایا۔

"ٹھیک ہے جناب کلیم اللہ کو خدا نے دو خصوصی معجزے عطا فرمائے ان کے عصاء کو اژدھا بنایا اور ان کے ہاتھ کو ید بیضاء

احقرالعباد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ادنیٰ کلمہ گو ہے عالم تو نہیں مکتب اہل بیتؑ رسولؐ کا ایک طالب علم ہے۔ بے شک میرے رسول صادقؐ کا فرمان سچ ہے اور اپنا عصا زمین پر پھینکا تو فی الفور اژدھا کی شکل اختیار کر گیا۔ اور اپنی ہتھیلی کھول کر دکھائی جو منور تھی اور خود سجدہ ریز ہو گئے۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے بلند کئے اور اسلام کی فتح کا جشن منانے میں مصروف ہوئے۔ حضرت صاحب اسی بھیڑ میں روپوش ہو گئے۔

(خلاصہ از حیات الحیوان علامہ دمیری)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دنیا سے لا تعلق اس مرد مسلم میں کیا قوت تھی؟ وہی بات ہے کہ سچا مسلم مادی دنیا کی آرائش و زیبائش اور دلکشی و رعنائی کی کوئی وقعت نہیں سمجھتا کیونکہ اس کو روحانی دنیا سے آشنائی ہوتی ہے لہٰذا یہ کمینی حیات مادی اس کی نگاہ میں ہیچ و بے وقعت ہو جاتی ہے اسے اس سے کوئی خصوصی دلچسپی ہی نہیں ہوتی۔ لیکن بوقت آزمائش دنیا کے سامنے اپنے مقام اور قوت روحانی کا مظاہرہ کرنے پر قادر ہوتا ہے تاکہ اسلامی دعویٰ کی حقانیت کو ثابت کر سکے۔ چنانچہ ترک دنیا کی ممانعت کی نصیحت کرنے کے باوجود امیر المومنین اس دنیا کے بے ثباتی اور بے وقعتی کے پیش نظر اس کی تحقیر فرمایا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے۔

دنیا کی قدح و مدح

"تمہاری دنیا علیؑ کی نگاہ میں ویسی ہے جیسے سور کی ہڈی جو کسی کوہڑی کے ہاتھ میں ہو"

(نہج البلاغت)

امام علیؑ کا یہ فرمان ترک دنیا کی حمایت نہیں ہے۔ اسی لئے امامؑ نے "تمہاری دنیا" فرمایا ہے۔ "میری دنیا" نہیں کہا۔ اس مذمت دنیا کا مطلب حرص دنیا ہے یعنی ایسی دنیا جس میں شیطانی راج ہو چنانچہ مربی علیؑ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علانیہ تعلیم فرمائی ہے کہ

"تم میں سے وہ شخص قابل تعریف نہیں جو دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑ بیٹھے اور وہ جو آخرت کو دنیا کیلئے ترک کر دے۔ بلکہ اچھا وہ شخص ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں حصہ لے"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ
"اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس میں آخرت کی جستجو کر۔ دنیا میں سے اپنے حصے کو بھی نہ بھول" (القصص)

حضرت امیر علیہ السلام ترک دنیا کی ممانعت فرماتے ہوئے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہیں جب اسے دنیا کی مذمت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ فرمایا۔

دنیا کی تعریف امیر المومنینؑ کی زبانی

"دنیا سچائی کا گھر ہے۔ اس شخص کے لئے جو اس کے ساتھ سچائی سے معاملہ کرے دنیا امن و عافیت کا مقام ہے اس کے لئے جو اسے سمجھ گیا ہو۔ اس شخص کے لئے جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔
دنیا دوستانِ خدا کی مسجد ہے۔ ملائکہ کا مصلیٰ اور وحی کی منزل ہے۔ دنیا اولیاء اللہ کی تجارت گاہ ہے جس میں وہ رحمت کماتے ہیں اور جنت کا نفع اٹھاتے ہیں۔"
(نہج البلاغہ)

جنت دشمنانِ اہل بیتؑ پر حرام ہے

پس فرمودہ امامؑ کے مطابق جب دنیا ایک تجارت گاہ ہے تو منڈی کے زریں اصول ایمانداری' دیانتداری' اور وعدہ وفائی ہوتے ہیں۔ لہٰذا "رحمت" کمانے کے لئے اور جنت کا "نفع" حاصل کرنے کی خاطر ضروری ہوا کہ "رحمت للعالمین" سے کئے گئے روز غدیر کے وعدے پر کاربند رہا جائے اور اور عہد کا دیانتداری سے پاس کیا جائے۔ تاکہ رحمت کمائی جا سکے۔ اور جنت کا نفع حاصل کیا جائے۔ حضورؐ نے اعلان فرمایا۔

"ان اللہ حرم الجنتہ علی من ظلم اہل بیتی او قاتلھم او اغارھم اوسبھم"
بالتحقیق اللہ نے جنت کو حرام کر دیا اس شخص پر جو کہ میرے اہل بیتؑ پر ظلم

کرے ان سے مقاتلہ کرے ان کو لوٹے یا ان کو برا بھلا کہے۔

(مسند امام علی الرضاؑ)

دشمن اہل بیتؑ کے لئے "مال و عیال کی کثرت" کی بددعائے رسولؐ

مال اور عیال دنیا کے دو بڑے فتنے ہیں۔ انسان زیادہ تر ان کا حریص ہوتا ہے چنانچہ دشمن اہل بیتؑ کے لئے شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان ہی فتنوں کی بددعا فرمائی ہے امیر المومنین علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بارگاہ خدا میں دعا فرمائی۔

"یا اللہ! جو مجھ سے اور میرے اہل بیتؑ سے بغض رکھے ان کو مال اور عیال کثرت سے دے کر ان دونوں کو ان کی (غیاء) گمراہی کے لئے کافی گردان تاکہ ان کی دولت بہت ہو لہٰذا ان کا حساب بھی لمبا ہو اور ان کا عیال بہت سا ہو پس ان کے شیاطین اور بڑھیں۔

(ارجح المطالب بحوالہ دیلمی)

چنانچہ دشمن اہل بیتؑ کا مال و عیال میں کثیر ہونا بد دعائے پیغمبرؐ کا نتیجہ ہے۔ جس کا سبب خود حضور نے واضح فرما دیا ہے۔

مسلم اکابرین کا سائنسی شعور

مکتب اہلؑ بیت رسولؐ سے فارغ التحصیل علماء نے اپنے اپنے معاشرے میں ممتاز مقامات حاصل کئے اکابرین اسلام کے سائنسی شعور کا انحصار تجربات پر نہیں ہے بلکہ اس کی اساس خالصتہ" علم وہبی پر ہے - اسی لیے وہ جس شعبہ علم وفن میں داخل ہوئے وہاں انہیں جید استاد کی حیثت سے تسلیم کیا گیا - تجربات ومشاہدات سے ماخوذ سائنس علوم کے کلیات ومقدمات آئے دن تبدیل ہوتے رہے - لیکن جو سائنسی "مسلمات" تعلیمات اہل بیتؑ سے حاصل ہوتے ہیں وہ اٹل ہیں اور صدیوں پہلے بغیر کسی مشین و آلے کے انکی نشاندہی کی جاچکی ہے - اگر ان موتیوں کو اکٹھا کیا جائے اور ان پر غور و فکر کرنے کی سعی میں کوتاہی نہ برتی جائے تو ان کی آب وتاب سے یہ دنیا جگ مگ جگمگ کرنے لگے سربستہ کائناتی رازوں کی نقاب کشائی - فضائی بھیدوں کا افشاء - آئندہ ہونے والے واقعات کا علم اور مستقبل کی سائنس کے بارے میں واضح پیشگی اشارے الغرض کوئی بات ایسی نہیں جو مکتب اہل بیتؑ کے کورس میں موجود نہ ہو - اسی لیے دعویٰ فرمایا

"ہم اس کتاب (قرآن) کے وارث ہیں جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے" -

بعض لوگوں کا یہ وہم ہے کہ سائنس وفلسفے نے مذہب کی بنیاد کو کھوکھلا کردیا ہے اور جس قدر سائنس کی روشنی دنیا میں پھیلتی جارہی ہے انسانی طبعیت میں مذہب سے بعد بُعد بڑھ رہا ہے دراصل یہ فاسد رجحان خود سائنس کی حقیقت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے سائنس ہو یا فلسفہ دونوں کی کرشمہ سازی کا دائرہ فطری و عملی محسوسات تک محدود ہے جہاں محسوسات ختم ہوجائیں وہاں سائنس اور فلسفہ دونوں ہتھیار ڈال دیتے ہیں - یعنی سائنس کی حد طبعیات تک ہے اور ما بعد الطبعیات تک اسکی رسائی ممکن نہیں - جوکہ بہت ہی زیادہ وسیع ہے سائنس

محسوسات سے سروکار رکھتی ہے۔ اسے غیر مرئی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ارباب سائنس کائناتی قوتوں کے باہمی تعلقات اور انکے اثرات تو ہمیں سمجھا سکتے ہیں۔ لیکن انکے آغاز وانجام کی خود انہیں کوئی خبر نہیں یہی وجہ ہے کہ سائنسی نظریے حتمی نہیں ہوتے مگر دین کی بنیاد علم وہبی پر ہے جسکی حدیں سائنس کے تصور میں بھی نہیں سماسکتی لہذا دین فطرت جو طبعیات اور مابعد الطبیعات دونوں پر حاوی ہے سائنس سے بہت آگے ہے جبکہ اہل بیت تمام علوم کے وارث ہیں۔

سائنس کا راج

امم وملل کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خطہ ارضی پر آبادی میں کسی کیف کا خصوصی رواج و اثر ہوتا رہا اور عوام کا رجحان اس شعبے کو عروج تک لے جانے میں مشغول رہا ہے۔ مثلاً" حضرت موسیٰؑ کے دور میں جادو کا بڑا رواج تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے عہد میں مسیحائی پر خوب ناز کیا جاتا تھا۔ خاتم النبینؐ کے دور میں فصاحت وبلاغت پر عربوں کو بہت فخر تھا۔ چنانچہ اللہ نے جناب موسیٰؑ کو اپنی حجت قرار دیکر اس قوم کا جادو توڑا۔ جناب عیسیٰؑ کو مسیحابنا کر بھیجا اور ان کی قوم کو زیر کیا۔ اسی طرح قران کو معجزہ بناکر اتارا اور عربوں نے مجبوراً" تسلیم کیا کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔ اسی طرح موجودہ دور فنون وسائنس کی ارتقاء کا زمانہ ہے۔ نت نئی نئی ایجادیں سامنے آرہی ہی اور جدید مصنوعات متعارف ہورہی ہیں۔ یعنی اس وقت سائنس کا راج ہے۔ لمحہ بہ لمحہ اس رفتار ترقی میں اضافہ ہورہا ہے۔ اس سائنسی ترقی نے انسان کو متکبر بنادیا ہے۔ اور وہ خدا کا انکار کرنے لگا ہے۔ اگر ہم اسلامی سرمایہ علمی کا مطالعہ کریں اور آخری زمانے یعنی قرب قیامت کی علامات کے ابواب کو بغور دیکھیں تو ہمیں صدیوں پہلے کی گئی پیش گوئیاں آج حرف بحرف پوری ہوتی نظر آنے لگتی ہیں۔ یعنی جو کچھ

ہو رہا ہے - دین پہلے سے اس کے بارے سگنل دے چکا ہے - اور اس سارے کھیل کے بگڑجانے کا اعلان بھی کرچکا ہے پھر اظہار دین اور غلبہ اسلام کی واقعی اور کلی تعبیر کرہ ارض پر ظاہر ہونا ہنوز باقی ہے -

ہمارے عقیدے یا نظریے کی مطابق اس زمانے کی حجتہ قائم آل محمدؑ صاحب العصروالزمان عجل اللہ فرجہ نے بشکل حق اس طرح ظاہر ہونا ہے کہ - حق آیا - باطل بھاگا - بلا شبہ باطل تو تھا ہی بھاگنے کے لئے

ابھی تک چشم فلک نے زمین پر وہ لحہ نمودار نہیں دیکھا کہ جو حق سے بھر پور اور باطل سے خالی ہو - بلکہ ہمیشہ باطل کے مقابلے میں حق بظاہر قلت میں رہا ہے - اب جوں جوں وقت گزر رہا - دنیا تیزی کے ساتھ باطل سے پر ہو رہی ہے اور یہ عروج عنقریب ایک وقت مخصوص پر زوال پذیر ہونے والا ہے - اور اس کے مقابلے میں حق کو بر سر اقتدار آنا ہے - اور عروج دین کا وہ دن طلوع ہونا ہے جو غروب نہ ہوسکے گا -

یوں کہیے کہ شیطانی سائنس کو مغلوب کرنے کے لئے رحمانی سائنس کا دور آنے والا ہے - بطور نمونہ ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں - موجودہ سائنس نے مواصلاتی نظام کوجدید آلات کے ذریعے با سہولت بنا کر انسان کے لئے گرانقدر خدمت کی ہے - تواضع طبع کے لئے تفریح کی خاطر مسافتوں کی طوالت کو بہت ہی قریب کردیا ہے - جیسے ریڈیو - ٹی وی - ٹیلیفون وغیرہ - آپ ریڈیو پر ہزاروں میل دور بیٹھ کر پیغام سن سکتے ہیں - اس کا ایک باقاعدہ سسٹم اور نظام ہے جس کو سیٹ کرکے آپ اس سے مستفید ہوسکتے ہیں - ٹیلی ویژن کے ذریعے آپ بات کرنے والے کی گفتگو کے ساتھ اس کی تصویر بھی ملاحظہ کرسکتے ہیں - اس کا بھی ایک طریقہ کار ہے جس کے مطابق عمل کرکے آپ اس آلے سے خدمت لے سکتے ہیں - پھر ٹیلی فون ہے جس کے ذریعے اپنے رفقاء سے بات چیت کرسکتے ہیں

۔ اس شعبے کو بتدریج مزید بہتر۔ باسہولت اور جدید بنانے کی کوشش بدستور جاری ہیں ۔ کیونکہ اطلاعات ونشرواشاعت کا یہ شعبہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بہت اہمیت کا حامل ہے ۔ پروپیگنڈے ۔ پیغام رسائی اور بین الاقوامی روابط کے لئے اس شعبے کا موء ثر کردار بہت نمایاں ہے مادی سائنس کے اس شعبے کی یہ فخریہ اور شاہکار ایجادات وتنصیبات واقعی محیرالعقول ہیں ۔

اسلامی سائنس

مگر اسلامی سائنس کا کرشمہ اس سے کہیں زیادہ محیرالعقول ظاہر ہوگا ۔ تاکہ باطل پر حجت قائم ہوسکے اور اس کو بھگایا جاسکے ۔ وہ اس طرح کہ علامات ظہور مہدیؑ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت حجتؑ کا ظہور ہوگا تو آپؑ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگاکر استغاثہ بلند فرمائیں گے ۔ جسے ہر شخص سنے گا اور اسی زبان میں سنے گا جو اس کی مادری بولی ہوگی ۔ پھر یہ کہ جواب دے گا جوامامؑ موصول فرمائیں گے ۔ اورخوش قسمت ناصرین اپنے مقام پر جیسے ہی قصد نصرت کریں گے بحضور امامؑ فی الفور حاضر ہوجائیں گے ۔ نیز یہ کہ جن خوش نصیبوں نے اس دنیا میں نصرت امامؑ کی خواہش کی ہوگی اور اس وقت وہ اس دنیا میں بظاہر زندہ نہ ہوں گے.وہ بھی اس جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کریں گے ۔ روحانیت کا یہ کرشمہ سائنس کو ورطہ حیرت میں ڈال دے گا اور سائنس دان ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوں گے ۔ شیطان کی ساری طاقت خاک میں مل جائے گی اور بندہ رحمان کی قوت کا اظہار ثابت ہوجائے گا ۔ دنیا سے باطل یکسر مٹ جائے گا ۔ حق کا حقیقی غلبہ ہوگا ۔ اور اسلام کا ڈنکا چاردانگ عالم بجے گا ۔ آج جیسا کہ تصویریں متحرک نظر آتی ہیں آئندہ کل کو یہ تصویریں ذی حیات معمولات زندگی سمیت ظاہر ہوں گی ۔ ایسے کرشمے جزوی طور پر دیکھے جاچکے ہیں لہٰذا اہل ایمان

کے لئے کوئی محیرالعقول بات نہ ہوگی کیونکہ روحانی طاقت بہر حال و بہرلحاظ مادی قوت سے طاقت ور ہے۔ متوکل عباسی کے دربار میں ہندی شعبدہ باز کا قصہ جو علامہ جامی نے اپنی کتاب شواہدالنبوۃ میں نقل کیا ہے۔ جس میں امام علی نقیؑ نے قالین پر بنی ہوئی شیر کی تصویر کو شیر حقیقی میں تبدیل فرمایا شہرہ آفاق حقیقت ہے۔ المختصر اس وقت جو ہوگا سو ہوگا۔ آج کل یہ ہورہا ہے کہ وہ لوگ جو پیغمبرؐ کی اطاعت کرنے اور ان کے حکم کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی حالت بھی خجالت زدہ ہے بلکہ منحرفین سے ابتر ہے پھر انکاری اور اقراری میں فرق کیا ہوا؟

اتباع کے بغیر اطاعت کامل نہیں ہوتی

ہم کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے اعلان غدیر کو دل سے مانا اور متمسک بالثقلین ہوگئے انہوں نے یقیناً" فلاح دارین حاصل کرلی انفرادی مثالیں ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔ ہر دور میں مطیع کامل مسلمین کا وجود مسلمہ ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا ہے "میری ساری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی" البتہ زبانی اقرار اور قلبی ایمان کے باوجود بھی لوگوں پر غفلت طاری رہی۔ اور کثیر تعداد نام کی مسلم تو ضرور ہے مگر کام کی مسلم نہیں ورنہ اگر تین سو تیرہ مسلم بندگان خدا بھی مطلوبہ معیار اسلام پر پورے اتر آئیں تو حضرت حجتؑ جلوہ افروز ہوجائیں۔ اطاعت۔ فرماں برداری کرنے اور تابعداری کرنے کو کہتے ہیں جو اتباع کے بغیر کامل نہیں ہوتی اور اطاعت کے تحت اتباع کرنا ہی دراصل فلاح پانے کا صحیح ذریعہ ہے۔ ورنہ معاملہ ادھورا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اس بارے میں ہدایت کرتا ہے کہ۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی تجدونہ مکتوبا عندھم فی التورٰہ والانجیل یا مرھم بالمعروف وینھھم عن المنکر ویحل لھم

الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم فالذین امنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون

(سورت الاعراف ۱۵۶)

وہ لوگ جو الرسولؐ نبی ای کا اتباع کرتے ہیں ۔ جسے وہ اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں توراتْ انجیل میں (بھی) جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے روکتا ہے اور ان پر پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور خبیث چیزیں، حرام کرتا ہے ۔ اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوقؔ جو ان پر پڑے ہیں اتارتا ہے ۔ پس وہ جو اس پر ایمان لائے ہیں ۔ اس کی تعظیم کرتے اور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے ۔ وہی توفلاح پانے والے ہیں ۔

مسلمانو! اس نور کا اتباع کرو جو رسولؐ کے ساتھ نازل ہوا

یہ آیت وافی ہدایت تمام انسانوں کے لئے نور ہدایت ہے۔ اس میں اللہ نے الرسولؐ کے بعض اوصاف کو بیان فرمایا ہے یعنی یہ کہ ہر انسان اسے اپنے پاس مکتوب پاتا ہے کتب سماوی میں بھی وہ بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ طیب اور خبیث میں تمیز سکھاتا ہے۔ الجھنوں کے بوجھ اور پریشانیوں کے طوق اتارتا ہے پھر ایسے عالی مرتبہ رسولؐ پر ایمان لانے' اس کی تعظیم و تکریم کرنے اور نصرت بجا لانے اور اس کے ساتھ نازل ہونے والے نور کا اتباع کرنے کا صلہ یہ بتایا گیا ہے کہ فلاح نصیب ہوتی ہے۔"**واتبعوا النور الذی انزل معہ**" کے الفاظ خصوصی توجہ کے طلب گار ہیں۔ کہ "اور اتباع کرتے ہیں اس نور کا جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے" یہاں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ "نور اس پر نازل ہوا ہے" علامہ یوسف علی صاحب نے اپنے انگریزی ترجے میں اس آیت کی شرح میں تفسیری نوٹ نمبر ۱۱۲۹ اس طرح لکھا ہے جو لطیف مطالب سے بھرپور ہے۔

"Light which is sent down with him. The words are "WITH HIM" Emphasising the fact that the light which he brought illumines every one who has the privilege of joining his great and universal fellowship"

واضح کہ کہ "اتباع" کسی کے پیچھے پیچھے جانے یا پیروی کرنے یا نقش قدم پر چلنے کو کہا جاتا ہے لہٰذا روایتی تراجم میں "نور سے مراد" "قرآن" لیکر معنی میں ابہام پیدا کیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن حضورؐ پر نازل ہوا ہے۔ نہ کہ ان کے ساتھ۔ چنانچہ وہ نور جو الرسولؐ کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ وہ ہے جو ان نفوس کو منور کرتا

ہے جنہیں آپ کے عظیم مقصد اور ہمہ گیر واسطے سے الحاق کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

اطاعت رسولؐ ہیں "صراط مستقیم" کی ہدایت بخشتی ہے اور "اتباع رسول" اس راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرتی ہے اور وہ نور منزل جس کی روشنی کے اتباع کا ذکر کیا گیا ہے ہم کو منزل مقصود تک صحیح و سالم پہنچا دیتا ہے۔ مگر گردش دوراں اور شومئی قسمت یہ ہے کہ حق شناسوں نے بھی من حیث القوم "اتباع رسولؐ" سے چشم پوشی کر رکھی ہے پیروی کرنے کے سلسلے میں انتہائی سست روی کا مظاہرہ کیا ہے۔ شیطان کی سجائی ہوئی دنیا کی رنگینی نے ان کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی باندھ دی ہے۔ تاکہ وہ نور حق کی نورانیت سے محروم رہیں۔ لوگ حب دنیا میں اس حد تک گرفتار ہو چکے ہیں کہ "صراط مستقیم" کے سرے پر کھڑے ہونے کے باوجود تقدم کرنے کی توفیق نہیں پاتے۔ اور پیروی رسولؐ کر کے اطاعت کا تقاضا پورا نہیں کرتے اور یہ غافلانہ طرز عمل فسق عظیم ہے جو راہ ہدایت میں رکاوٹ بن گیا ہے۔ اس کیفیت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے۔ یہ خطاب دعویداران ایمان سے ہے کہ:

"(اے رسولؐ ان مسلمانوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے آباء اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے اور تجارتیں جن میں نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور وہ جائیدادیں جو تمہیں پسند ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو کہ اللہ اپنا حکم (سزا) صادر کرے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

(سورہ توبہ۔ ۲۴)

"حب دنیا" جو غافل کر کے "مسلم" کو "فاسق" بناتی ہے

تو معلوم ہوا کہ جب دنیا سبیل الٰہی کے لئے جدوجہد کرنے سے غافل کر دے تو انسان مسلمان ہوتے ہوئے بھی فاسق قرار پاتا ہے۔ اور مستوجب سزا ہے۔ لیکن انسان اندھا دھند دنیا کے پیچھے بھاگے جا رہا ہے اور یہ دوڑ مسلمان کو خصوصاً اس کی سیدھی راہ سے دور کرتی ہے۔ توراۃ میں دنیا کی مذمت بایں الفاظ مرقوم ہے۔

توریت میں دنیا کی مذمت

" اے لوگو! بے شک دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں کوئی گھر نہیں۔ اور یہ دنیا اس کا مال ہے جس کا آخرت میں کوئی مال نہیں۔ دنیا تو وہ جمع کرتا ہے جو عقل سے عاری ہے۔ دنیا کے حصول پر وہ خوش ہوتا ہے جس کو آخرت پر یقین نہیں۔ اس پر طمع وہ کرتا ہے جس کا خدا پر توکل نہیں۔ جو دنیا کی شہوات کا طالب ہے۔ اس کو معرفت ہی نہیں۔ پس جس نے زائل ہو جانے والی نعمتوں کو حاصل کیا اور قطع ہو جانے والی زندگی کو چاہا اور فنا ہو جانے والی شہوات کا طلبگار ہوا۔ اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا اور اپنے رب کی نافرمانی کی اور آخرت کو بھول گیا پس اس کی زندگی نے اسے فریب دیا۔"

حب دنیا اور قرآن

قرآن مجید میں اس ہوس دنیا جیسی خبیث چیز کو بڑے جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ "اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ (تمام) انسان ایک ہی امت (گروہ) ہو جائیں گے (یعنی ایک ہی روش پر گامزن ہو جائیں گے) تو ان لوگوں کے لئے

جنہوں نے رحمان سے کفر کیا ضرور ان کے گھروں کی چھتوں کو ان سیڑھیوں کو جن پر وہ چڑھتے ہیں چاندی کا بنا دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کے تخت بھی جن پر کہ وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں سونے اور چاندی کے بنا دیتے مگر یہ سب کچھ (سیم وزر) کمینی زندگی کی پونجی ہی ہوتا۔ آخرت تو تیرے پروردگار کے پاس متقی لوگوں کے لئے ہے اور جو کوئی بھی (مال کی محبت میں) رحمان کے ذکر سے آنکھیں بند کرے گا۔ ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیں گے۔ پس وہ اس کا ساتھی بن جائے گا اور یقیناً" وہ (شیاطین) ان کو اللہ کی راہ سے روکتے رہیں گے اور وہ گمان کرتے رہیں گے کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ یہاں تک کہ وہ (ایسا شخص) جب ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے ساتھی شیطان سے) کہے گا کہ کاش! میرے اور تیرے درمیان بعد مشرقین ہوتا اور تو کیسا برا ساتھی ہے۔"

(الزخرف)

مولا علیؑ کی نگاہ میں دنیا کا مقام

اب ذرا مولائے کائنات علیہ اسلام کی زبانی دنیا کا تعارف ملاحظہ فرمایئے۔

"ایہا الناس! میں تم سے اس گھر کی کیا تعریف کروں جس کا آغاز رنج اور انجام نیستی ہے جس کے حلال میں حساب کا کھٹکا اور جس کے حرام میں عذاب کا دھڑکا ہے۔ جو اس دنیا میں غنی اور مالدار ہے وہ مبتلائے فتنہ ہے۔ اور جو اس دنیا میں مفلس و محتاج ہے وہ غم دیدہ و اندوہ گین ہے۔ جو اسے پانے کی کوشش کرتا ہے اسے یہ ملتی نہیں۔ جو اس سے دور بھاگتا ہے اس کے پیچھے دوڑتی ہے۔ جو کوئی اسے نگاہ عبرت سے دیکھتا ہے اسے بینا و دانا بنا دیتی ہے۔

دنیا ایک گدلا چشمہ ہے جس کی گھاٹ دلدل ہے۔ اس کا نظارہ دل خوش کن اور اس کی آزمائش تباہ کن ہے یہ۔ مٹ جانے والا دھوکا۔ ڈھل جانے والا سایہ۔ ڈوب جانے والی روشنی اور ٹوٹ جانے والا ستون ہے۔"

(نہج البلاغہ)

جس کو بھی عقبیٰ کی طلبگاری ہے
فانی دنیا سے اسے بے زاری ہے
ایک ہی چشم میں کیونکر یہ سمائیں دونوں
غافل اک خواب ہے اک بیداری ہے

علیٰ حذا میں عاجز منکسر اس کے سوا کیا عرض کر سکتا ہوں کہ وائے بر حال ما!

ہم نے قرآن حکیم، حدیث رسولؐ اور فرمان امامؑ سے کچھ نصیحت حاصل نہیں کی۔ اور اپنے ازلی دشمن کا فریب کھاتے رہے۔

کس اہتمام سے ظالم فریب دیتا ہے بڑے خلوص سے ہم یہ فریب کھاتے ہیں پس اگر ہم شیطان کے وعدوں پر اعتبار نہ کریں۔ فانی دنیا کے دلفریبی کے جال

میں نہ پھنسیں تو ہم ہرگز صراط مستقیم سے بھٹک نہیں سکتے۔ اور ایسی کامیابی ہمارے قدم چومے گی جس کے لئے ہم میں کا ہر کوئی آرزو مند ہے۔ رب العالمین پوری نوع انسانی پر یہ بات واشگاف عبارت میں واضح فرماتا ہے کہ۔

"اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان (دلیل محکم) آ چکی ہے۔ اور ہم نے تم پر نور مبین کو نازل کر دیا ہے۔ پس وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کی پناہ کے طلب گار ہوئے خدا ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا۔ اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت فرما دے گا"

(سورہ نساء ۱۷۵ تا ۱۷۶)

اہل کتاب کو صراط مستقیم کی دعوت الٰہیہ

منقولہ بالا آیت میں اللہ نے پوری نوع انسانی کو صراط مستقیم کی جانب ہدایت کرنے کا ذکر فرمایا ہے جب کہ مندرجہ ذیل آیت میں اہل کتاب کو اسی راستہ کی جانب متوجہ کیا ہے فرمایا۔ "بے شک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب مبین آ چکی ۔ جس کے ذریعے اللہ سلامتی کے راستے کی جانب ان لوگوں کی ہدایت کرتا ہے جو اس کی ضیاء پر پیچھے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے تاریکیوں میں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا ہے"

(سورۃ المائدہ ۱۵ ـ ۱۶)

اہل اسلام کو ہدایت

خدائے تعالیٰ پھر اہل اسلام کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ

"اور جسے اللہ ہدایت دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے سینے کو اسلام (اطاعت کامل) کے لئے کشادہ فرما دیتا ہے اور جسے گمراہ (ضلالم) کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس

کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے گویا اسے آسمانی گھاٹی درپیش ہو۔ اس طرح ایسے لوگ پر جو ایمان نہیں لاتے رجس (نجاست ظاہری و باطنی) ڈال دیتا ہے اور یہی (اطاعت کامل یعنی اسلام) ہی تو ہے تمہارے رب کی طرف سے جو صراط مستقیم ہے۔ بے شک ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام ۱۲۵ - ۱۲۶)

"صراط مستقیم" شناسوں کے لئے خدائی ہدایت نامہ

پھر صراط مستقیم کو شناخت کر لینے والوں کے لئے ایک ہدایت نامہ جاری ہوتا ہے۔ کہ

"اے نبیؐ!) کہہ دو۔ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں۔ جن (ہدایات) کو تمہارے رب نے تم پر وجب احترام کیا ہے۔ (۱) تم کسی بھی شے کو اس کا شریک نہ ٹھراؤ۔ (۲) اور والدین کے ساتھ احسان کرو (۳) اور تنگ دستی کے خوف سے اپنی اولادوں کو قتل نہ کرو (۴) ظاہری یا پوشیدہ فحاشی کے قریب بھی مت جاؤ۔ (۵) کسی جان کو قتل نہ کرو جسے قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ (یہ پانچ احکام ہیں) جن کی وہ (اللہ) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

۔ فرمان امیر المومنینؑ ہے کہ "ان اکبر معبود عبلنی الدنیا الھوی" یقیناً سب سے بڑا معبود جس کی اس دنیا میں بندگی یا عبادت کی جاتی ہے وہ ھویٰ یعنی خواہش نفس ہے۔ لہٰذا اطاعت ھویٰ شرک اکبر ہے۔

(۶) اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے ماسوا اس (یتیم) کی بہتری کی خاطر (۷) اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا رکھو۔ ہم کسی بھی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ (۸) پس جب تم کچھ

کہو تو عدل کے ساتھ کہو۔ چاہے وہ معاملہ تمہارے قریبی (عزیز) ہی کا ہو (۹) اور اللہ کے عہد سے وفا کرو ان باتوں کا وہ (اللہ) تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے (صراط مستقیم) پس اسی کا اتباع کرو اور کسی بھی دوسرے راستے کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تمہیں اس راہ (حق) سے متفرق کر دیں گے۔ ان باتوں کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو"

(السورۃ الانعام ۱۵۱ تا ۱۵۳)

ایک سبق آموز قرآنی مثال

باری تعالیٰ ایک بڑی سبق آموز اور معنی خیز مثال بیان فرماتا ہے۔

"اور اللہ دو آدمیوں کی مثال بیان فرماتا ہے جن میں سے ایک گونگا ہے جو کسی شے پر قدرت نہیں رکھتا اور اپنے آقا پر بوجھ ہے جہاں کہیں بھی وہ اسے بھیجتا ہے وہ کوئی کام ٹھیک کر کے نہیں آتا۔ کیا وہ اس کے برابر ہو سکتا ہے جو عدل کا حکم دیتا ہے اور صراط مستقیم پر ہے۔

(سورۃ النحل ۷۶)

حضرت ابراہیمؑ اور صراط مستقیم

بالتحقیق ابراہیمؑ خلوص دل سے اللہ کی فرمانبرداری کرنے والا (بنفسہ) ایک امت تھا اور وہ مشرکین میں سے نہیں ہے وہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اللہ نے اسے منتخب کر لیا اور اسے صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے۔*

(سورۃ النحل ۱۲۰ - ۱۲۱)

* از روئے حدیث رسولؐ حضرت علیؑ بنفسہ امت واحد ہیں۔

صراط مستقیم سے کون لوگ ہٹے ہوئے ہیں؟

نزول قرآن کے عہد میں موجود مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ بڑی معنی خیز گفتگو میں شائستہ طریقے سے انہیں فرماتا ہے:

"یا کیا ان لوگوں نے اپنے رسول کی معرفت حاصل نہیں کی کہ منکر (رسالت) ہو گئے۔ یا وہ کہتے ہیں کہ وہ (رسولؐ) دیوانہ ہو گیا ہے۔ (ہرگز وہ مجنوں نہیں) حالانکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے۔ اور وہ ان میں سے کہ اکثر حق سے کراہت کرتے ہیں اور اگر الحق ان کا اتباع کرنے لگے تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس میں فساد برپا ہو جائے۔ بلکہ ہم تو ان کے پاس انہی کا ذکر لاتے ہیں۔ مگر وہ اپنے ہی ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں۔ (اے رسولؐ) کیا تم ان سے کوئی معاوضہ مانگتے ہو؟ بس تیرے رب کا معاوضہ بہتر ہے۔ اور وہ رزق دینے والوں میں سے بہترین رزق دینے والا ہے اور یقیناً (اے رسولؐ) تو ان کو صراط مستقیم کی جانب (دعوت) دیتا ہے اور وہ آخرت پر یقین (ایمان) نہیں رکھتے لہٰذا اس صراط (مستقیم) سے ہٹے ہوئے ہیں"۔

(سورۃ المومنون ۶۹ تا ۷۴)

۔ ام المومنین حضرت عائشہ جمل کی لڑائی کے بعد جب ان کی اونٹنی کے پیر کاٹ دیئے گئے اور وہ بصرے کے گھر میں آئیں تو ان کے بھائی حضرت محمد بن ابوبکر نے ان کو خدا کی قسم دے کر دریافت کیا کہ آپ مجھے اس دن کا ذکر بتائیں کہ جب آپ نے مجھے کہا تھا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ ہمیشہ حق علیؑ کے ساتھ رہے گا اور دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تو بی بی صاحبہ نے فرمایا۔ ہاں یہ بالکل صحیح ہے۔ (ابن مردویہ)

المختصر منقولہ آیات کسی اضافی شرح کی محتاج نہیں ہے اتنی واضح ہدایات کے باوجود ملت مسلمہ کی زبوں حالی اظہر من الشمس ہے جس پر ہر درد مند دل غم زدہ اور ہر پرسوز آنکھ غم ناک ہے۔ ملت کے جن طبقوں میں مادی دولت کی فراوانی ہے وہاں دل سوز سے خالی ہیں اس وقت ہم دعویدار ایمان ہونے کے باوجود اور صراط

مستقیم کی شناخت رکھتے ہوئے بھی حب دنیا، پستی اخلاق اور بے حسی کے نقطہ عروج تک پہنچ چکے ہیں۔ ہمارا ایمان ہماری اطاعت صرف لفظی ہے اتباع کی جانب ہمارے قدم یا تو لڑکھڑائے ہوئے ہیں نہیں تو پتھرائے ہوئے ہیں۔ اگر ہم خود احتسابی کریں تو ضرور جان جائیں کہ ہمارا دعویٰ ایمان فریب نفس ہی ہے ورنہ ایمان تو یقین کامل کا نام ہے اس میں شک کی ہرگز گنجائش نہیں۔

مومن کی علامت

چنانچہ ارشاد رب العزت ہے کہ:

"بلاشبہ مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر اس طرح ایمان لائے کہ پھر امکان شک باقی نہ رہا اور انہوں نے اپنے مالوں اور نفسوں سے سبیل خدا میں جہاد کیا ایسے لوگ ہی تو سچے (مومن) ہیں"

(الحجرات ۱۵)

یعنی معلوم ہوا کہ صاحبان ایمان اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرنے میں دریغ نہیں کرتا یعنی ایمان کے مقابلے میں اپنی جان اور مال کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ یہی صاحب ایمان ہونے کی صحیح علامت ہے۔

ایمان عشق الٰہی ہے

پھر ایمان کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ:

"اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے علاوہ اس کے ہم سر بنا رکھے ہیں۔ وہ ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کرنی چاہئے۔ اور وہ لوگ جو (حقیقی) مومن ہیں اللہ کی محبت میں بڑے شدید ہوتے ہیں"

(البقرہ۔ ۱۶۵)

گویا ایمان حب شدید یعنی عشق الٰہی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ہر مدعی پر لازم ہے کہ وہ

پہلے اپنے ایمان کا جائزہ لے اور دیکھے کہ وہ اپنے اس دعوٰی میں کہاں تک سچا ہے۔ ہر صاحب شعور محسوس کرے گا اس کا دعویٰ ایمان واقعی ایک فریب ہے۔ اب ہم اختصار کے ساتھ اس بات کا تجزیہ کرنا مفید سمجھیں گے کہ آخر ہمارا ایمان معیار کے اعتبار سے اس درجہ پر کیوں نہیں ہے۔ جیسا کہ خالق کائنات کو مطلوب ہے۔ اور پھر یہ کہ ایسے ایمان کے حصول کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔

ہمارے ایمان معیاری کیوں نہیں؟

گرامی قدر قارئین! اس جائزہ کے دوران میں سب سے پہلے تو یہ بات زیر غور آتی ہے کہ ذات خداوندی انسانی وہم و گمان اور تصور و ادراک سے بہت بالا ہے۔ تو پھر ہم عاجز اس ذات سے محبت کس طرح کر سکتے ہیں؟ اس کا حل وہ کنہ ذات خود بتاتی ہے اور اپنے رسولؑ کو حکم فرماتی ہے کہ:

"کہہ دے (اے رسولؐ!) اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع۔ کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تو بڑا غفور و رحیم ہے"

(آل عمران ۳/۱)

۔ یہاں اطاعت کا مطالبہ نہیں بلکہ اتباع مطلوب ہے

معلوم ہوا کہ اتباع رسولؐ کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ انسان کو محبوب خدا بنا دیتی ہے یہاں محبت و اتباع کا رشتہ بھی لائق توجہ ہے کہ اتباع جو اطاعت کی روشنی میں کیا جاتا ہے وہ صرف محبت ہی سے ممکن ہے اطاعت یا اتباع۔ خوف یا لالچ سے بھی کیے جاتے ہیں۔ مگر خوف و لالچ سے کی گئی اطاعت اور اتباع خالص نہیں ہوتے۔ اس مقام پر یہ بات از خود ہی ثابت ہو گئی کہ جب بے لاگ اطاعت اور بے لوث اتباع صرف محبت ہی سے ممکن ہے تو پھر وہ محبت رسولؐ اللہ کی محبت ٹھہری جس کے طفیل انسان محبوب خدا بن جاتے ہیں۔

"محبت" جو انسان کو محبوب رسولؐ اور محبوب خدا بناتی ہے

وہ رسولؐ جس کی محبت انسان کو محبوب خدا بنا دیتی ہے روز غدیر امت سے خطاب فرماتے ہیں کہ:

"اے گروہ مردم! یقیناً ابلیس نے آدم کو جنت سے حسد کی وجہ سے نکلوایا پس تم لوگ علیؑ سے حسد نہ کرنا ورنہ تمہارے اعمال سلب کر لئے جائیں گے اور تمہارے قدم اکھڑ جائیں گے پس آدمؑ جو صفی اللہ تھے ذرا سے ترک پر زمین پر اتار دیئے گئے پھر تمہارا کیا انجام ہو گا اور مجھے معلوم ہے کہ تم میں اللہ کے دشمن بھی ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ علیؑ سے عداوت صرف شقی رکھے گا اور متقی علیؑ سے محبت رکھے گا اور مخلص مومن کے سوا کوئی ان پر ایمان نہیں لائے گا اور خدا کی قسم سورہ عصر علیؑ ہی کی شان میں نازل ہوا ہے۔ (پھر حضرت نے سورہ عصر کی تلاوت فرمائی) اور فرمایا۔ اے گروہ مردم! میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے تم تک اپنی رسالت کو پہنچا دیا ہے اور رسولؐ کے ذمے کھلی تبلیغ کرنا ہی ہوتا ہے۔ اے لوگو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا مگر یہ کہ مطیع کامل ہو کر اور ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس نور پر جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے اس سے پہلے کہ تمہارے چہرے بگاڑ دیئے جائیں اور منہ پشت کی طرف کر دیئے جائیں۔ اے گروہ مردم! وہ نور خدا مجھ میں ہے پھر علیؑ میں ہے پھر ان کی نسل میں ہے۔ اور قائم مہدیؑ تک رہے گا جو اللہ کے اور ہمارے حقوق کو لے گا بے شک خدا نے قرار دیا ہے ہم سب کو اپنی محبت خطاکاروں پر اور دشمنوں پر مخالفوں پر خیانت کرنے والوں پر گناہ گاروں پر اور عالمین کے ظلم کرنے والوں پر اے لوگو! بلاشبہ میں تمہیں ڈراتا ہوں کہ بے شک میں خدا کا رسولؐ ہوں جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے جیسے کہ مجھ سے پہلے اور رسولؑ بھیجے گئے ہیں پس اگر میں رحلت کر جاؤں یا مجھے قتل کر دیا جائے تو تم لوگ اپنی پچھلی جہالت پر پلٹ جاؤ گے اور جو اپنی پرانی حالت پر پلٹے گا وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور عنقریب اللہ شکر گذاروں کو جزا دے گا یاد رکھو بلاشبہ علیؑ صبر اور شکر سے متصف ہیں پھر ان کے بعد میری اولاد جو ان کے صلب سے ہو گی۔ اے انسانو! تم اپنے اسلام لانے کے احسان کو

اللہ پر مت جتاؤ کہ کہیں وہ ناراض ہو کر اپنی طرف سے تم پر کوئی عذاب نازل کر دے۔ یقیناً وہ بڑی تاک میں ہے۔ اے لوگو! عنقریب میرے بعد کچھ ایسے لوگ امام بن بیٹھیں گے جو لوگوں کو دوزخ کی طرف دعوت دیں گے اور قیامت کے روز کوئی مدد نہ کر سکیں گے اے لوگو! بے شک اللہ اور ہم ایسے اماموں سے بیزار ہیں اے گروہ مردم! بالتحقیق یہ باطل رہنما اور ان کا گروہ اور ان کے پیروکار اور ان کے مددگار جہنم کے آخری طبقے میں ہوں گے جو تکبر کرنے والوں کے لئے بہت بری جگہ ہے۔ یاد رکھو کہ یہ لوگ صاحب نوشتہ ہیں پس چاہئے کہ ہر ایک اپنے نوشتہ پر غور کرے (امام ارشاد فرماتے ہیں کہ صرف چند لوگوں کے علاوہ اس صحیفہ کا معاملہ سب پر مشتبہ رہا) لوگو! بے شک میں ولایت کو باحیثیت امامت وراثتاً" اپنی اولاد میں قیامت تک کے لئے چھوڑ رہا ہوں اور یقیناً جس امر کو پہنچانے کا مجھے حکم دیا گیا تھا اس کو میں نے پہنچا دیا جو حجت ہے ہر حاضر و غائب کے لئے اور ہر اس شخص پر جو موجود ہے یا موجود نہیں ہے اور جو پیدا ہو چکے ہیں یا ابھی پیدا نہیں ہوئے پس ہر حاضر و غائب کو اور ہر باپ بیٹے کو چاہئے کہ یہ پیغام پہنچاتا رہے قیامت تک اور عنقریب یہ (امامت) ملک قرار دے دی جائے گی اور غصب کر لی جائے گی آگاہ ہو کہ لعنت خدا ہے غاصبوں پر اور ظالموں پر چنانچہ اے جنو! اور اے انسانو! اس وقت ہم تم سے بری الذمہ ہو جائیں گے اور تم پر آگ کے شعلے برسائے جائیں گے اور پگھلا ہوا تانبہ اور تم دونوں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی اے لوگوں بے شک اللہ جو صاحب عزت و جلالت ہے تم کو تمہاری حالت پر نہیں چھوڑے گا مگر یہ کہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے گا اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہیں غیب سے آگاہ کر دے اے لوگو بلاشبہ اس نے کسی قریہ کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے جھٹلانے پر اور وہ اسی طرح قریوں کو ہلاک کرتا ہے جب کہ وہ ظلم کرتے ہیں جیسا کہ خدا نے ذکر کیا ہے اور یہ علیؑ تمہارے امام اور ولی

ہیں اور یہ اللہ کے وعدوں میں سے ہیں اللہ نے پورا کر دیا ہے اس وعدے کو جو اس نے کیا تھا۔ اے گروہ مردم! تم سے پہلے بھی اکثر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں خدا کی قسم اسی نے اولین کو ہلاک کر دیا اور بعد والوں کو بھی ہلاک کرے گا اے لوگو! بے شک اللہ نے مجھے تمام امر و نہی سے مطلع کیا اور میں نے علیؑ سے تمام امر و نہی کو بیان کر دیا پس وہ اپنے رب کے تمام امر و نہی سے آگاہ ہیں لہٰذا سنو ان کے حکم کو اور تسلیم کرو اور اطاعت کرو تاکہ ہدایت پاؤ اور رک جاؤ ان کے روکنے پر تاکہ راہ حق پاؤ اور ہو جاؤ اس طرح جس طرح وہ چاہیں اور ان کے رستے سے تمہارے راستہ الگ نہ ہوں۔ میں وہ صراط مستقیم ہوں جس کی پیروی کا تم کو حکم دیا گیا ہے پھر میرے بعد علیؑ ہیں پھر میری وہ اولاد جو انکے صلب سے ہو گی وہ ایسے امام ہیں جو حق کی ہدایت کریں گے عدل کے ساتھ (پھر حضورؐ نے سورت فاتحہ کی تلاوت فرمائی) اور ارشاد فرمایا کہ یہ سورہ میرے اور علیؑ اور آئمہؑ کی شان میں نازل ہوا ہے جو عموماً" اور خصوصاً" انہی سے متعلق ہے یہی لوگ اولیاء اللہ ہیں جنہیں نہ کوئی خوف نہ حزن نہ ملال ہے یاد رکھو کہ اللہ کا گروہ سب پر غالب ہے آگاہ رہو کہ ان کے دشمن ہی اہل شقاوت اور اہل عداوت اور شیطان کے بھائی ہیں جو ایک دوسرے کی طرف مکاری اور بناوٹی الفاظ میں وحی کرتے ہیں آگاہ ہو کہ ان کے دوست حقیقی مومن ہیں جن کا تذکرہ اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے کہ کوئی ایسی قوم نہیں پاؤ گے کہ جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور قیامت پر اور محبت رکھیں ان لوگوں سے جو بر سر پیکار ہوں خدا اور اسکے رسولؐ سے .....الخ آگاہ رہو کہ انکے دوست وہی ہیں جن کا وصف خدا نے بیان کیا ہے پس ارشاد باری ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے ملتبس نہیں کیا اَنہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ آگاہ ہو کہ بتحقیق ان کے دوست وہ ہیں جو اطمینان سے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور فرشتے ان

سے تسلیم کے ساتھ ملیں گے اور کہیں گے کہ تم پاک ہوگئے پس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوجاؤ آگاہ ہو کہ بے شک ان کے دوست وہ ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لہٰذا لوگو! محبت رکھو ان سے اور اتباع کرو ان کی۔

(خطبتہ الغدیر)

تو معلوم ہوا کہ اتباع رسولؐ اطاعت نبوی اور محبت خدا اور رسولؐ پیغمبر کے خطبے کی روشنی میں اہل بیت رسولؐ کی محبت واتباع ہے جو باعث محبت خدا ہے مگر اب غور کرتے ہیں کہ ایسا محبت سے بھرپور ایمان ہمیں کیوں نصیب نہیں

محبت بھرا ایمان کیوں نصیب نہیں ہوتا؟

جب کوئی صاحب ایمان اس کا جواب تلاش کرے گا تو اس کا صرف ایک ہی سبب پائے گا۔ جو "غفلت نفس انسان" ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خبردار کرتا ہے۔ **اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلتہ معرضون** (الانبیاء ۱) لوگوں کا حساب قریب ترین آپہنچا ہے اور وہ غفلت میں اعراض (انحراف) کیے ہوئے ہیں اسی طرح غفلت کا ذکر قرآن مجید میں کئی مقامات پر دھرایا گیا ہے۔ بعض مقامات پر اس کے بیان کے ساتھ اس کے خوفناک انجام سے بھی خبردار کیا گیا ہے۔ مثلاً"

"بے شک ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل تو ہیں مگر ان سے سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں تو ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔ وہ تو جانوروں کی مانند ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ وہ وہی تو ہیں جو بالکل غافل ہیں"

(اعراف ۱۷۹)

طبیب قلوب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی غفلت نفس

کی کیفیت کو حالت خواب سے تعبیر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ "**الناس انہام اذ ماتوا انتبھوا**" یعنی انسان تو سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تب جاگیں گے۔

اس حقیقت کا اظہار جسے مخبر اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رسول غیب دان نے ڈیڑھ ہزار برس پہلے کیا تھا مغربی ماہرین حیات نے اسے پچھلی صدی میں سمجھا اور کہا۔

Human mind is in a subconscious state for the exterior world but is tottaly unconscious of its interior.

یعنی نفس انسانی بیرونی دنیا کے لئے نیم شعوری حالت میں ہے مگر اپنے باطن سے بالکل بے خبر ہے۔

سائیکالوجی کے ماہرین کا یہ قول نفس انسان کو اس کے اپنے باطن کے متعلق قطعی شعور اور بیرونی کائنات کیلئے نیم شعور بتلا رہا ہے آیئے ان دونوں حالتوں کا طائرانہ جائزہ لیتے ہیں۔

غفلت

جسم بشری کا کرتا دھرتا نفس ہی ہے جو تمام انسانی اعضا و جوارح کا منتظم و مہتمم ہے۔ لیکن خود اس نفس کو یہ خبر ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ بالکل نہیں وہ ایک آٹومیٹک مشین کی طرح مصروف کار ہے مثلاً" جب جسم کے کسی حصے کو اذیت پہنچتی ہے تو یہ دفاع کے لئے اعصاب کے ذریعے حکم کر دیتا ہے۔ سانپ یا بچھو کو دیکھ کر بھاگنا اور ادراکات کے ذریعے نفس کو مطلع کر کے احکامات جاری کرتا ہے جس طرح بیرونی دنیا کے لئے نفس انسان کو حواس خمسہ عطا کئے گئے ہیں جن کے ذریعے اس کے اندر علم کے خزانے جمع ہوتے رہتے ہیں۔ ہر پلک جھپکنے پر دیکھی ہوئی اشیاء کی تصاویر، چکھنے سے ذائقوں ' سننے سے آوازوں کے اتار چڑھاؤ'

سونگھنے سے خوشبوؤں اور بد بوؤں کے ادراک اور چھونے سے مختلف چیزوں کے لمس کے خزانے اس میں جمع ہوتے رہے ہیں جن کا تجربہ ذہن یا دماغ میں ہوتا ہے اس طرح اس کے تمام علم کا انحصار اس کے اندر ان پانچوں حواس سے تعلق رکھنے والے ذہنی مراکز سے ہے۔ اب غور کیجئے کہ یہ کسی بات کو کیسے سمجھتا ہے جب کسی دیکھی ہوئی چیز کا نام لیا جاتا ہے تو یہ اپنے ذہنی مرکز کے ذخیرے میں سے فوراً" اس کی تصویر نکال کر پیش کر دیتا ہے مثلاً" کسی نے کہا سبز گنبد تو سبز گنبد کی تصویر ذہن پر ابھرتی ہے اس طرح جب کسی چکھی ہوئی چیز کا ذکر ہو تو اس ذائقے کی ہلکی سی کیفیت اپنے اوپر طاری کر کے سمجھتا ہے۔ اسی طرح کسی خوشبو یا بدبو کا تذکرہ کیا جائے تو اس کی خفیف سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ایسا ہی حال سننے اور چھونے کے حواس کا ہے۔ مگر جس چیز کا علم حواس خمسہ کے ذرائع سے دماغ کو مطلع نہ کیا گیا ہو تو اس کے ذکر سے نفس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کسی خطیب کی تقریر کے ہر لفظ کے لئے یہ اپنے ذخیروں سے تصاویر یا کیفیات نکال کر لاتا ہے اور ملا ملا کر بات سمجھتا جاتا ہے۔ اس کے سوا نفس کے پاس ادراک کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ نفس مسلسل اس عمل میں مصروف رہتا ہے مگر ایک خود کار آلے کی طرح اسے اپنے عمل و فعل کا شعور نہیں رہتا۔ یوں یہ بیرونی کائنات کے متعلق نیم شعوری حالت میں ہے۔

اس غفلت کے عالم میں یہ ایک جانور کی مانند خواہشات و جذبات کی تسکین کے لئے بیتاب رہتا ہے کسی خواہش کے چھبتے ہی اس کی فوری تسکین چاہتا ہے۔ اس کے اثرات کے متعلق نہیں سوچتا۔ مثلاً" جب کسی سگریٹ نوش کو سگریٹ پینے کی خواہش ہوتی ہے تو سگریٹ پیتے وقت تمباکو نوشی کے مضر اثرات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس غفلت کی وجہ سے انسان کی حالت ایک ایسے مریض جیسی ہے جو نیند کی حالت میں اٹھ کر چلتا پھرتا اور دیگر کام بھی کرتا ہے۔ مگر جب جاگتا ہے تو

اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ سوتے میں اس نے کیا کچھ کیا تھا۔

اب توجہ فرمائیے۔ کہ ایک "مشی فی النوم" کے مریض انسان کے ایمان کی کیفیت کیسی ہو گی اور اس کا ایمانی درجہ کس معیار کا ہو گا۔ حالت خواب میں کسی بات کو مان کر اس کا اقرار کر لینا کس حیثیت کا حامل ہو گا۔ بیدار ہونے پر وہ ایمان کہاں ہو گا؟ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم باوجود یہ ایمان رکھنے کے کہ اللہ ہماری شہہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ اس کی نافرمانی کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ مشاہدہ گواہ ہے کہ کسی عام انسان کی موجودگی میں بھی کسی کو نازیبا حرکت کرنے کی جرات نہیں ہوتی چنانچہ سچ یہ ہے کہ ایسا ایمان جو ایقان سے خالی ہے صرف خود فریبی ہے۔ اور ایسی غفلت نفس کا نقصان عظیم حقیقی ایمان سے محرومی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اعلان غدیر سے قبل حاضرین جلسہ سے تین مرتبہ یہ اقرار لیا تھا "کیا میں تم پر تمہارے نفسوں سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا؟" اور اس وقت سامعین نے جواب دیا تھا "بے شک ایسا ہی ہے" تب سید کونینؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اے لوگو! اللہ میرا مولا ہے اور میں مومنوں کا مولا ہوں اور میں ان کے نفسوں سے زیادہ ان پر حاکم و متصرف ہوں۔ یاد رکھو! جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علیؑ مولا ہے"

تزکیہ نفس

اللہ اللہ مدینتہ العلم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خوب جانتے تھے کہ "غفلت نفس" انسان کو بربادی کی طرف دھکیل رہی ہے یہ حضورؐ کا فرض منصبی تھا کہ اس مہلک مرض کا انسداد فرماتے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اکثر جہاں سرکار دو عالمؐ کی بعثت کا ذکر آیا ہے وہاں دیگر مقاصد کے ساتھ "تزکیہ نفس" کے

مقصد کو خصوصی اہمیت سے بیان کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کسی چیز کو پاک اسی صورت میں کیا جاتا ہے جب اس میں کوئی نجاست ہو پھر نفس انسان میں وہ کونسی نجاست ہے جس کے تزکیہ کے لئے اللہ نے اپنے محبوب رسولؐ کو مبعوث فرمایا۔ جب اس پر غور کیا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ نفس انسان کی نجاست اس کی غفلت ہے۔ جو اس کے ولی نعمت، مولا و آقا کی معصیت کا سبب بنتی ہے۔ اور اسے اپنے کھلے ہوئے دشمن شیطان کا بندہ بنا کر فانی دنیا کی سج دھج پر فریفتہ بنا دیتی ہے۔ یہی غفلت نعمت تمام کے میوہ سے لطف اندوز ہونے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اور بندہ خدا بندہ ہوئی بن جاتا ہے۔ جیسا کہ خود رب العزت نے فرمایا کہ

ارایت من اتخذ الٰھہ ھوٰہ

کیا تو اسے دیکھتا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے۔ (الفرقان ۴۳۔)

غفلت کا علاج

چنانچہ الرحمان الرحیم رب العالمین نے اپنی رحمت خاص سے ہمارے نفوس کے تزکیے کے لئے اپنے رحمت العالمین رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مبعوث فرمایا کہ وہ ہمارے نفسوں کی غفلت کو جو پرستش ہوئی کا باعث ہے پاک کر کے ہمیں صراط مستقیم پر گامزن فرمائے تاکہ ہم اس کے پسند کردہ اکمل دین اسلام اور تمام کردہ نعمت فرقان سے بہرہ ور ہو کر اس دنیا اور آخری دنیا کی حیات کو بہشتی سماج میں گذار سکیں۔ غفلت جیسے مہلک مرض کہ جس نے ہمیں بندگی رحمان سے نکال کر بندگی شیطان میں جکڑ دیا ہے کا علاج موجود ہے کہ خدا نے ہر مرض کی دوا بھی پیدا فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ

و اما من خاف مقام ربہ و نھی النفس عن الھوی ○ فان الجنتہ ھی

الماویٰ○

(النازعات ۔ ۴۰ ۔ ۴۱)

اور جو اپنے رب کے مقام سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے ٹوکا۔ یقیناً اسی کا ٹھکانہ جنت ہے۔

پس لائق احترام قارئین ! ہر خواہش پر نفس کو ٹوکنا۔ اس کی غفلت کو دور کرنے کا اکسیر نسخہ ہے۔ جس کے نتیجے میں جنت کا یقینی وعدہ ہے۔ یعنی ایسا ماحول جہاں سکون ہی سکون ہو اور جس جگہ جو بھی طلب کیا جائے مل جائے۔ اس دنیائے ارضی میں بھی اور حیات اخروی میں بھی ۔ روز غدیر جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نفسوں پر اولیٰ ہونے کا اقرار لیا اور پھر علیؑ کو اپنا قائم مقام نصب فرمایا۔ تو اس کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ اطاعت رسولؐ اور اتباع پیغمبرؐ کی روشنی میں علیؑ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انسان اپنے نفس کو ٹوکتا رہے "کیوں خواہش کرتا ہے جواب دے؟" اگر جواب اطاعت نبوی اور اتباع رسول سے ٹکراؤ پیدا کرے تو اس خواہش کو ترک کیا جائے اور اگر پیروی و فرمانبرداری کے مطابق ہو تو بلا تاخیر اس پر عمل کیا جائے اگر ہمیں اس نسخے کو استعمال کی توفیق عطا ہو جائے تو ہم اس موذی بیماری سے صحت یاب ہو کر حقیقی دین کی مادی اور روحانی لذتوں سے جی بھر کر لطف اندوز ہو سکتے ہیں چنانچہ رسولؐ کریم نے روز غدیر فرمایا کہ :

"آگاہ رہو کہ (اہل بیتؑ کے) دشمن وہ ہیں جو آگ میں تپائے جائیں گے یاد رکھو بتحقیق ان کے دشمن ایسے ہیں جو جہنم کا شور سنیں گے جو بھڑک رہا ہو گا۔ جس کے شعلے بلند ہوں گے جو جماعت اس میں داخل ہو گی وہ اپنے ساتھیوں پر لعنت کرے گی ۔ جان لو کہ بے شک ان کے دشمن وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ جب ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو دوزخ کا داروغہ ان سے دریافت کرے گا کہ تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا آگاہ ہو کہ بلاشبہ (اہل بیتؑ) کے

دوست وہ ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں حالانکہ وہ غیب ہے چنانچہ ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے اے انسانو! بہشت و دوزخ کے درمیان کتنا فرق ہے ہمارے دشمن وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان کی مذمت کی اور ہمارے دوست ایسے ہیں جن کو اللہ دوست رکھتا ہے اور اس نے ان کی مدح کی ہے۔ اے لوگو! بلاشبہ میں ڈرانے والا ہوں اور علیؑ ہدایت کرنے والے ہیں میں نبیؐ ہوں اور علیؑ میرے وصی ہیں یقیناً ہم میں سے آخری امام مہدیؑ قائم ہوں گے ان پر اللہ کی صلواۃ ہو"

(خطبتہ الغدیر)

المختصر وہ صاحبان جو ایمان کے دعویدار ہیں اور جنہوں نے پیغمبرؐ کے اعلان غدیر سے وفاداری کی ہے۔ مگر اسلام کی موعودہ فلاح دارین سے محروم ہیں تو اس کا سبب غفلت نفس کی بیماری ہے۔ جس کے باعث وہ اتباع سے غافل حب دنیا میں گرفتار ہیں۔ اگر وہ اس مرض کا صحیح علاج کروالیں تو یقیناً نعمت موعودہ کا حق وصول کر لیں۔

مسلمانوں کی روش، اطاعت و اتباع رسولؐ سے متصادم رہی

جو زریں اسباق درسگاہ اہل بیت نبوی میں پڑھائے جاتے ہیں وہ دنیا کے کسی دوسرے مکتب میں تعلیم نہیں دیئے جاتے کائنات کی اس سب سے بڑی دانشگاہ کے پورے نصاب کو اگر دو لفظوں میں سمویا جائے۔ تو وہ "سیرۃ النبیؐ" کی صورت میں ظاہر ہو گا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کریمانہ سیرت کو اگر ملخص کیا جائے تو لب لباب مقصد واحد کی صورت میں یہ حاصل ہوتا ہے کہ "اسلام کے اسلامی احکام اور قوانین عادلانہ طریقے سے نافذ ہوں اور ہر قسم کی تحریف و تفریق سے محفوظ رہیں" چنانچہ مکتب اہلؑ بیت کی جملہ تعلیمات کا نچوڑ یہی مقصد واحد بر آمد ہوتا ہے لیکن بد قسمتی سے مسلمان حکومتوں نے اپنی سیرت کو حضورؐ کی سیرت سے ہم آہنگ نہ کیا بلکہ ان کی روش کے برعکس طریقے اختیار کر لیے۔ ویسے تو اعلان غدیر کے فوراً بعد ہی فضا سے اختلافات کی بو محسوس ہونا شروع ہو گئی تھی۔ مگر اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد مسلمانوں میں شدید طبقاتی اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور لوگوں کے دو گروہ بن گئے ایک طاقتور دوسرا کمزور۔ پس اب جس کی لاٹھی اس کی بھینس ہو گئی۔ سیاسی مفادات پر اسلامی قوانین کو مسخ کر دینا حکومت کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا۔ اہل بیت رسولؐ نے معاصر طاقتور حکومتوں کو یہ کھیل کھیلنے سے روکنے میں موثر کردار ادا کیے اور اس مزاحمت کی پاداش میں تاج شاہی ان کے نور کو بجھا دینے کی کوششوں میں مصروف عمل رہے۔ تاریخ بین سے وہ پر آشوب دور چھپا ہوا نہیں جب اہل بیتؑ کی محبت کا اظہار نا قابل معافی جرم تھا لیکن ایسے سنگین ماحول میں بھی ائمہ ھدیٰ نے زندانوں کی تاریک کوٹھڑیوں میں دین کی شمع علم کو فروزاں کیا اور آخر کار اہل بیتؑ کی مسلسل تعلیم و تربیت کے نتیجے میں ان کے پیروکاروں کی تعداد جو رحلت رسولؐ کے وقت بہت تھوڑی تھی عہد ائمہ علیہم السلام میں حیرت انگیز حد تک

بڑھ گئی تھی۔ تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اب ماشاء اللہ کروڑوں میں ہیں۔ کوئی جگہ ایسی نہ ہو گی جہاں اہل بیتؑ کا کوئی نام لیوا موجود نہ ہو۔ تاہم ہماری دعا ہے کہ حب داران اہل بیتؑ سدا شاد و آباد رہیں ان کو "تمسک بالثقلین" کی توفیق میں برکت حاصل ہو۔ ہمارا موضوع سخن اس وقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اطاعت نبوی سے تخلف کر کے دنیاوی وجاہت اور مادی عروج کو اختیار کرنے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ جب کہ اطاعت کے حکم مان لینے والوں کی اکثریت رفتہ رفتہ نفس انسانی کی غفلت کا شکار بن گئی لہذا من حیث القوم نکبت' ذلت اور پستی دونوں کا مقدر بن گئی۔

مسلمانوں کی شاندار فتوحات اور عظیم الشان وسعت سلطنت کو دیکھ کر اپنے پرائے سب کہنے لگے کہ یہ اسلام کی فتوحات ہیں جب پانسہ پلٹ گیا اور کھیل بگڑا اور یہی سلطنتیں زیر غلامی ہوئیں۔ ثروت نکبت میں بدل گئیں تو اپنوں نے دل کو سمجھانے کے لئے کہا دینی احکامات کی اطاعت کو ترک کر دینے کا نتیجہ ملا ہے کہ اب عزت ذلت میں بدل گئی ہے مگر دشمن نے کہا کہ دیکھا اصول اسلام کس قدر ناپائیدار ہیں کہ اب بے عزتی کے سوا کچھ نہ ملا۔ اسلام پھیلا تو اپنی تلوار سے جب تلوار کند ہوئی تو مسلمان بھی کمزور ہو گیا مگر سچ تو یہ ہے کہ دونوں جھوٹے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی سلطنت کے حکمران تو مسلمان کہلواتے تھے۔ مگر سلطنت میں اسلام کی حکومت کہاں تھی؟ کب انہوں نے دین پر عمل کیا تھا؟ قرآن مجید کس وقت ان کا ضابطہ عمل رہا تھا جو اب ہم یہ کہیں کہ دین کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے یہ سزا ملی ہے قرآن جو ظلم کو شرک عظیم قرار دیتا ہے۔ ان فرماں رواؤں کی اساس حکومت اسی پر تو تھی۔ حتیٰ کہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اپنے گھر میں پردیسی اور مسلمانوں کے انتہائی شوکت و عروج کے دور حکومت میں بہت بے کس تھا۔ حد یہ کہ دین دار طبقہ اس نام نہاد سنہرے دور میں بھی اقلیت قرار پا گیا تھا اور ان بیچاروں کی حالت ذمیوں سے بھی بدتر تھی۔ چنانچہ

اسلام جس کو لشکر کشی اور ملک گیری سے کوئی دلچسپی نہیں مسلمانوں کے دور میں گوشہ نشین تھا مسلمانوں کی اس یلغار سے نفری میں اضافہ تو ضرور ہو گیا مگر اصلی اسلام کی نشوونما ہرگز نہ ہوئی۔ ایسی صورت میں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں مسلمانوں کا عروج اسلامی اصول کی پابندی اور تنزل اسلامی ضابطہ حیات کے انحراف کے باعث ہوا تلواریں زمینوں کو فتح کر سکتیں ہیں مگر قلوب کو صرف اخلاق اور کردار ہی فتح کرتے ہیں۔ چنانچہ اہل بیتؑ رسولؐ کی یہ شان نرالی ہے کہ وہ جہاں بھی تشریف لے گئے اسلام وہاں باقی ہے۔

قوموں کے عروج و زوال کا مذہب و نظریہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا

یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ کسی قوم کے عروج و زوال کو اس قوم کے مذہب کا عروج یا زوال سمجھ لیا جائے۔ اور یہ عجیب امر بے چارے اسلام کی قسمت میں آیا ہے ورنہ کوئی نہ کہتا جولیس سیزر یا ہنی بال کا عروج کفر کا عروج تھا۔ یا انگریزوں کا اقبال عیسائیت کی فتح تھی۔ یا روس کی ترقی لادینیت کی ترقی تھی حالانکہ نظام ربوبیت کے مطابق فطرت کے چند اٹل قاعدے ہیں جن پر عمل کر کے دنیا کی اقوام خواہ انکا مسلک و نظریہ کوئی بھی ہو ملکی فتوحات و دنیوی عروج حاصل کر لیتی ہیں۔ اس طرح چند فطری اسباب ہیں جن کے باعث فاتح اقوام مقام عروج سے گر جاتی ہیں۔ نوع انسان کی ہر قوم کے لئے فطرت نے یکساں قانون بنائے ہیں لہٰذا ہر قوم کے عروج و زوال کی تاریخ یکساں ہے۔ مثلاً" ایک جنگجو اور فاتح قوم شروع میں ضعیف و غریب ہوتی ہے وہ ضرورت بقا کے لئے جدوجہد کا آغاز کرتی ہے۔ غربت و افلاس کے باعث اس قوم کے افراد میں محنت، جفاکشی کی عادت، مصیبت میں صبرو استقلال کی استقامت، دشمن سے مقابلہ کرنے

کا عزم، آپس میں ہمدردی و اخوت جیسے صفات اس قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں جو اتحاد، تنظیم اور یقین کی بدولت ان کی کامیابی و نصرت کے اسباب بن جاتے ہیں جب مفلسی دور ہو جاتی ہے تو دولت کی فراوانی اور دستیاب پر تعیش ماحول انہیں دل آویز لگنے لگتے ہیں۔ عیش و نشاط کے عشرت کدے انہیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اب ان کو میدان جنگ کے طبل کوّے کی آواز سے بھی برے لگتے ہیں۔ پیسہ پھینک کر تماشہ دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے حسد رقابت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس طرح مستی میں محو خواب خرگوش ہو جاتے ہیں کہ ہنوز دلی دور است ان کا معمول کلام بن جاتا ہے یہ اور اس سے مربوط دیگر صفات جب کسی قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر اس قوم کا پستی کی طرف آنا ایک یقینی امر ہوتا ہے یہ فطرت کے اٹل قانون ہیں جو بدلتے نہیں ہیں یہ کسی قوم و مذہب سے مخصوص نہیں ہے۔ چنانچہ لا مذہب کافر اور مشرک قوموں نے بھی ان اصولوں پر عمل کر کے اس طرح عالمگیر فتوحات حاصل کیں ہیں جب آریئوں کا وسط ایشیا میں رہنا ممکن نہ رہا تو وہ دنیا کے چاروں طرف پھیل گئے تاتاریوں اور ترکوں کی فتوحات ایسے ہی ہوئیں۔ نپولین بوناپارٹ، اور ہٹلر وغیرہ کی مثالیں بھی ہیں مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ فتوحات آریہ سماج یا عیسائیت وغیرہ کی فتوحات ہیں۔ جب آپ ان غیر مسلم اقوام کی فتوحات کو جو مسلمانوں کی فتوحات سے زیادہ دل آویز بھی ہیں عیسائیت یا کفر کے لئے طرہ امتیاز قرار نہیں دیتے۔ تو پھر اپنی معرکہ آرائیوں کی کس منہ سے اسلام کے لئے نشان امتیاز یا باعث افتخار ٹھہراتے ہیں۔

غیر اسلامی نظام کا اجراء باعث تنزل بنا ہے

اعلان غدیر سے تخلف کر جانے کی صورت میں ایک سیاسی تدبیر یہ تھی

کہ اہل عرب کو بیرونی فتوحات میں مصروف و مشغول کر دیا جائے۔ اگرچہ یہ اسلام کے اصولوں اور سنت رسولؐ کے خلاف تھا بلکہ مبنی بر ظلم تھا مگر لوگوں نے اسے اسلامی فتوحات مشہور کر کے اسلام کے دامن پر یہ داغ لگا دیا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ حالانکہ یہ اسلام پر ایک دانستہ حملہ تھا۔ عرب قوم غریب تھی زندگی کے عیش و عشرت کے سامانوں سے نا آشنا۔ جنگجو بہادر تھے۔ مار دھاڑ کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ زیادہ تر ان کی بسر اوقات لوٹ مار تھی۔ قتل و دنگہ فساد کرنا ان کے لئے معمولی باتیں تھیں اور یہی وہ صفات ہوتے ہیں جو کسی قوم کو فتح مندی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ادھر تو یہ حالت تھی حب دنیا کا غلبہ' غنیمت کی محبت' عشرت کی قلت' زندگی سے تغافل' بے جگری اور موت سے بے خوفی یعنی فتح کے سامان سے پوری طرح لیس دوسری جانب جن اقوام پر حملے کئے گئے وہ اپنے دور تنزل سے گزر رہی تھیں۔ کاہلی' غفلت' عیش پرستی میں گرفتار اپنی زندگی کے دن گن رہی تھیں۔ پس نتیجہ صاف ظاہر ہے اللہ اکبر کہا اور چھری پھیر کر کام تمام کر دیا۔

البتہ عروج و زوال کے درمیانی عہد کی مدت کم یا زیادہ ہو سکتی ہے اسباب عروج دیر تک کار فرما رکھے جا سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مستقلاً" قائم کر لئے جائیں اس طرح اسباب تنزل کو طویل عرصے کے لئے روکا جا سکتا ہے۔ یہاں تجربہ' مذہب' سابقہ تاریخی حالات' طرز حکومت' طور معاشرت' وغیرہ ہم جیسے امور کار فرما ہوتے ہیں اور یہ سب حکمرانی کے طریقوں پر انحصار کرتے ہیں۔ جس طرح اسلامی سلطنت میں وسعت اسلامی طریقے سے نہ ہوئی۔ اسی طرح سلطنت کا سارا ڈھانچہ روم و ایران کے سانچوں میں ڈھال لیا گیا جو اس نظام سے قطعی مختلف تھا جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے قائم فرمایا تھا لہذا نظام سلطنت کا تعلق بھی دین سے قائم نہ رہا اور بانی مذہب کے

الہامی طریقے و تعلیم کو چھوڑ کر اپنے قیاس کے مطابق سیاسی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے بداگانہ نظام رائج کئے گئے جس کا فطری نتیجہ "تنزل" کی شکل میں برآمد ہوا۔ عرصہ ہوا مسلمان تنزلی کی اس اتھاہ دلدل میں دھنسے چلے جا رہے ہیں اور جو امور اس زوال کا سبب بنے وہ دن بدن ترقی کر رہے ہیں مثلاً" آپس میں فرقہ بندی، کسی کی اطاعت نہ کرنا، اور خود کو سب کا لیڈر سمجھنا۔ غیروں کے ہاتھوں بہت تھوڑے داموں بک جانا۔ اپنے عہد اور قول کی پرواہ نہ کرنا، کہنا کچھ اور کرنا کچھ، ظلم کا ارتکاب کرنا اور عدل کو چھوڑ دینا۔ خود کو عقل کل سمجھتے ہوئے مذہب سے بے اعتنائی برتنا۔ تصنع اور کورانہ تقلید۔ اخوت اسلامی کے احساس کا معدوم ہو جانا۔ حب ملک و جاہ اور ثروت دینا کے لئے دین سے اعراض کر جانا۔ اور فقدان ایثار و خود غرضی وغیرہ وغیرہ۔

اگر آپ نگاہ انصاف سے مسلمانوں کو دیکھیں گے تو متذکرہ بالا امور آپ کو نوے فیصدی آبادی میں تو یقیناً" نظر آئیں گے۔ تمدن و معاشرت پر حکومت کا اثر انداز ہونا ایک ناگزیر عمل ہے لہذا "خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے" کی ضرب المثل کے مطابق وہ لوگ جو اس رنگ کو عقلاً" یا مذہبا" ناپسند کرتے ہیں عملاً" اس رنگ میں رنگے دکھائی دیتے ہیں۔

متقدمین نے وجاہت کی خاطر نافرمانی رسولؐ کی

خاکسار تحریک کے بانی علامہ عنایت اللہ خان المشرقی نے اپنی معروف تصنیف "تذکرہ" کے دیباچے میں بڑی دلیری کے ساتھ یہ اعترف کیا ہے کہ ہمارے بزرگان دین نے دولت و حکومت اور دنیا کی وجاہت حاصل کرنے کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا۔ احکام رسولؐ کی نافرمانی کی۔ علامہ صاحب مرحوم نے ان بزرگوں کے طرز عمل سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ انسان جو کچھ بھی ہے دنیوی

حکومت اور مادی ثروت ہے اور اصلی مسلمان وہ ہیں جن کو یہ چیزیں حاصل ہوں خواہ اعتقاداً" وہ موحد ہوں یا مشرک۔ جو ان نعمات سے محروم ہیں چاہے وہ کتنے پکے توحید پرست ہوں کافر ہیں۔ میں تو علامہ صاحب سے اتفاق کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ ان کی بات کو سچ ثابت کرتا ہے۔ یہ باتیں ویسے تو دوسرے مسلمان علماء بھی جانتے ہیں مگر جرات اظہار سے محروم ہیں۔

مولانا مودودی کا محتاط انداز بیان

بانی جماعت اسلامی مولانا ابوالاعلی مودودی نے اس سلسلے میں بڑے محتاط انداز میں مسلمانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ جسے ہم اپنی پیش کش کی زینت بنانا چاہتے ہیں کہ باتیں بڑے پتے کی ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ

"بغداد، دمشق، دہلی اور غرناطہ کے مترفین مسلمان ہونے کی وجہ سے خدا اور آخرت کے منکر نہ تھے مگر ان کی زندگی کا سارا پروگرام اس طرح بنتا تھا کہ گویا نہ خدا ہے نہ آخرت نہ کسی کو جواب دینا ہے نہ کہیں سے ہدایت لینی ہے۔ جو کچھ ہیں ہماری خواہشات ہیں ان خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے ذرائع اور ہر قسم کے طریقے اختیار کرتے ہیں ہم آزاد ہیں اور دنیا میں جینے کی جتنی مہلت ملتی ہے اس کا بہترین مصرف بس یہ ہے کہ "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

جیسا کہ اوپر میں نے اشارہ کیا کہ اس نظریے کی عین فطرت یہی ہے کہ اس کی بنیاد پر ایک خالص مادہ پرستانہ نظام اخلاق بنتا ہے خواہ وہ کتابوں میں معدوم ہو یا صرف ذہنوں ہی میں مرتب ہو کر رہ جائے پھر اسی ذہنیت سے علوم و فنون اور افکار و آداب کی آبیاری ہوتی ہے اور پورے نظام تعلیم و تربیت میں الحاد و مادیت کی روح سرایت کر جاتی ہے پھر انفرادی سیرتیں اس سانچے میں ڈھلتی

ہیں۔ انسان اور انسان کے درمیان تعلقات و معاملات کی تمام صورتیں اس نقشے پر بنتی ہیں اور قوانین کا نشوونما اس ڈھنگ پر ہوتا ہے پھر اس طرز کی سوسائٹی میں ہر سطح پر وہ لوگ ابھر آتے ہیں جو سب سے زیادہ مکار' بددیانت' جھوٹے' دغاباز' سنگدل اور خبیث النفس ہوتے ہیں۔ تمام سوسائٹی کی سیادت و قیادت اور مملکت کی زمام کار ان ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ شتر بے مہار کی طرح ہر حساب سے بے خوف اور ہر مواخذہ سے بے پرواہ ہو کر خلق خدا پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ میکاولی (Machia Velli) کے اصول سیاست پر ان کی ساری حکمت عملی مبنی ہوتی ہے ان کی کتاب آئین میں زور کا نام حق اور بے زوری کا نام باطل ہوتا ہے جہاں کوئی مادی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی وہاں کوئی چیز ان کو ظلم سے نہیں روک سکتی۔ یہ ظلم مملکت کے دائرے میں یہ شکل اختیار کرتا ہے کہ طاقت ور طبقے اپنی ہی قوم کے کمزور طبقوں کو کھاتے اور دباتے ہیں اور مملکت کے باہر اس کا ظہور قوم پرستی امپریلزم اور ملک گیری و اقوام کشی کی صورت میں ہوتا ہے"
(تجدید و احیائے دین ص ۹ و ص ۱۰)

مولانا مودودی مرحوم کی رائے کے مطابق جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خالص اسلامی نظام حکومت' معیشت و معاشرت قائم فرمایا وہ نظام اپنی صحیح حالت میں حضورؐ کے بعد فقط شیخین کے زمانے تک بوجہ ان دونوں حضرات کی جامع کمالات شخصیتوں کے قائم رہا۔ لیکن ان کے بعد ہی جاہلیت یعنی کفر کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت دوسرے حضرت عثمان کا ان خصوصیات کا حامل نہ ہونا۔ جو حضرات شیخین کو عطا ہوئی تھیں اگرچہ حضرت عثمان و حضرت علیؓ نے جاہلیت کے اس حملے کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ رکا اور آخر کار حضرت علیؓ کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور ختم ہو گیا اور ملک

عضوض یعنی (Tyrent Kingdom) نے اس کی جگہ لے لی اور اس طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہو گئی اور آخر دم تک اسی پر قائم رہی۔

(ماخوذ از تجدید و احیائے دین ص ۲۳ اور ص ۲۴)

آگے چل کر مولانا مودودی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ:

"تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا ہے قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں میں کام کیا۔ مجدد کامل کا مقام ابھی خالی ہے مگر عقل چاہتی ہے فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا لیڈر پیدا ہو خواہ اس دور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزار گردشوں کے بعد پیدا ہو اسی کا نام الامام المھدیؑ ہے۔ جس کے بارے میں صاف پیشنگوئیاں نبی علیہ صلواۃ والسلام کے کلام میں موجود ہیں۔ (تجدید و احیائے دین ص ۳۱)

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ مولانا مودودی مرحوم اپنے صحیح فکر کی بدولت درست نتائج پر پہنچ گئے تاہم جو کمی ہے وہ محض آبائی عقیدے کا منطقی اثر ہے۔[1]

خاتم النبین مطلوب الطالبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یوم غدیر امت سے خطاب فرماتے ہوئے امام مہدیؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ آگاہ ہو کہ بتحقیق وہ (مہدیؑ) دین کے پشت پناہ ہیں اور بے شک وہ ظالموں سے انتقام لیں گے وہ قلعوں کو فتح اور منہدم کریں گے مشرکوں کے ہر قبیلے کو قتل کریں گے یاد رکھو! وہ اولیاء خدا کے خون کا بدلہ لینے والے ہیں وہ ناصر دین خدا ہیں۔ بے شک وہ (علم خدا سے) چلو پر چلو بھرنے والے ہیں۔ خوب جان لو کہ بلا شبہ وہ صاحب فضیلت کی فضیلت پر مہر کریں گے اور ہر جاہل کے جہل پر مہر ثبت فرمائیں گے یقیناً" وہ خدا کے بہترین وپسندیدہ ہیں وہ کل علم کے وارث ہیں اور اس پر محیط ہیں اللہ کی

طرف سے مخبر اور متنبہ کرنے والے ہیں۔

بتحقیق وہ سچے رہنما ہیں جملہ احکام ایمان سے آگاہ ہیں اور وہ جملہ امور ان کے سپرد ہیں۔ آگاہ رہو بے شک میں ان کی بشارت دیتا رہا ہوں۔ ہر گزرنے والا اپنے زمانے میں آگاہ ہو کہ وہی حجت باقیہ ہیں اور ان کے بعد کوئی حجت نہیں ہے اور حق انہی کے ساتھ ہے۔ اور نور ان ہی کے پاس ہے یاد رکھو! کوئی ان پر فتح اور غلبہ نہ پائے گا بے شک وہ اللہ کے ولی ہیں اس زمین پر اور حکم ہیں اس کی مخلوق میں اور امین ہیں اس کے ہر ظاہر و باطن پر

(خطبۃ الغدیر)

حضورؐ کے بعد تقریباً" ڈیڑھ ہزار برس سے مسلمان حکومتیں چلی آ رہی ہیں۔ اس میں حضرات شیخین کا عہد حکومت صرف بارہ سال رہا۔ لہٰذا باقی ساری مدت میں سلطنت ہائے اسلام ، کفر کا اثر بلکہ قبضہ رہا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ روز غدیر کے اعلان سے انحراف کر دینے کے لمحہ سے یہ آفت نمودار ہو گئی تھی اور اب اس کا علاج ظہور مہدی علیہ اسلام ہے۔ عجل اللہ فرجہ

امامت ایک نعمت خداوندی ہے

اللہ کی عطا کردہ توفیق سے ہم نے کوشش کی ہے کہ جدید مادہ پرست نسل کے مذہب پر وارد کردہ اعتراضات کے تناظر میں اپنے موقف کو حق سے متصل کریں۔ ان وجوہات و اسباب کو طشت از بام لائیں جن کے باعث مسلمان اسلام کے موجودہ ثمرات سے متمتع ہونے سے قاصر رہے۔ ہماری گفتگو کا مرکزی عنوان " اعلان غدیر" ہے۔ جس کے نشر ہو جانے پر خدائے عزوجل نے اپنی نعمت کے اتمام کا مژدہ سنا دیا۔ دین فطرت کی زمام اپنے اہل بیتؑ کے سپرد فرماتے ہوئے رسولؐ اسلام نے عہد رسالت مآبؐ کے سب سے بڑے جلسہ عام میں پورے تزک و احتشام اور اہتمام و انصرام کے ساتھ امت سے خطاب فرمایا۔

"معاشر الناس ! تحقیق میں نے تم سب کو بتادیا ہے اور سمجھا دیا ہے اور پھر میرے بعد یہ علیؑ تمہیں سمجھائیں گے یاد رکھو کہ میں اپنے خطبے کو پورا کرنے کے بعد تم کو بلاؤں گا اپنے ہاتھ پر علیؑ کی بیعت لینے اور اقرار کرانے کے لیئے میرے بعد علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے آگاہ رہو کہ میں نے خدا کی بیعت لی ہے اور علیؑ نے میری اور میں تم سے اللہ کے حکم کے مطابق علیؑ کی بیعت لے رہا ہوں اور جس نے اس بیعت کو توڑ دیا وہ خود اپنے نفس پر ظلم کرے گا۔

لوگو! بے شک حج صفا و مروہ اور عمرہ یہ سب اللہ کے شعائر ہیں پس جو شخص حج کرے یا عمرہ بجا لائے اس پر کوئی گناہ نہیں ۔ اے گروہ مردم! بیت اللہ کا حج کرو پس کوئی گھرانہ ایسا نہیں ہے جو وہاں جائے اور غنی نہ ہوجائے اور کوئی گھر ایسا نہیں ہے کہ مخالفت کرے اور محتاج نہ ہوجائے ۔ اے لوگو! مومن جو موقف پر قیام کرے گا اللہ اس کے اگلے پچھلے اس وقت تک کے گناہوں کو معاف کردے گا جب حج تمام ہوجائے گا تو از سر نو عملی زندگی شروع ہوگی۔ لوگو! حجاج مدد یافتہ ہیں ان کی زاد راہ اللہ کے پاس محفوظ ہے اور اللہ محسنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ۔ اے گروہ انسان ! بیت اللہ کا حج کرو۔ دین کامل اور مذہبی معلومات کے ساتھ اور واپس مت آو مشاہد مقدسہ سے مگر یہ کہ توبہ اور گناہوں کا سدباب کرکے ۔

اے انسانو! نماز کو قائم کرو اور زکواۃ ادا کرتے رہو جیسا کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے ۔ اور اگر طول عمری کے باعث تم سے تقصیر یا بھول چوک ہوجائے تمہارے ولی علیؑ موجود ہیں وہ تم سے بیان کریں گے جن کو اللہ نے اس منصب پر نصب فرمایا ہے اور ان کے بعد میری اولاد جو ان کے صلب سے ہوگی وہ تمہیں بتاتے رہیں گے تم ان سے جو بھی سوال کرو گے وہ اسے بیان کریں گے ۔ تم لوگوں کو ایسی باتیں بتائیں گے جو تم نہیں جانتے ہوگے ۔

جان لو! کہ حلال و حرام اتنے زیادہ ہیں کہ میں اس وقت ان کا احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ ان کو پہچنوا سکتا ہوں کہ حکم دوں حلال کا یا منع کرو حرام سے کیونکہ دامن وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہے۔

پس میں مامور کیا گیا ہوں اس وقت کہ تم سب سے بیعت لوں اور تم اسے قبول کر و جو میں تمہارے لئے خدا کی طرف سے لایا ہوں ۔ وہ یہ کہ علیؑ امیرالمومنین ہیں اور ان کے بعد ان آئمہؑ کے بارے میں جو مجھ سے اور علیؑ سے ہوں گے سارے امام قائم ہیں ان ہی میں امام مہدیؑ ہوں گے ۔ یہ امام قیامت تک کے لئے حق کے ساتھ فیصلہ کریں گے ۔

معاشر الناس! ہر وہ حلال جو تم کو بتا دیا ہے ور ہر وہ حرام جس سے تم کو منع کر دیا ہے میں اس سے پلٹا نہ اس میں کوئی تبدیلی کی ۔ پس اسے یاد رکھو اور محفوظ کر لو ۔ اور ایک دوسرے کو اس کی وصیت کرتے رہو۔ اور اس میں کوئی تبدیلی مت کرنا ۔ اور میں پھر اسے دہراتا ہوں کہ دیکھو نماز کو قائم رکھو اور زکات دیتے رہو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔

یاد رکھو! کہ اصل امر بالمعروف یہ ہے کہ تم میرے قول کی گہرائی کو سمجھو اور جو اس (جلسہ عام) میں موجود نہیں ہیں ان تک اس (پیغام) کو پہنچا دو اور اسے قبول کرنے کے لئے کہو اور اس کی مخالفت سے ان کو روکو۔ اس لئے کہ یہ حکم اللہ عزوجل اور میری طرف سے ہے اور اس کے سوا کوئی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں ہے کہ امام معصومؑ کے متعلق (یعنی امام کو پہچنوایا جائے اور ان کی مخالفت سے روکا جائے)

اے گروہ انسان! قرآن نے تم کو یہ معرفت عطا کر دی ہے کہ آئمہ علیؑ کے بعد ان کی اولاد سے ہوں گے ۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے اور قرار دیا ہے ان کو کلمہ باقیہ انہی کی نسل میں اور میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ جب تک ان کا دامن تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے ۔

اے گروہ مردم! تقویٰ اختیار کرو قیامت سے ڈرو جیسا کہ اللہ فرماتا ہے بتحقیق زلزلہ قیامت بہت عظیم ہے۔ یاد رکھو موت کو۔ حساب کو میزان کو محاسبے کو جو تمام جہانوں کے پروردگار کی بارگاہ میں ہوگا۔ اور ثواب وعقاب کو پس جو بھلائیاں لائے گا ثواب پائے گا جو برائیاں لائے گا تو جنت میں اس کا حصہ نہ ہوگا۔

اے گروہ انسان! تمہاری تعداد کثیر ہے اور میرے ایک ہاتھ پر تم سب کا بیعت کرنا مشکل ہے لہٰذا اللہ نے مجھ اختیار دے دیا ہے کہ میں تم سے زبانی اقرار بھی لے سکتا ہوں علیؑ (کی امامت اور ولایت) کے بارے میں۔ اور ان (اماموںؑ) کے لئے جو علیؑ کے بعد آنے والے ہیں۔ وہ آئمہؑ جو مجھ سے اور علیؑ سے ہوں گے جیسا کہ میں نے تم پر واضح کر دیا ہے کہ میری ذریت علیؑ کی صلب سے ہوگی پس تم سب مل کر کہو۔

کہ بتحقیق ہم نے سنا۔ اور اطاعت کی اور راضی ہیں اور فرماں بردار ہیں اس پر جو آپؐ نے پہنچایا ہمارے اور اپنے رب کی طرف سے۔ اللہ کی صلوات ہو ان پر اور ان کی اولاد کے بارے میں جو ان کے صلب سے آئمہ ہوں گے۔ آپ کی بیعت کرتے ہیں دل وجان سے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے اس بارے میں۔ اور اسی پر ہماری موت وحیات اور حشرو نشر ہیں ہم اس میں تغیر وتبدل کریں گے نہ شک وشبہ اور اس عہد سے نہیں پلٹیں گے اور نہ میثاق کو توڑیں گے اور ہم اطاعت گزار ہیں اللہ کے اور آپؐ کے اور علی امیرالمومنینؑ کے اور ان کی اولاد کے جو امام ہوں گے جن کا تذکرہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ وہ حضورؐ کے ذریت ہیں۔ جو علیؑ کی صلب سے ہوں گے بعد حسنؑ اور حسینؑ کے کہ جن کو میں پہچنوا چکا ہوں ان کی اس نسبت کو جو ان کو مجھ سے ہے۔ اور اس درجہ کو جو میرے نزدیک ہے اور اس منزلت کو جو میرے رب کے نزدیک ہے اور یہ بھی تم کو بتا چکا ہوں کہ یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اور یہ دونوں امام

ہیں اپنے والد علیؑ کے بعد اور میں ان دونوں کا باپ ہوں علیؑ سے پہلے۔ اور تم سب مل کر کہو کہ۔ ہم نے اس بارے میں اللہ کی اور آپؐ کی اور علیؑ کی اور حسنؑ حسینؑ اور ان آئمہ کی جن کا ذکر آپؐ نے فرمایا اور عہد و میثاق لیا ہے عہد امیرالمومنین کے سلسلہ میں اطاعت کرتے ہیں اپنے دلوں سے اپنے نفسوں سے اور اپنی زبانوں سے ہم میں سے جو کوئی ان کا زمانہ پائے گا وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرے گا یا پھر زبان سے اقرار کرے گا۔ ہم اس میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے نہ اس سے پھریں گے۔ (اس پر) ہم اللہ کو گواہ قرار دیتے ہیں اور وہی گواہی کے لئے کافی ہے۔

اور آپؐ بھی ہم پر گواہ ہیں اور ہر وہ شخص گواہ ہو جو اس حکم کی اطاعت کرے چاہے وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ ہو۔ اور اللہ کے فرشتے گواہ ہیں اور اس کا لشکر اور اس کے سارے بندے اور اللہ تو سب سے بڑا گواہ ہے۔

اے گروہ انسان! پس کیا کہتے ہو تم لوگ؟ بے شک اللہ ہر آواز کا سننے والا اور دل میں چھپی ہوئی ہر بات کا جاننے والا ہے پس جو ہدایت حاصل کرے گا تو اپنے (فائدہ) کے لئے اور جو گمراہ ہو گا اپنے (نقصان) کے لئے۔

اور جو بیعت کرے گا تو گویا اس نے اللہ سے بیعت کی اور اللہ کا ہاتھ تمام ہاتھوں سے بلند ہے۔

اے انسانو! اللہ سے ڈرو اور امیرالمومنین علیؑ کی بیعت کرو۔ حسنؑ کی اور حسینؑ کی اور ان اماموں کی جو کلمہ باقیہ ہیں۔

ہلاک کرے گا اللہ اسے جو بھی بے وفائی کرے گا۔ اور رحم کرے گا اس پر جو عہد کو پورا کرے گا اور جس نے عہد شکنی کی پس اس نے اپنے ہی نفس کو نقصان پہنچایا۔ معاشر الناس! (امید ہے) جو کچھ میں نے کہا ہے (تم سمجھ گئے ہو گے) لہٰذا ہدیہ سلام پیش کرو علیؑ کو امیرالمومنین کہہ کر اور کہو کہ

ہم نے سنا اور اطاعت کی ۔ اے ہمارے رب مغفرت تیری طرف ہی ہے اور تیری ہی جانب بازگشت ہے اور کہو: (شکر) الحمدللہ جس نے اس امر میں ہماری ہدایت فرمائی اور ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے اگر اللہ ہماری ہدایت نہ کرتا"

(خطبہ الغدیر)

زبان وحی بیان سے ادا شدہ یہ خطاب نعت امامت کی معرفت کے لئے کافی ہے فصاحت و بلاغت اس کلام پر وارے وارے جارہی ہے پیغمبر کے متبرک نشریے سے ماخوذ ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ کی اطاعت مسلمانوں پر واجب کی گئی ہے اور امامت قائم کرنے میں عوام الناس کو مطلق دخل نہیں ہے ایسا امام جس کی امامت دین کی انسانیت کو ضرورت ہے وہ صرف اللہ ہی نصب فرما سکتا ہے اور ایسے امام کی تقرری کا اعلان فی الحقیقت حیات بخش پیغام ہے تکمیل دین کے لئے اللہ کا وارث دین آئمہ کو منتخب فرمانا ہی وہ بڑی نعمت تھی جس کا روز غدیر اہتمام کیا گیا اور اللہ نے اکمل دین کے ساتھ

اتممت علیکم نعمتی کا مژدہ سنایا اور "دین اسلام" کو پسند فرمالیا۔

کفران نعمت کی سزا

جب لوگوں نے اللہ کی نعمت کی قدر نہ کی تو خدا نے وہ نعمت نظروں سے غائب کردی اور امت اس عذاب میں مبتلا ہوگئی جو جاری ہے اور جاری رہیگا جب تک کہ مسلمان اپنی کفران نعمت سے توبہ نہیں کرتے اور اس نعمت کی واپسی کی التجا نہیں کرتے اور اس زحمت سے بیزاری اختیار نہیں کرتے جیسے انہوں نے اس نعمت کے بدلے میں اختیار کرلیا۔ اللہ تعالیٰ پہلے ہی قرآن کے ذریعہ مطلع کرچکا ہے کہ شکر باعث فراوانی نعمت ہے اور ناشکری باعث عذاب ہے جس سے انسان بسا اوقات ان نعمات سے محروم کردیا جاتا ہے اور کبھی زیادتی کے ذریعہ شدید آزمائش میں مبتلا کردیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ "اور جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہارے لئے (نعمت) میں اضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب شدید ہے"

(سورہ ابراہیم۔ آیت ۷)

اور فرمایا کہ "جس نے اللہ کی نعمت کو اپنے پاس آجانے کے بعد تبدیل کرلیا تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے"

(البقرہ آیت ۔۲۱۱)

پس خدا نے اس نعمت عظمیٰ کا عطا کرنا اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور لوگوں کو اس سلسلے میں کوئی اختیار تفویض نہیں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے پیغمبر آخر الزمان نے جامع وضاحت اور مکمل تفصیل کے ساتھ امت پر اس امر کی وضاحت فرماتے ہوئے۔ آئمہ ھدیٰ کی اطاعت کرنا اور ان کا اتباع بجالانے کی تاکید کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ چھوڑی۔ اس حکم کی تبلیغ کرنے کا حق ادا کردیا۔ لیکن حضورؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی لوگوں نے اپنی بیعتؑ اپنے قولؑ اپنے اقرار اور خدا و رسولؐ سے کئے ہوئے اس عہد و پیمان کو طاق نسیان میں رکھ دیا۔

خطبہ غدیر کا پس منظر

عہد رسالت مآبؐ ہی میں بعض لوگوں کی نظریں تخت حکومت پر جمی ہوئی تھیں۔ مگر خدا نے قرآن مجید میں یہ فرما کر ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا کہ "یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس امر (حکومت) میں کچھ ہمارے لئے بھی حصہ ہے۔ (اے رسولؐ) کہہ دے ان سے کہ یہ سارا امر خدا کے لئے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے ہوئے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے"

(آل عمران۔ ۱۵۴)

یہ آیت بڑی غور طلب ہے اس سے دو امر ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ امر حکومت وخلافت صرف نص خداوندی پر منحصر ہے لوگوں کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا نے اقتدار حاصل کرنے جو سازباز ہو رہی تھی اسے طشت ازبام کر دیا۔

رسولؐ غیب داں ان تمام زیر زمین محلاتی سازشوں سے واقف تھے چنانچہ علی علیہ السلام سے فرمایا کرتے تھے کہ "اے علیؑ تمہاری طرف سے لوگوں کے دلوں میں کینے بھرے ہوئے ہیں جن کو وہ چھپاتے ہیں اور میرے بعد تمہارے خلاف ظاہر کریں گے"

(کنزالعمال۔ حدیث نمبر ۶۱۵۸ جز سادس ص ۲۱۸)

حضورؐ اکرم نے امت کی بے وفائی کے بارے میں اپنے وارث اور وصی کو خبردار کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ "اے علیؑ میرے بعد یہ امت تم سے دغا کرے گی"

(مستدرک الصحیحین الجز الثالث ص ۱۴۰)

خدا نے اس امر کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کی وجہ بھی قرآن مجید میں بیان کر دی تھی کہ طالوتؑ کے قصے کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے اسے ہر شخص کی نیت طاقت ہمت اور وسعت ارادہ کا کامل علم ہے۔ جب کہ لوگوں کا علم قلیل ہے ان کو یہ امور معلوم نہیں ہوتے۔ فرمایا کہ۔

واللہ یوتی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم (البقرہ۔ ۲۴۷)

اللہ اپنی سلطنت اس کو دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور اللہ وسیع علم والا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ اس آیت کے استدلال پر یہ کہتے ہیں کہ جن مسلمان حکمرانوں کو حکومت ملی تو یہ خدا نے ان کو دی۔ حالانکہ آیت کا مطلب یہ نہیں ہے۔ یوتی ملکہ کے معنی یہ ہیں کہ "خدا اپنی ملک کی حکومت خود دیتا ہے" جس کو چاہتا ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ جس کو حکومت مل جائے وہ خدا کی عطا کردہ سمجھ لی جائے۔ "ملکہ" یعنی خدا کی بادشاہت کا مطلب "حکومت الیہ" ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں فرعون و نمرود جیسے حکمران بھی گزرے ہیں صاف ظاہر ہو گیا کہ خدا بادشاہ مقرر نہیں فرماتا۔ اس کی حکومت مخصوص اور وسیع معنی رکھتی ہے۔ خدا کے ملک میں وحوش و طیور اور انس و ملک و دیگر عناصر بھی ہیں۔ چنانچہ اللہ جن کو اپنے ملک کی حکومت بخشتا ہے تو یہ سب اس کے زیر فرمان ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت سلمان علیہ السلام کی دعا سے ظاہر ہے کہ عرض کیا۔ "یا رب مجھے وہ ملک عطا فرمادے جو میرے بعد کسی کے واسطے شایاں نہ ہو اس میں تو شک ہی نہیں تو وہاب ہے"

(سورہ ص آیت ۳۵)

حضرت سلیمانؑ کی ارضی حکومت بہت چھوٹے قطعہ ارض پر تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ان سے پہلے بڑی بڑی حکومتیں گزر چکی تھیں اور ان کے بعد بھی ان سے زیادہ سلطنتیں ہوں گے چنانچہ سورہ ص کی آئندہ آیات میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ خدا نے فرمایا۔ پس ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے ان کو نرمی و آسانی سے پہنچا دیتی۔ شیاطین کو ان کا ماتحت کر دیا

تھا جو عمارتیں بناتے تھے اور دریا میں غوطے لگاتے تھے اور کچھ اور تھے جو بیڑیوں میں جکڑے رہتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ نے وہ ملک مانگا تھا جو دیگر سلاطین کی طرح ظلم و جور سے نہیں ملتا بلکہ خدا اپنے پاس سے دے دیتا ہے اور وہ ایسا مکمل ہوتا ہے کہ عناصر و جنّ بھی ان کے ماتحت ہوتے ہیں۔ چنانچہ مکتب اہل بیتؑ کے مطابق یہی شان امام کی ہوتی ہے کہ ان کا حکم کائنات میں جاری ہوتا ہے جب کہ جمہوری حکومت والے صرف آدمیوں پر حکومت چلا سکتے ہیں چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ ”روح الامین اور دیگر ملائکہ ہر شب قدر کو حضورؐ اور ان سے پہلے کے انبیاء پر تمام احکام خداوندی اور تقسیم قدرات لے کر نازل ہوتے تھے ان کے بعد علیؑ پر ان کے بعد دیگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام پر نازل ہوتے رہے ہیں یہاں تک کہ اب امام زماں صاحب العصر پر نازل ہوتے ہیں“

(ضمیمہ ترجمہ مولانا مقبول احمدؒ)

منصب نبوت اور منصب امامت کا باہمی تعلق

مولوی شبلی نعمانی تحریر کرتے ہیں کہ ”امامت کا منصب در حقیقت نبوت کا ایک شعبہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ و از میاں امت جمع مستند کہ جو ہر نفس ایشاں قریب بجوہر انبیاء مخلوق شدہ و ایں جماعہ در اصل فطرت خلفائے انبیا اند در امت“

(الفاروق حصہ دوم ص ۲۰۶)

یعنی امام کی فطرت قریب قریب رسولؐ کی فطرت پر فطر کی جاتی ہے۔ مگر نبی اور امام کے اس فطری تعلق کو مانتے ہوئے بھی بعض لوگ یہ پسند نہیں کرتے تھے نبوت و خلافت اپنی فطرت پر رہیں۔ وہ ہر گھڑی ایسی تدبیر سوچا کرتے تھے کہ

جس طرح بھی ممکن ہو۔ حکومت اس خاندان میں نہ جانے پائے۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو علیؑ کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے مگر "خدا کی قسم علیؑ کے بارے میں کبھی قریش کا اجتماع نہ ہو گا اور لوگ اگر ان کو خلیفہ بنا بھی لیں گے تو ہر طرف سے عرب ان پر شورش کریں گے"

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید الجز الثالث ص ۹۷)

رسول غیب دان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں پوشیدہ نہیں تھیں اسی لئے آپؐ نے اس اعلان کے کرنے میں تعجیل نہ فرمائی اور مناسب موقع کے منتظر رہے۔ غدیر کے موقع و محل سے زیادہ اچھا شاید ہی کوئی دوسرا موقع ملتا۔ چنانچہ خدا نے اپنے رسولؐ کو تاکید فرمائی کہ وہ مطمئن ہو کر میرا یہ پر نعمت حکم عوام الناس تک پہنچا دے۔ چنانچہ پیغمبرؐ خدا نے میدان غدیر میں بہت گرم جوشی کے ساتھ دھواں دھار تقریر کر کے اپنے فرض منصبی کے جملہ تقاضے پورے فرمائے آپ اس نفیس خطبے کے اقتباسات اس کتاب کے گزشتہ اوراق میں مطالعہ فرما چکے ہیں جو ہم نے مختلف مقامات پر نقل کئے ہیں۔ آپؐ نے اس بلیغ خطاب میں مسئلہ امامت اور فضیلت اہل بیتؑ کے ہر گوشے پر مدلل اور مقبول طرز کے ساتھ مفصل روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ اس خطاب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "اے انسانو! بتحقیق علی بن ابی طالبؑ کے فضائل اللہ عزوجل کے نزدیک بہت ہیں جسے اس نے بذریعہ قرآن نازل کیا ہے وہ اتنے کثیر ہیں کہ میں اس مقام پر اس وقت ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ پس جو بھی تم کو علیؑ کے فضائل کی خبر دے اور ان کی معرفت سے شناسا کرے اس کی تصدیق کرو۔

اے گروہ مردم! جو اطاعت کرے گا اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور علیؑ کی اور ان ائمہؑ کی جن کا میں نے ذکر کیا ہے تو وہ زبردست کامیابی حاصل کرے

گا۔

اے لوگو! سبقت کرو ان کی بیعت کرنے میں اور ان سے محبت رکھنے میں اور ان کو امیرالمومنین کہہ کر سلام کرنے میں کیونکہ جو سبقت کریں گے وہی کامیاب ہوں گے اور مقرب ہوں گے نعمت والی جنت میں"

اے انسانی گروہ! ایسی بات کہو جس سے اللہ راضی ہو جائے پس اگر تم نے (حاضرین جلسہ نے) یا روئے زمین پر بسنے والوں نے (غیر حاضرین نے) انکار کیا تو اللہ کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

اللھم! بخش دے مومنین اور مومنات کو اور غضب نازل فرما کافر مردوں اور کافر عورتوں پر۔ الحمد للہ رب العالمین

(خطبۃ الغدیر)

جب سید الانبیاء خاتم الرسل صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس خطبہ سے فارغ ہوئے تو تمام حاضرین نے بیک زبان ہو کر با آواز بلند کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ ہم نے اللہ اور رسولؐ اللہ کے حکم کو سنا اور ہم دل و جان سے اس کے اطاعت گزار ہیں۔

چنانچہ امت کے اس متفقہ اظہار عقیدت و اطاعت کے بعد رسول دین اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے لئے ایک علیحدہ خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ جب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اس خیمے میں رونق افروز ہوئے تو اصحاب نبیؐ گروہ در گروہ آکر آپؑ کو ولایت کی مبارک باد دینے اور "امیرالمومنین" کہہ کر سلام پیش کرنے لگے۔

اس مبارک موقع پر شافع محشر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پہلوئے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام میں جلوہ افروز تھے۔ حضور اکرمؐ ارشاد

فرماتے جاتے تھے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم کو تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور اس کو بھی فضیلت حاصل ہے جو علیؑ ابن ابی طالب کی بیعت کرے اور ان کو امیر المومنین کہہ کر سلام پیش کرے۔

المختصر تین دن رات مسلسل اس بیعت و تہنیت کا سلسلہ جاری و قائم رہا اور تمام حاضرین نے جن کی تعداد ستر ہزار اور ایک قول کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار تھی اسی مقام غدیر پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ چنانچہ اس روح پرور منظر کو دیکھ کر رحمت خداوندی میں جوش آیا اور قدرت نے اکمال دین اور اتمام نعمت اور اسلام سے خوشنودی کے پروانہ کے ساتھ ولایت علی علیہ السلام کی رسم تہنیت اس کی سند میں اعلان فرمایا کہ۔ **الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشونی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا** "آج کے دن وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں پس ان سے مت ڈرو۔ اور مجھ ہی سے ڈرو۔ آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ اور میں نے تمہارے لئے اسلام (سر تسلیم خم کرنے) کو دین پسند کر لیا۔

(المائدہ۔ آیت ۳)

بنی نوع انسان نے اجتماعی معاشرت میں کسی مرکزی رہنما کی ضرورت سے کبھی انکار نہیں کیا ہے کسی قوم کے لئے کسی قائد کی ضرورت ایک مسلمہ امر ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی اپنے بعد امت میں اپنا جانشین مقرر کرنے کی ضرورت و اہمیت کا پورا پورا احساس تھا چونکہ آپؐ دین فطرت اور ملک خدا کے منصوص حاکم مقرر ہوئے لہٰذا آپ کی جانشینی (حدود فرمانروائی کے پیش نظر) کا مسئلہ ایسا ہرگز نہ تھا جسے عوام الناس کے ذمے لگا دیا جاتا کیونکہ اللہ کی سنت اس کے خلاف تھی کہ وہ حکومت الیہ کے خلیفے خود مقرر فرمایا

کرتا ہے اب ارضی حکومت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کا ایک جزو بن گئی تھی۔ جیسا کہ ابوالحسن ندوی صاحب نے لکھا ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں ایک بڑا کام اور آپ کی بعثت کا ایک اہم مقصد حکومت الٰہی کا قائم کرنا اور دنیا میں آسمانی نظام سیاست و اخلاق و معاشرت جاری کرنا تھا"

(سیرۃ سید احمد شہید ص ۱۴)

چنانچہ معلوم ہوا کہ سیاست اور حکومت دین اسلام کے ایسے جزوی شعبے ہیں جن کی حیثیت جزو لاینفک کی ہے۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ بعض نفس پرستوں نے حکمت اور دین میں تفریق وضع کرلی اور بعد از رسولؐ بر سر تخت آنے کے خواب دیکھنے لگے۔ پیغمبرؐ کا علیؑ کی جانب خصوصی میلان اور آپؐ کا گاہے بگاہے ان کو اہمیت دینا ان لوگوں کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا جی ہی جی میں کڑھا کرتے تھے اور یہ آس لگا بیٹھے تھے کہ بعد از رسولؐ وہ حکومت پر قابض ہو جائیں گے۔ علانیہ اور خفیہ ایسی حرکات کا ارتکاب کرتے تھے کہ خود پیغمبرؐ مضطرب ہو جاتے تھے۔ معاملہ عام بادشاہی کا ہوتا تو شہنشاہ کونینؐ اس طرف منہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے آپ کی حکومت، حکومت الہیہ تھی جس کی جانشینی کا معاملہ اللہ نے طے فرمانا تھا جو کہ وہ کر چکا تھا اور اپنے رسولؐ کو خبردار کر دیا تھا۔ مگر نزاکت حالات کے پیش نظر اور امت میں پھوٹ پڑ جانے کے خوف سے آپؐ کوئی عاجلانہ اقدام فرمانا مناسب خیال نہیں فرماتے تھے مگر جب کار رسالت سے فراغت پائی تو اللہ نے اس حکم کی تبلیغ کر دینے کا خصوصی حکم نامہ نازل فرمایا۔ چنانچہ خدا کی طرف سے حفاظت کی ضمانت مل جانے پر آپ نے تپتے ریتلے میدان میں آگ برساتی دھوپ میں ایک بلیغ خطبہ نشر کر کے حکومت الہیہ کے لئے علیؑ کی خلافت و امامت و ولایت کا اعلان کرتے ہوئے تا قیام قیامت اس حکومت دین کو بحکم خدا اپنے اہل بیتؑ میں

محصور کر لیا۔ اور لوگوں پر اس کے اسباب اور وجوہات واضح فرما دیئے۔ اس وقت تو لوگوں نے طوعاً" و کرہاً" اللہ کے اس فیصلے کو مان لینے کا اقرار کیا اور اس پر دوہری بیعت کر لی مگر بعد میں نفس امارہ کی اطاعت کرنے لگے جس کا نتیجہ ہر آنکھ کے سامنے ہے۔

اعلان غدیر کے بعد مخالفین میں اضطراب

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بعض لوگ امام علیؑ سے بغض عناد اور حسد رکھتے تھے اور انہوں نے اپنے رسوخ کو تھوڑا بہت مستحکم بھی کر لیا تھا جس سے ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور وہ تخت حکومت پر قابض ہونے کے خواب میں محو تھے جب اس جماعت نے اعلان غدیر سنا تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ان کی آسوں پر اوس پڑ گئی چنانچہ اس قدر بوکھلائے اور ذہنی طور پر مضطرب و پریشان ہوئے کہ اپنے خلاف منشا و توقع اعلان کو سنتے ہی ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ بہت بپھرے ۔ اللہ کا رسولؐ ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا چنانچہ حضورؐ کو انہوں نے اپنے انتقام کا پہلا نشانہ بنایا۔ حالانکہ اللہ کی نازل کردہ حفاظت رسولؐ کی ضمانت سن چکے تھے مگر پھر بھی پندرہ باغیوں پر مشتمل ایک جماعت نے وادی عقبہ میں رسول رحمتؐ کے اونٹ کو بھڑکا کر آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اپنے چہروں کو نقابوں سے چھپا کر حملہ آور ہوئے مگر حضرت عمارؓ اور حضرت ابوذرؓ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناقے کے ساتھ تھے مزاحم ہوئے اور ان حملہ آوروں کے حملے کو پسپا کیا اور یہ دم دبا کر بھاگ لئے۔ مورخین نے اس واقعہ میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ واقعہ سن ۹ ہجری کا ہے جب حضورؐ جنگ تبوک سے واپس مدینہ آ رہے تھے مگر واقعہ کی تاریخ وقوعہ سے سردست ہمیں کوئی سروکار نہیں حالانکہ ہماری تحقیق کے مطابق اس حرکت کا ارتکاب دونوں موقعوں پر ہوا۔ اور یہ واقعہ مسلمات تاریخیہ سے ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بھید سے واقف تھے اور ان لوگوں کے نام جانتے تھے جو حملہ آور ہوئے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حذیفہؓ کو حکم دیا تھا کہ ان کے ناموں کو لوگوں پر آگاہ نہ کریں اسی وجہ سے حضرت حذیفہؓ کو "صاحب سر رسول اللہ" کہا گیا ہے۔

الغرض جب اللہ کی حفاظت میں رسولؐ خدا کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ گئی تو بڑے مایوس ہوئے مگر شیطان نے تھپکی دی۔ نا امیدی میں امید کی ایک کرن دکھائی وہ یہ کہ حیثیت نبویؐ کا بٹوارہ کیا جائے اور لوگوں میں یہ مشہور کر دیا جائے کہ نبی بھی ایک عام خاطی انسان ہوتا ہے اس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں ایک نبوی اور دوسری غیر نبوی۔ نبوی حصے کی اطاعت ضروری ہے جب کہ غیر نبوی زندگی میں رسولؐ حق سے باطل کی طرف بھی مائل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً" ایک صاحب نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا۔

"بے شک رسولؐ خدا سے علیؑ کے بارے میں چند ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے کوئی حجت ثابت نہیں ہوتی تھی اور عذر قطع نہیں ہوتا تھا(یعنی یہ حجت اور یہ عذر کہ انہوں نے علیؑ کے بارے میں نص خلافت نہیں کی ثابت نہیں ہوتا تھا) اور بسااوقات تو رسولؐ اللہ علیؑ کے امر میں حق سے باطل کی طرف مائل ہو جانا چاہتے تھے اور بہت مبالغہ کرتے تھے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے مرض موت میں علیؑ کے نام کی تصریح کر دینی چاہی تھی مگر میں نے اس سے ان کو روک دیا ہے۔جس سے میری غرض محض اسلام کی ہمدردی تھی"

(شرح نہج البلاغتہ ابن ابی الحدید الجزاالثالث ص۹۷)

یہی صاحب ابن عباسؓ سے یوں گفتگو فرماتے ہیں کہ

"اے ابن عباس! یہ تو درست ہے کہ رسولؐ خدا کا ارادہ یہی تھا کہ خلافت علیؑ کو ملے مگر رسول اللہ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب خدا نے ہی نہ چاہا رسولؐ اللہ نے چاہا کہ خلافت علیؑ کو ملے۔ خدا نے اس کے خلاف چاہا اور خدا کی مراد جاری ہو گئی۔ اور رسول خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی"

(شرح نہج البلاغتہ ابن ابی الحدید الجزالثالث ص۱۱۴)

میں حیران ہوں کہ زمین پھٹ کیوں نہ گئی۔ آسمان شق کیوں نہ ہوئے کہ اللہ تو یہ فرمائے کہ۔

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ"

(سورہ النساء۔ ۸)

جس نے الرسولؐ کی اطاعت کی یقیناً" اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

مگر بندے ایسے مطاع کو مائل بہ باطل ٹھہرائیں یہ کیسی اطاعت ہے؟

الغرض سیرت رسولؐ اور اسوۃ النبیؐ پر اسی طرح کے رکیک حملے کر کے اور جھوٹے سچے قصے مشہور کر کے ان کی عصمت کو مشکوک بنا دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا لوگ حضور کو عامی بشر کی سطح پر دیکھنے لگے۔ بلکہ اس سے بھی نیچے۔ چنانچہ رسول اللہ کی رحلت ہوتے ہی لوگ جنازہ رسولؐ کو بے دفن چھوڑے دنیا کے پیچھے دوڑ گئے اور اس کو پانے میں کامیاب ہوئے مگر اس نعمت کو کھو دیا جس کے سبب ان کو فلاح نصیب ہونا تھی۔ پھر کیا تھا سدا کی بد نصیبی امت کا مقدر بن گئی۔

حدیث غدیر کی تصدیق و توثیق

یہ حدیث متواتر ہے۔ اس کی صحت ہر شبہ سے بالا تر ہے حدیث ثقلین کے ساتھ ساتھ ہی اس کے بعد یہ حدیث آپؐ نے ارشاد فرمائی جس نے حدیث ثقلین کی توثیق و تصدیق کی ہے وہ ہی اس کی صحت سے بھی اقبال کرتا ہے مگر چونکہ یہ حدیث ہمارے موضوع سخن پر براہ راست حاوی ہے ہمارے دعویٰ کو مکمل طور پر ثابت کرتی ہے لہٰذا برائے استحکام و تقویت مزید ہم کچھ محققین و محدثین و مورخین و علماء و فقہا کی تصنیفات و تالیفات کا ذکر سپرد قلم کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث کی تصدیق و توثیق کی ہے۔

حدیث غدیر وہ مہتم بالشان پیام رسولؐ ہے جس کی اہمیت تبلیغ قرآن مجید اور خطبتہ الغدیر سے واضح ہے۔ ویسے تو محدثین عامہ و خاصہ نے اس حدیث کو بڑے اہتمام کے ساتھ صحیح اسناد سے جمع کیا ہے مگر بعض علماء نے اس حدیث کے طرق کی فراہمی میں ایسے انہماک سے کام لیا ہے کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔

چنانچہ ابن کثیر شامی سے روایت ہے کہ ابوالمعالی جوینی اکثر بڑے تعجب سے کہا کرتے تھے کہ میں نے بغداد میں صحافوں کے پاس اس حدیث کی روایتوں کے متعلق ایک ضخیم کتاب دیکھی جس پر لکھا تھا کہ یہ حدیث غدیر کے طریقوں کے متعلق اٹھائیسویں جلد ہے اور اس کے بعد انتیسویں جلد لکھی جائے گی۔

اس حدیث کے طرق پر متعدد مستقل رسالے بھی لکھے گئے ہیں جن میں سے چند کا ذکر حسب ذیل ہے۔

ا۔ حافظ ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید بن عبدالرحمان بن ابراہیم بن زیاد بن عبداللہ بن عجلان العقدی الکوفی المعروف بہ ابن عقدہ نے اس حدیث کے متعلق ایک مبسوط رسالہ "حدیث الموالاۃ" کے نام سے لکھاہے اور ایک سو اٹھائیس طریقوں سے روایت کی ہے۔

۲۔ علامہ ابو سعید مسعود بن ناصرالسنجری السجستانی نے اس حدیث کو ایک سو بیس صحابہ سے روایت کر کے سترہ جز کا ایک رسالہ لکھا جس کا نام "درایت حدیث الولایت" رکھا ہے۔

۳۔ علامہ حسن الامین نے اٹھارہ جلدیں اسی حدیث پر تحریر فرمائی ہیں۔

اصحاب رسولؐ راویان حدیث

علامہ ابن عقدہ نے ایک سو ایک اصحاب رسولؐ کے نام تحریر کئے ہیں جن سے حدیث غدیر مروی ہے۔ ان میں سے چند نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علیؑ (۵) حضرت امام حسنؑ (۶) حضرت امام حسینؑ (۷) حضرت عبداللہ بن عباس (۸) حضرت عبداللہ بن مسعود (۹) حضرت ابوذر (۱۰) حضرت سلمان فارسی (۱۱) حضرت حذیفہ بن یمان (۱۲) حضرت ابوایوب انصاری (۱۳) حضرت ابوسعید خدری (۱۴) حضرت جابر بن عبداللہ وغیرہم ۔ ابن عقدہ نے اٹھائیس دیگر اصحاب کا ذکر کیا ہے مگر ان کے نام نہیں لکھے ہیں۔

علماء و محدثین جنہوں نے اس حدیث کو نقل فرمایا

اصحاب رسولؐ اور تابعین کا سلسلہ پہلی صدی ہجری تک پایا جاتا ہے دوسری صدی سے علماء حدیث کا دور شروع ہوتا ہے۔ دوسری صدی سے پندرھویں صدی تک ہمارے محدود مطالعہ کے مطابق پانچ سو سے زائد علماء نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس عالیشان حدیث کو نقل فرمایا ہے ہر صدی سے ہم ایک ایک نام بطور شہادت نقل کرتے ہیں۔

دوسری صدی ہجری	ابو محمد و عمر بن دینار الجمعی المتوفی ۱۱۵ھ
تیسری صدی ہجری	امام محمد بن ادریس شافعی ۲۰۴ھ
چوتھی صدی ہجری	امام حافظ محمد بن شعیب نسائی ۳۰۳ھ
پانچویں صدی ہجری	حافظ احمد بن موسیٰ ابن مردویہ ۴۱۶ھ
چھٹی صدی ہجری	امام ابوحامد محمد الغزالی ۵۰۵ھ
ساتویں صدی ہجری	امام محمد بن عمر فخرالدین رازی ۶۰۶ھ
آٹھویں صدی ہجری	امام حافظ اسمٰعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی ۷۷۴ھ
نویں صدی ہجری	حافظ ولی الدین عبدالرحمان بن محمد ابن خلدون ۸۰۸ھ
دسویں صدی ہجری	حافظ امام عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ

گیارہویں صدی ہجری علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری ۱۰۱۴ھ
بارہویں صدی ہجری شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۱۷۶ھ
تیرھویں صدی ہجری سلیمان بن ابراہیم بلخی القندوزی ۱۲۲۳ھ
چودھویں صدی ہجری مومن بن حسن مومن الشبلنجی ۱۳۵۰ھ
پندرھویں صدی ہجری محدث محمود شاہ ہزاروی

حدیث غدیر کا متواتر ہونا

اس حدیث کا ہر طبقے میں مسلسل روایت کیا جانا اس کے تواتر کو ثابت کرتا ہے تاہم نمونے کے طور پر ہم علماء کے دو اقوال نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔
ملا علی قاری تحریر کرتے ہیں کہ
"بے شک یہ حدیث غدیر صحیح ہے۔ جس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہے۔ حافظان حدیث نے اس کو متواترات میں شمار کیا ہے"
(المرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ
"حدیث غدیر کو امام احمد حنبل وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے اور امام احمد حنبل کے تمام راوی ثقہ ہیں یہ حدیث متواتر ہے
(جامع صغیر)

طرق حدیث غدیر

اگرچہ اس معروف اور شہرہ آفاق حدیث کے تمام طرق کا احصاء اس کتاب میں مشکل ہے تاہم تمینا" صرف ایک طریقے پر اقتصار کیا جاتا ہے۔
شیخان یعنی بخاری اور مسلم جیسے حدیث کے اماموں کے استاد عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ اپنی "مسند" میں اور حافظ عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی نے اپنی

"سنن" میں جابر بن عبداللہ انصاری کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم غدیر خم کے مقام جحفہ میں تھے اور ہمارے ہمراہ قبیلہ جھینہ و حزمینہ' غفار کے بہت سے لوگ تھے پس رسولؐ اللہ نے اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے اور بعد خطبے کے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اور ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ مولا ہیں۔

صحیح بخاری اور حدیث غدیر

ہم نے اپنی کتاب "علی ولی اللہ" میں عامتہ المسلمین ائمہ حدیث کی ایک طویل فہرست مرتب کی ہے جنھوں نے تخریج حدیث غدیر کی ہے۔ اس فہرست میں ہم نے ایک سو باون علماء کے اسماء نقل کئے ہیں بخاری' مسلم' واقدی اور ابوداؤد کے سوا ہر طبقہ کے محدثین کی جماعت کثیر نے اس حدیث پاک کو روایت کیا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ "تدوین حدیث" از خود ایک درد ناک تاریخ کا حامل ہے۔ جس کے بارے میں ہم اس کتاب میں کوئی تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں پاتے۔ البتہ تاریخ بین اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ کام کس فضا اور کیسے ماحول میں ہوا۔ بنی امیہ اور بنو عباس کے عہدوں میں بعض سیاسی' مفادات کو پیش نظر رکھ کر تاریخ نویسی اور جمع حدیث کی مہمات شروع ہوئیں۔ یہ دونوں کام آزادنہ ماحول' بے باکی' بے لاگی اور انصاف کی احتیاج رکھتے ہیں جس میں کی کوئی سہولت مورخ یا محدث کو حاصل نہ تھی۔ مختصراً" یوں کہہ لیجئے کہ کاغذ پر قلم کی نوک ہوتی اور محرر کی گردن پر تلوار کی نوک۔ قلم تلوار کے اشاروں پر حرکت کرتے تھے۔ جو گردن ذرا سی بھی اٹھی اڑا دی گئی۔ ایسی فضا تھی کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ خصوصاً" وہ دور مکتب اہل بیتؑ کے پیروکاروں کے لئے بہت کٹھن اور پر آزمائش تھا۔ خانوادہ رسولؐ کا نام تک لینا ناقابل معافی جرم قرار دیا جا چکا تھا۔ یہ تو اللہ کا

خصوصی بندوبست ہی تھا کہ اس نے اپنے ذکر کو ارفع رکھا اور آج ہمیں اخفاء کی لاکھ کوششوں کے باوجود اہل بیتؑ کے فضائل و مناقب کا اتنا ذخیرہ دستیاب ہے کہ کسی دوسرے کے لئے نہیں مل پاتا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں کو اپنے خزانہ حافظہ میں محفوظ کیا تھا جن میں سے ۷۲۷۵ احادیث کو اپنی صحیح میں منتخب کر کے جمع کیا ان میں سے صرف ۴۹ حدیثیں حضرت علیؑ سے لی گئی ہیں ان کا دور قرن ثالث یعنی تیسری صدی ہجری تھا جو اسلام کی بیخ کنی اور کذب و افتراء کے لئے مشہور زمانہ ہے اسی دور کے بارے حضورؐ اکرم نے فرمایا تھا کہ "پھر جھوٹ پھیل جائے گا" صحیح بخاری جلد اول ص ۶۵ مگر محدثین کی کاوش اپنے مقام پر خراج تحسین کی مستحق ضرور ہے کہ انتہائی ناسماعد حالات اور کڑی پابندیوں کے باوجود انہوں نے اپنی لیاقت سے یہ کوشش "تقیتہ" ہی سہی ضرور فرمائی۔ کہ اشارے کنایے سے حق کا اظہار کیا اس کوشش کی بسا اوقات ان کو بڑی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی اور سخت اذیت اٹھانا پڑی۔ امام نسائی جیسے جید محدث کی پسلیاں شکستہ کر دی گئیں بہر حال وہ ایسے حالات تھے اظہار حقیقت کرنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ حدیث غدیر باطل کے محلات کو مسمار کرنے کا بہت بڑا ہتھیار تھا اور اہل حکومت نفسیاتی طور پر اس کی نشرواشاعت سے بڑے خائف اور بہت مرعوب تھے مگر اللہ کو اپنے نور کو منور رکھنا منظور تھا بخاری اور مسلم اپنی ذاتی مجبوریوں کے باعث اس حدیث کو اپنی اپنی صحیح میں صحیح مقام دینے سے معذور تھے مگر ایسی متواتر حدیث کو بالکل نظر انداز کر دینا پیشہ وارانہ خیانت تو تھا ہی ان کے ضمیر میں بھی باعث مذمت تھا چنانچہ انہوں نے بڑے محتاط انداز میں اپنے مجموعہ میں اس عالیشان حدیث کو اس طرح پیش کیا کہ تھوڑا سا غور کرنے سے آدمی معاملے کی تہ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے چنانچہ اپنی چابک دستی کے ساتھ بڑی فراست سے انہوں نے سانپ کو بھی مار دیا اور اپنی لاٹھی بھی بچا لی۔ چنانچہ امام بخاری اپنی صحیح میں

اس حدیث کے انوکھے طریقے سے نقل کرتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کے اتمام کے قریب مدون کیا ہے ۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث جس جگہ پر نقل کی گئی ہے وہاں بظاہر بے ربط لگتی ہے مگر امام بخاری نے اسے باقاعدہ ایک جداگانہ باب بنا کر پیش کیا ہے اور اپنی ترتیب کی مناسبت سے اس حدیث کو صحیح کی اس کتاب میں جگہ دی ہے جو نام کے لحاظ سے "دین" کی روح ہے۔ اگر انہوں نے قصداً" ایسا کیا ہے تو بہت لاجواب کیا ہے۔ اور اگر ان سے سہواً" ایسا ہو گیا ہے تو یہ دلیل اظہار حق ہے

چنانچہ امام بخاری اپنی صحیح کے تیسویں پارے کی آخری کتاب "کتاب التوحید" کے آخری حصے میں باب نمبر ۱۲۷۷ زیر عنوان۔

"قول اللہ تعالی یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ ۔ ۔ فجعل یحدثھم

یعنی اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اے رسولؐ پہنچا دیجئے جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اس کا پیغام (رسالت) نہیں پہنچایا۔

اور زہری نے کہا کہ اللہ کی طرف پیغام (رسالت) بھیجنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر پہنچانا ہے اور ہم پر اس کا تسلیم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ جان لے کہ ان لوگوں نے اپنے رب کے پیغاموں کو پہنچا دیا اور فرمایا کہ میں تمہارے پاس اپنے رب کے پیغاموں کو پہنچاتا ہوں اور کعب بن مالک نے جب کہ وہ (غزوہ تبوک میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے کہا کہ عنقریب اللہ اور اس کے رسولؐ تمہارے کام دیکھیں گے اور حضرت عائشہؓ نے کہا کہ جب تم کو کسی کا عمل پسند ہو تو کہا کرو عنقریب اللہ اور اس کے رسولؐ اور ایماندار تمہارے کام دیکھیں گے اور تم کو کوئی فریب میں نہ ڈالے اور معمر نے کہا ذالک

الکتٰب سے مراد ھذا القرآن ہے۔ ھدی للمتقین ہدایت ہے متقین کے لئے میں "ہدیٰ" سے مراد بیان اور ولالت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ اللہ کا حکم ہے اس میں کوئی ریب یعنی شک نہیں ہے "تلک ایات" سے مراد ہذہ اعلام القرآن ہے اور اس کی مثال آیت حتی اذا کنتم فی الفلک و جرین بھم ہے[1] جس میں جرین بھم سے مراد جرین بکم ہے اور انس نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے ان کے ماموں حرام کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تو انہوں نے جا کر کہا کہ تم مجھ پر ایمان لاتے ہو کہ میں آنحضرت صلعم کا پیغام پہنچاتا ہوں پھر ان سے باتیں کرنے لگے"

(صحیح بخاری جلد سوم ص ۹۱۵ اور ص ۹۱۶)

۔ عربی متن میں اس مطلب کی کوئی عبارت نہیں ہے۔ گمان ہے کہ ایک خاص مقصد کے لئے یہ اضافہ کیا گیا ہے۔

[1] سورہ یونس آیت نمبر ۲۲

یہ ہے وہ طویل عنوان باب جس کا سرنامہ آیت غدیر ہے اس بظاہر غیر مربوط عبارت میں بہت مفید مطالب پوشیدہ ہیں مثلاً "زہری کا بیان پیغمبرؐ نے اللہ کا پیغام پہنچادیا کیونکہ خدا دیکھتا ہے کہ اس کا پیغام پہنچادیا ہے یا نہیں پھر کعب بن مالک کے پیچھے رہ جانے کے حوالے سے رسولؐ کو اعمال دیکھنے والا حاضر و ناظر بتانا۔ اور بات کو ادھورا رکھنا پھر بی بی عائشہ کی زبانی اللہ ' رسولؐ اور مومنین کی یہ صفت بیان کرنا۔ کسی کے فریب دینے کی جانب اشارہ کرنا۔ کتاب' قرآن ' متقین ' ہدیٰ ' آیات اور اعلام القرآن کے کنایوں میں بات کر کے فلک کی مثال دیکر فلک النجاۃ کی طرف متوجہ کرنا پھر آخر میں انس کا اپنے ماموں کی تقرری کا قصہ بیان کرتے ہوئے حرام کا اپنی قوم سے یہ کہنا کہ "مجھ پر ایمان لاتے ہو کہ میں آنحضرتؐ کا پیغام پہنچاتا ہوں" جب آپ ان تمام اشاروں پر غور فرمائیں گے تو انہیں حدیث غدیر سے متصل قرار دیں گے۔

امام بخاری اتنا بڑا عنوان باب تحریر کرنے کے بعد حدیث نمبر ۲۳۷۷ نقل کرتے ہیں جو صرف یہ ہے کہ حضورؐ نے ہم سے ہمارے رب کے پیغام کے متعلق خبر دی ہے کہ ہم میں سے جو شخص قتل کیا گیا وہ جنت میں جائے گا یہ روایت مغیرہ بن شعبہ سے ہے۔

اس روایت کو نقل کرنے کی خوشامدانہ چابکدستی کے فوراً" بعد امام بخاری اپنے مطلب کی جانب رجوع کرتے ہیں اور نقل کرتے ہیں کہ۔

"محمد بن یوسف' سفیان' اسمٰعیل' شعبی' مسروق حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وحی سے کچھ چھپا لیا۔ (دوسری سند) محمد' ابوعامر عقدی' شعبہ' اسمٰعیل بن ابی خالد' شعبی' مسروق حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ جو شخص تم سے یہ کہے کہ آنحضرتؐ نے وحی سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس کو سچا نہ سمجھنا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسولؐ آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہ پہنچایا"

(صحیح بخاری جلد سوم ص ۹۱۶ اور ص ۹۱۷ حدیث ۲۳۷۸)

امام بخاری اپنے ارد گرد کے حالات کی موجودگی میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تھے اب یہ قارئین بخاری کا کام ہے کہ وہ ان عبارتوں پر غور کریں لہٰذا یہ کہنا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث کا ذکر نہیں کیا راقم الحروف کے نزدیک درست نہیں ہے۔ جس قدر امام صاحب کی استطاعت میں تھا انہوں نے اس واقعہ کو اپنے ماہرانہ انداز میں پیش کیا ہے مگر انتہائی احتیاط اور پردہ پوشی کے ساتھ۔ بلاشبہ وہ اس پر ہدیہ تشکر وصول کرنے کے حق دار ہیں۔

احتجاج معصومینؑ بحدیث غدیر

اہل بیتؑ نے اکثر اس حدیث سے احتجاج کیا ہے چنانچہ جنگ جمل میں امام علیؑ نے طلحہ کو بلایا اور ان سے حدیث غدیر پر مناشدہ کیا۔ انہوں نے اقبال کیا اور واپس چلے گئے اور مروان نے ان کو قتل کر دیا۔

(مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۲۴۸)

سیدہ طاہرہ فاطمۃ الزہراؑ نے اپنے خطبے میں حدیث غدیر کو بیان فرمایا

(اسنی المطالب علامہ شمس الدین جزری)

جب صلح معاویہ کے لئے جمع ہوئے تو امام حسن علیہ السلام نے حدیث غدیر کو اپنے خطبہ میں بیان کیا۔

(ینابیع المودۃ)

معاویہ کے مرنے سے ایک دو سال قبل جب امام حسین علیہ السلام حج کے لئے مکہ گئے تو اپنے حبداروں پر ہونے والے ظلم کے خلاف ایک خطبہ نشر فرمایا جس کو سات سو سامعین نے سنا جن میں دو سو کے قریب صحابی تھے آپ نے اس میں دیگر احادیث کے ساتھ حدیث غدیر کا حوالہ بھی دیا۔

حدیث غدیر کو چھپانے والے اصحاب معذب ہوئے

رحبہ اور رکبان کے موقعوں پر امیر المومنین علیہ السلام نے ایسے اصحاب کو جنھوں نے اس حدیث شریف کو اپنے کانوں سے سنا تھا مگر گواہی نہ دی بد دعا دی جو قبول ہوئی ان میں بعض کے نام یہ ہیں۔ انس بن مالک، جریر بن عبداللہ البجلی، براء بن عازب، زید بن ارقم، عبدالرحمان بن بدتج وغیرہم۔ چنانچہ انس مبروص ہوئے، براء اور زید اندھے ہو گئے جب کہ جریر پاگل ہو گئے۔

(انساب الاشراف جزاء الاول بلاذری)

خوف رسولؐ

بے جا حب جاہ اور دنیوی ثروت فساد کی جڑیں ہیں۔ مخبرِ اعظمؐ نے امت میں جب ان کے آثار دیکھے تو انکی مضرت سے امت کو ان کے پھیلنے سے پہلے آگاہ فرما دیا۔ اور اکثر ارشاد فرمایا۔

"جس چیز سے میں اپنے بعد تمہارے لئے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تمہارے اوپر دنیوی دولت اور وجاہت کے دروازے کھل جائیں گے اور تم دنیا کو اختیار کر لو گے"

(صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید ج ا ص ۱۶۱)

بہر حال رسول غیب دان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان سچا ثابت ہوا لوگ نقض عہد کر کے بربادی میں مبتلا ہو گئے۔

منافع بیان

مسلمانوں کی تباہی کا نوشتہ دیوار بس دو صفحات پر مشتمل ہے۔ جن کی تشریح کے لئے دفتر در کار ہیں۔ یہ دونوں صفحے عہد رسالتؐ مآب میں زیر قلم آ چکے تھے۔ ایک صفحے کا عنوان "حب دنیا" ہے۔ مسلمانوں کی شکست اول کا باعث یہی عبارت بنی جب روز احد دولت کے لالچ نے تیر اندازوں کو رسولؐ اللہ کے حکم کی نافرمانی کرنے پر آمادہ کیا اور وہ درہ چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف ہوئے۔ دوسرے صفحے کا مضمون "میثاق غدیر" ہے جس سے انحراف کر کے اللہ و رسولؐ کے حکم کے خلاف ارضی اقتدار کو اہل بیتؑ رسولؐ سے جدا رکھ کر حب جاہ و منصب کا مظاہرہ کیا گیا۔ پس اللہ اس عہد شکنی سے غضب ناک ہوا۔ اپنی نعمت کو روک لیا۔ فہم دین سے محروم کر دیا۔ پس اللہ، رسولؐ اللہ اور ولی اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو توڑا تو صراط مستقیم سے بہت دور ہٹ گئے۔ غیر اسلامی سیاست کے ایسے قواعد معیشت، قوانین معاشرت اور ضوابطہ اخلاق مرتب کر لئے گئے جن پر آئندہ حکومتوں نے اپنے قصور شاہی کو مضبوط بنایا۔ نوخیز مسلمان نسلوں کے لئے وہی رہنما اصول اور نمونہ عمل قرار پائے اور وہی آج تک بروء کار ہیں المختصر حب دولت و جاہ دنیوی کے باعث تمام موجودہ، سابقہ اور آئندہ امراض و عوارض جو مسلمانوں پر طاری ہیں ان کی اصل یہی ہے کہ رسول خدا کے تعلیم کردہ نظام اور جاری کردہ سلسلہ امامت کو نظر انداز کر کے اتباع ھوئی کرتے ہوئے خدا کے مقابلے میں نئے نظام رائج کرنے کی کشمکش جو متخلفین نے شروع کی بالاخر امت کو لے ڈوبی۔

حالانکہ رسولؐ اللہ نے ہر دو رخ سے پردہ اٹھائے ہوئے قبل از وقت خبردار کر دیا تھا کہ۔

"انکم ستبلون فی اہل بی من بعدی" (کنز العمال - کتاب الفتن حدیث۔ نمبر ۵۰۵)

یعنی میرے فوراً بعد میرے اہل بیتؑ کے ذریعے تمہارا امتحان لیا جائے گا تمہاری آزمائش کی جائے گی۔

نیز فرمایا کہ۔

فوراً میرے بعد اس امت میں ایسے حاکم ہوں گے۔ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو وہ تم کو کفر کی طرف لے جائیں گے اور اگر ان کی اطاعت سے انکار کرو گے تو وہ تم کو قتل کر دیں گے وہ کفر کے سردار اور گمراہی کے رئیس ہوں گے۔ (کنز العمال۔ کتاب الفتن حدیث ۴۷۷)

پس منافع بیان یہ ہے کہ "دین فطرت" انسانی معاشرے کو منظم کرنے کا بہترین ضابطہ حیات ہے اسکا بلندی کی جانب جانے والا ایک سیدھا راستہ ہے جو اپنے راہی کو منزل فلاح تک لے جاتا ہے اور ایسے مقام تک پہنچا دیتا ہے کہ جہاں وہ جو چاہے ہو جاتا ہے۔ انسان کا ازلی دشمن اس راستے پر بار بار حملے کرتا ہے اور دنیا کی دلفریبی کا طمع دلا کر انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ دین اسلام اپنے مسلم کو ہر شے مادی ہو یا روحانی دینے کی ضمانت دیتا ہے اس کے بدلے وہ صرف یہ طلب کرتا ہے کہ مسلم الرسولؐ کا مطیع کامل رہے۔ الرسولؐ نے روز غدیر بحکم خدا امت کو اپنے اہل بیتؑ کی اطاعت میں دے کر یہ ضمانت دی کہ اگر ان سے وابستگی رکھی جائے گی تو ہر گمراہی سے حفاظت حاصل رہے گی۔ غدیر کے دن ولایت امیرالمومنینؑ کے اعلان کے بعد اللہ نے دین کی تکمیل فرمائی یعنی نعمت کو تمام کیا اور اس کا نام اسلام پسند کیا اور اس پر راضی ہو گیا اس حیات بخش دین اسلام کی باگ ڈور پیغمبرؐ اسلام نے اپنے جانشین امام علیؑ کے سپرد فرمائی اور صراط مستقیم کی نگرانی پر مامور فرمایا۔ لوگوں نے اس نعمت کا کفران کیا۔ جس سے اللہ سخت ناراض ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھ ایسی

چکی تلے آ گئے ہیں جو چلتی جا رہی ہے اور اس کے رک جانے کا وقت معین معلوم نہیں ہے۔ کیونکہ اطاعت اتباع کے بغیر کامل نہیں ہوتی اس لئے وہ لوگ جنہوں نے پیغمبرؐ کی اطاعت سے روگردانی کی نہ بیعت ولایت کو توڑا' اتباع میں سخت سست ٹھہرے اور دنیا میں حد سے زیادہ دلچسپی لینے لگے جس سے اطاعت کا معیار مطلوبہ درجے سے بہت گر گیا جس کے سبب دین اسلام کے موعودہ ثمرات سے بہرہ مندی حاصل نہ ہو سکی۔

اہل بیتؑ نے اطاعت رسولؐ اور اتباع پیغمبرؐ میں سبقت حاصل کی۔ ان کی سیرتیں سیرت النبیؐ کی عکسی نقول ہیں۔ ان کا اسوہ بمطابق اسوۃ الرسولؐ ہے۔ مادی حیات ہو یا روحانی۔ زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے ہر ہر گوشے تک مکتب اہل بیتؑ کی روشنی نہ پہنچتی ہو۔ مہد سے لے کر لحد تک کے تمام ممکنہ مسائل کا حل اس مکتب میں دستیاب ہے حتیٰ کہ سکون جو نایاب ہے وہ بھی وہاں موجود ہے۔ عبادات ہو یا معاملات ' اجتماعی الجھنیں ہوں یا انفرادی پریشانیاں قومی پیچیدگی ہو یا بین الاقوامی رکاوٹ' دنیا کے جھنجھٹ ہوں یا اخروی مسائل غرضیکہ جملہ مادی و روحانی مشکلات کو حل کر دینے کی ضمانت مکتب اہل بیتؑ کے سوا کوئی دوسرا نہیں دیتا ہے۔ چنانچہ مکتب اہل بیتؑ کے فکر و نظر کی روشنی میں جب ہم اسلامی نظریات کا زندگی پر اثر مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اسلامی علوم و معارف نے عترت رسولؐ کی حکمتوں سے اپنی تصویروں میں انسانیت کا دلکش رنگ جذب کیا ہے اور یہ رعنائی ان ہی معصوم ہستیوں کی مرہون منت ہے۔

التماس دعا

احقر العباد۔ پناہ مانگتا ہے انسانوں کے رب کی۔ انسانوں کے بادشاہ کی۔ انسانوں کے معبود کی۔ (وسوسہ ڈال کر) پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے وساوس کے شر سے۔ جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ (خواہ) وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

ربنا تقبل منی انک انت السمیع العلیم

۵ مئی ۱۹۹۰ء ۷ بجے صبح

حاشیہ صفحہ 212:

سورہ نحل کی یہ آیات ایک مخصوص شان نزول رکھتی ہیں۔ یار پیغمبرؐ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی اور دیگروں کی نصیحت کے لیے یہ آیات نازل ہوئیں۔ جناب عمار پر مشرکین مکہ نے ظلم کے پہاڑ توڑے اور حضورؐ کی نافرمانی کرنے کے لیے مجبور کیا۔ آپؐ نے یہ روئیداد بحضور سید الانبیاءؐ بیان کی تو آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی کہ ایسے اندوہناک حالات میں تقیہ کا سہارا لیکر اپنے دین کی حفاظت کریں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ وضاحت خدا نے کر دی کہ اگر کوئی خوش دلی سے نبیؐ کی نافرمانی، وگستاخی کرے گا اور دنیاوی لالچ میں آ کر اتباع رسول سے روگردانی کی راہ اختیار کرے گا تو مغضوب علیہم میں قرار پائے گا۔ ایسے لوگوں کو عذاب عظیم میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ ان کے دلوں کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی جائے گی اور بالآخر ان کا انجام بڑا گھناؤنا ہو گا یاد رہے کہ یہ تنبیہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان کے دعویدار ہیں۔

خصوصی گذارش

قارئین مکرمین سے عاجزانہ التماس ہے کہ ازراہ مہربانی اول و آخر درود شریف کے ہمراہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص کی تلاوت کا ثواب مرحومہ و مغفورہ والدہ صاحبہ ملک رفیع اللہ خان بنگش کو ہدیہ فرمائیں۔ ذاتی طور پر شکر گزار ہوں گے۔

ناشر

ثبوت ہے کہ اسلامی انقلاب تابع واقعہ غدیر ہے ۔

ایران کے اسلامی انقلاب کا دوسرا کارنامہ ہے کہ اس نے لڑنے والے مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کی ۔ وحدت مسلمین اس انقلاب کا ایک خصوصی ہدف ہے ۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ لبنان کی مدد کے لئے کوئی نہ آیا ۔ لیکن ایران نے اپنے فوجی دستے بھیج دیئے ۔ اسرائیل کے وزیر اعظم نے کسی مسلمان ملک کی طرف توجہ نہ کی لیکن ایران سے کہا کہ وہ اپنی دھمکیوں پر عمل نہ کرے ورنہ خطرناک نتائج پیدا ہوں گے یعنی دشمن کی نظر میں بھی حامی اسلام فقط ایران ہے ۔

تیسرا کارنامہ اسلامی انقلاب کا یہ ہے کہ یہاں افراد کی حکومت نہیں ہے ۔ آقائے خمینی سب سے زیادہ با اثر ہیں مگر حکومت سے الگ ہیں ۔ صدر، وزیر اعظم ، چیف جسٹس ممبران پارلیمنٹ ۔ وزراء ۔ جنرل ۔ علماء شہید ہو گئے بلکہ ہر گھر تک شہادت پہنچ گئی مگر اسلامی انقلاب کسی گھر سے باہر نہیں ہوا ۔

وفراز بھی اسلام کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ بات اس وقت اپنی پوری سچائی کے ساتھ سامنے آئی۔ جب غدیر کے معصوم سلسلہ کے زیر اثر ایران میں اسلامی انقلاب آیا۔ اور دنیا نے دیکھا کہ اسلام اپنے تمام کلیات وجزئیات سمیت زندہ وتابندہ ہے۔ اسلامی انقلاب نے غدیری اعلان کی اہمیت بھی ثابت کردی اور ائمہؑ نے اسلام کا جو تحفظ کیا تھا اس کا زندہ ثبوت بھی پیش کردیا۔

ایران کے اسلامی انقلاب سے پہلے جن مسلمان ملکوں سے اسلام اور اسلامی حکومت کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ ان میں سے کسی ملک نے آج تک اپنے یہاں اسلامی حکومت نہیں قائم کی۔ سورہ والناس گواہ ہے کہ انسانوں کا بادشاہ (ملک الناس) صرف خدا ہے کیونکہ اس سورہ کے آغاز میں خدا نے اپنے کو رب الناس۔ ملک الناس الہ الناس بتلایا ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی انسانوں کا خدا نہیں ہے تو اللہ کے علاوہ کوئی نہ انسانوں کا رب ہے نہ انسانوں کا بادشاہ ہے۔ لہذا جہاں حکومت انسانوں کی ہے چاہے وہ ملک کہلاتا ہو یا شیخ۔ صدر کہلاتا ہو یا ڈکٹیٹر وہاں حکومت الٰہیہ نہیں ہے۔ ایران میں جو دستور رائج ہے اس کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ ملک کا ہر قانون اور ہر عہدہ دار قرآن مجید اور ارشاد رسولؐ وارشاد ائمہؑ طاہرین کا پابند ہوگا۔ کوئی کام خلاف کتاب وسنّت معصومینؑ نہ ہوگا۔ ایران کا اسلامی انقلاب جہاں کتاب وسنّت کی حکومت کو نافذ کرتا ہے وہاں سنّت کی تشریح صرف سنّت رسولؐ سے نہیں کرتا ہے بلکہ سنّت معصومینؑ کو سنّت قرار دیتا ہے۔ سنّت کو سنّت رسولؐ و ائمہ معصومینؑ قرار دینا اس بات کا

اس کے مولی ہیں۔

۳ - اعلان کے بعد خدا نے کہا۔ آج کافر مسلمانوں کے دین سے مایوس ہو گیا۔ آج سے کسی غیر اسلامی خوف سے کوئی مسلمان نہ ڈرے کیونکہ آج دین کامل ہو گیا نعمتیں پوری ہو گئیں اور مسلمانوں کا اسلام اللہ نے قبول کیا۔

۴ - اعلان کے بعد حضورؐ نے حکم دیا کہ فرداً فرداً ہر مسلمان سربراہ اسلام ہونے کی مبارکباد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرے۔

۵ - اعلان سربراہی کی تقریب کے اختتام کے بعد بھی حضورؐ نے ہر حاضر مسلمان کا فریضہ قرار دیا کہ وہ ہر غیر حاضر مسلمان تک آج کا پیغام - آج کی روئداد - آج کا حکم پہنچائے۔ چنانچہ ہم ہر سال عید غدیر منا کر اپنے ہادیؐ کی ہدایت پر سالانہ عمل کرتے ہیں۔

غدیر کے دن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے لئے خدا اور نبیؐ نے جو اہتمام کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کی ابدیت کو تاقیامت باقی رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ زندگیوں میں نافذ رہے معاشرہ اور حکومت اس کی تابع رہے۔ قانون الٰہی کو مکمل برتری اور بالاتری حاصل رہے۔ اور ان مقاصد کے حصول کے لئے لازم تھا کہ معصوم سربراہ مقرر کیا جائے اور اس کی سربراہی سب سے منوائی جائے۔ غدیری اعلان درحقیقت اسلام کی زندگی کا تحفظ تھا۔ اگرچہ تاریخ نے غدیری اعلان سے منہ موڑ لیا تھا مگر سربراہ نے بلکہ پورے سلسلہ سربراہ نے اسلام کا ایسا تحفظ کیا۔ کہ صدیوں کے نشیب

غدیر سے اسلامی انقلاب تک

تقریباً ۱۴ سو سال کا طولانی فاصلہ ہے غدیر اور اسلامی انقلاب کے درمیان لیکن اس طویل فاصلہ کے باوجود دونوں واقعے ایک تاریخ سے جڑے ہوئے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ایک سبب ہے دوسرا اس کا نتیجہ ہے۔ سنہ ۱۰ھ کے آخری مہینہ ذی الحجہ کی ۱۸ تاریخ کو مرسل اعظم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سربراہ اسلام ہونے کا اعلان کیا تھا یہ اعلان حسب ذیل خصوصیات کا حامل ہے۔

۱۔ اعلان سے قبل خدا نے حضورؐ سے کہا کہ اگر یہ اعلان نہ ہوا تو تبلیغ دین کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

۲۔ اعلان سے قبل حضورؐ نے اپنی موت کی خبر دی۔ لوگوں کو دین کی پابندی کی تلقین کی۔ حق تبلیغ ادا کرنے کا مجمع سے اقرار لیا۔ لوگوں سے سوال کیا کہ اپنی زندگی کے تم مالک ہو یا میں تمھاری زندگیوں کا مالک ہوں۔ مجمع نے حضورؐ کے مالک ہونے کا اقرار کیا۔ اس اقرار کے بعد لازم تھا کہ حضورؐ اپنی ملکیت (امت کی زندگی) کو نقصان سے محفوظ رکھنے کا انتظام کریں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اللہ میرا مولیٰ ہے۔ میں تمھارا مولیٰ ہوں اور جس کا میں مولیٰ ہوں یہ علیؑ بھی

بھی قانون الٰہی بہت کم نافذ ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ دین اور قانون کا نفاذ طاقت کے ذریعہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ بلکہ تعلیم و تبلیغ کو نفاذ کا ذریعہ مقرر و معین کیا گیا۔ لہٰذا جو لوگ غدیر کی بات نہیں مانتے۔ ان سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ البتہ جو غدیر کے اعلان کو دل و جان سے مانتے ہیں۔ ان سے سوال ہے کہ وہ اسلام کے قانون کو اپنی زندگی میں۔ اپنی فیملی اور خاندان کی زندگی میں۔ اپنی سوسائٹی اور قوم کی زندگی میں کیوں نافذ نہیں کرتے۔ کیا پابند دین ہونے کے لئے خدا نخواستہ ان کو بھی کسی آسمانی عذاب کا انتظار ہے۔ یا معاذ اللہ ان کو بھی بارھویں امام کی تلوار کا انتظار ہے۔ اگر بغرض ایسی کوئی بات ہے تو یقیناً ان کے دل نے غدیر کے اعلان کو نہیں مانا ہے۔ ورنہ غدیری اعلان کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم نہ صرف اپنی زندگی میں۔ اپنے خاندان کی زندگی میں۔ اپنی قوم اور سوسائٹی کی زندگی میں اسلامی قوانین کو نافذ کریں بلکہ غیروں کو اپنائیں غدیری حلقہ کی توسیع میں حصہ لیں اور دوسروں میں بھی غدیری اسلام کو نافذ اور جاری وساری کریں۔ لیکن بے نمازی ہم ہیں۔ بے روزہ دار ہم ہیں۔ زکوٰۃ و خمس کو ہضم کر جانے والے ہم ہیں۔ گھر میں اپنے رفقا حیات کو ستانے والے ہم۔ ماں باپ کو دل تنگ کرنے والے ہم ہیں۔ مومنین کو دھکانے والے ہم ہیں مسلمان نہ ہماری زبان سے محفوظ ہیں نہ ہمارے ہاتھوں سے محفوظ ہیں اس صورتحال کے پیش نظر تو ہم معمولی مسلمان بھی نہیں ہیں چہ جائیکہ غدیری مسلمان ہونا لہٰذا غدیر کو ماننے والی قوم سے اعلان غدیر تقاضہ کر رہا ہے کہ دین کو ہر زندگی میں نافذ کرو۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم کو غدیر کے منکروں کے صف میں تمہارا عمل کھڑا کر دے۔ اور دوزخ میں کھڑے ہونے سے بدتر ہے غدیر کے منکروں کی صف میں کھڑا ہونا۔

واقعہ ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد حالات نے آپ کو پیشوائی اور سربراہی کے حق سے محروم رکھا تفسیر وحدیث وتاریخ کی کتابیں اس تذکرہ سے بھری پڑی ہیں معلوم کرنا اور اعتراف کرنا ہمارا فرض بھی ہے اور ہماری ضرورت بھی ہے۔ یہاں ثبوت پیش کرنا پیش نظر نہیں ہے۔ تاریخ احمدی سے لے کر الغدیر تک ہزاروں کتابیں اس موضوع پر ہر زبان میں موجود ہیں۔ جن کو نہیں معلوم ہے وہ معلوم کریں اور مانیں۔ البتہ جن کو غدیری اعلان معلوم ہے نہ صرف معلوم ہے بلکہ یہ اعلان ہر طرح تسلیم ہے ان کا فرض ہے کہ سوچیں کہ خدا نے ختم نبوت کے بعد سلسلہ امامت کو کیوں جاری کیا۔ حضرت علیؑ کو نبیؐ کا جانشین کیوں بنایا۔ اور آپ کے بعد گیارہ امام کیوں مقرر کئے۔ بارہویں کے ذریعہ امامت کو آج بھی کیوں زندہ اور باقی رکھا ہے۔ یہ ایسے ہی بہت سے سوالات ہیں جن کی بنیادی وجہ کو جاننا ہمارا فریضہ ہے۔

وجہ صرف ایک ہے بے شک دین کامل ہے۔ لیکن قیامت تک تشریح قانون کی ضرورت باقی ہے اور مکمل قانون بھی بے فائدہ ہے اگر وہ نافذ نہ ہوسکے افراد اور سوسائٹی کی زندگی پر اگر قانون کی گرفت مکمل طور پر نہیں ہے تو قانون و دین کا فائدہ بھی پورے طور پر حاصل نہ ہوگا۔ لہذا قیامت تک سلسلہ امامت کو اس لئے باقی رکھا گیا تاکہ قانون کی صحیح تشریح ہوتی رہے۔ اور اس کو نافذ بھی کیا جائے۔ ظہور امام مہدی علیہ السلام کا دن نفاذ قانون کی تکمیل کا دن ہوگا حکومتیں طاقت کے ذریعہ قانون نافذ کرتی ہیں اور دین تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ قانون کو نافذ کرتا ہے زمانہ غیبت عہد مہلت و فرصت ہے تاکہ تبلیغ و تعلیم کے حدود مکمل ہوجائیں تبلیغ و تعلیم کے حدود کی تکمیل کو ہی اتمام حجت کہا جاتا ہے حضورؐ کو اسلام پیش کئے ہوئے ۱۴ سو سال سے زیادہ مدت ہوچکی ہے لیکن اب

ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ اس بات کی طرف توجہ دلانا اس لئے ضروری تھا کیونکہ منکر مزاج اور ضدی طبیعتیں ثبوت کی رٹ لگائی ہیں اور ثبوت نہیں بلا کی ہٹ پر اترائی ہیں۔ لیکن کسی کو اگر کسی بات کا ثبوت نہیں ملا تب بھی اس کو حق سے انکار نہیں ہے۔ صرف وہ اقرار سے اپنے کو آزاد رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ ثابت نہ ہونے سے نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ عدم ثبوت بہر حال ثبوت عدم نہیں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے میدان میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں اور حاجیوں کے درمیان مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس اعلان کو زبان حال سے بھی پیش کیا۔ اپنے اقوال سے بھی پیش کیا اور سب کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا بھی تاکہ ہر شخص فرداً فرداً آپ کے امیر المومنینؑ ہونے کا اقرار کرے اور سب نے بلا استثنا شخصے یہ اقرار کیا بھی۔ اصحاب۔ مہاجرین انصار۔ ازواج پیغمبر غرضکہ کوئی باقی نہ رہا جس نے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ارشاد پیغمبرؐ اور حکم خدا کے مطابق اپنا امیر نہ مانا ہو۔

ائمہ معصومین علیہ السلام نے لفظ امیر المومنین کو ذات علیؑ ابن ابی طالبؑ علیہ السلام کے لئے مخصوص کر دیا اور ممانعت کر دی کہ کسی امامؑ کے لئے بھی یہ لفظ استعمال نہ کیا جائے تاکہ شک و شبہ۔ مجاز اور مبالغہ وغیرہ کی تمام راہیں بند رہیں۔ حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کا جانشین پیغمبر ہونا۔ امام ہونا وصی پیغمبر ہونا۔ ولی خدا ہونا۔ حجۃ خدا ہونا۔ اسلام اور مسلمانوں کا دینی و دنیاوی پیشوا اور سربراہ ہونا اتنی ہی سچی اور ثابت حقیقت ہے جتنا سچا یہ

ضمیمہ

مقالہ از مولانا سید غلام عسکری اعلی اللہ مقامہ

غدیری تقاضے

حقیقت خود حقیقت ہوتی ہے - چاہے مانی جائے - چاہے نہ مانی جائے - اسی طرح اگر کوئی بے حقیقت بات مان بھی لی جائے تب بھی وہ حقیقت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی - مثلاً خدا ہے - یہ ایک حقیقت ہے اگر ساری دنیا اس حقیقت کی منکر ہو جائے تب بھی اس کی واقعیت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوگا - بلکہ جو معترف ہوگا - اس کا اعتراف اس کو سچا بنا دے گا اور جو منکر ہوگا اس کا انکار اس کو غلط اور باطل بنا دے - یہی حال یہی اصول نتیجہ ہر حقیقت کے لئے ہے - اس میں کوئی فرق نہ ہوگا - معاملات چاہے دین کے ہوں یا دنیا کے ہوں - باپ بہر حال باپ ہے نہ ماننے والا بیٹا نالائق کہلائے گا اور ماننے والا لائق قرار پائے گا -

باپ کو باپ ماننے نہ ماننے کا کوئی اثر باپ پر نہیں پڑے گا کچھ اثر پڑے گا وہ بیٹے ہی پر پڑے گا یہ بات بھی خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ حقیقت جاننے کے لئے ثبوت درکار ہوتے ہیں ورنہ درحقیقت ثبوت کو خود حقیقت پیدا کرتی ہے - خود ثبوت میں حقیقت کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے یہ بات کوئی دقیق بات بھی نہیں ہے - مثلاً دھواں اس بات کا ثبوت ہے کہ آگ سلگ رہی ہے اور آگ سلگ رہی ہے یہ حقیقت ہے - آگ نے دھویں کو پیدا کیا ہے - دھویں نے آگ کو نہیں پیدا کیا ہے - ہم کو آگ کے وجود کا علم دھویں کے